{ یا أیھا الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنبأٍ فتبینوا (القرآن) }

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو! (الحجرات: ۴۹/۶)

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

اور

عباراتِ اکابرؒ

تصنیف:

مفتی محمد وقاص رفیعؔ

فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور

من منشورات:

ادارۃ التحقیق والأدب

مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" 9 مئی 2018ء کو منظر عام پر آئی جس کے متعلق خود انہوں نے اپنی فیس بک آئی ڈی سے درج بالا ٹائٹل کے ساتھ قارئین کو "خوشخبری" سنائی کہ:

{.....خوش خبری.....}

علمائے اھل سنت والجماعت کے خلاف ہرزہ سرائی پر مشتمل معتوب زمانہ کتاب "ناقدین معاویہ" کا دنداں شکن جواب "حضرت معاویہ اور عبارات اکابر" کے نام سے الحمد للہ منظر عام پر آگیا ہے جس میں راویٔ بخاری محدث عبد الرزاق، امام ابن جریر طبری، امام حاکم نیشاپوری، امام ابوبکر الجصاص، صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی، علامہ سعد الدین تفتازانی، میر سید شریف جرجانی، محدث جلیل حضرت ملا علی قاری، مشہور عاشق رسول ملا عبد الرحمان جامی، صاحب نور الانوار ملا جیون، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی، قطب الارشاد حضرت گنگوہی، محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا عبد الشکور لکھنوی، مولانا عبد الرشید نعمانی، مولانا امین صفدر اوکاڑوی اور مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا منصفانہ انداز میں انتہائی خوش اسلوبی اور متانت کے ساتھ بہت ہی شان دار دفاع کیا گیا ہے۔

از قلم: مفتی محمد وقاص رفیع
+923005808678

مفتی محمد وقاص رفیع کے نام سے منسوب کتاب "حضرت امیر معاویہ رض اور عباراتِ اکابر" (جس پر چھپنے والے ٹائٹل کا اسکین آگے دیا گیا ہے۔) مارکیٹ میں آنے کے ٹھیک چار دن بعد بلا تاخیر 13 مئی 2018 کو حافظ عبید اللہ صاحب نے اپنی فیس بک وال پر مذکورہ کتاب سے متعلق ایک مختصر پوسٹ زیر عنوان "کیا پدی کیا پدی کا شوربہ" دی جس میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"آج حال ہی میں شائع ہونے والی ایک کتاب بنام "حضرت امیر معاویہ (رض) اور عبارات اکابر" کا سرسری مطالعہ کیا، معلوم ہوا کہ اس میں ان "اکابرین" کا دفاع کیا گیا ہے جن کی چند عبارات کو لے کر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان عبارات سے حضرت معاویہ (رض) پر تنقید کا پہلو نکلتا ہے۔
صاحب کتاب نے بظاہر یہ تاثر دیا ہے وہ حضرت معاویہ (رض) کو ایک جلیل القدر صحابی ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "حضرت معاویہ کی خطا نصِ قرآنی سے ثابت ہے"

اب سوال ہوتا ہے کہ نصِ قرآنی سے خطا ثابت ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ "حضرت معاویہ (رض) نے نصِ قرآنی کی مخالفت کی"۔ اب آگے "مدرسہ رائے ونڈ" کے فارغ التحصیل مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ "اگر یہی خطا کسی عام شخص سے ہوتی تو اس پر گناہ کبیرہ اور فسق کا اطلاق ہوتا"۔

(یعنی نصِ قرآنی کے خلاف کرنے والے کو فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب کہا جائے گا)

آگے لکھتے ہیں کہ:

"مگر یہاں حضرت معاویہ کا شرف صحابیت اور آپ کا علم و فضل یہ لازم کرتا ہے کہ آپ کی اس خطا کو (فسق یا گناہ کبیرہ نہیں) بلکہ خطائے اجتہادی قرار دیا جائے"

اب اگر ان مفتی صاحب سے کوئی رافضی یہ سوال کر دے کہ صاحب: نصِ قرآنی کی مخالفت غیر صحابی کرے تو وہ فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب، اور اگر صحابی کرے تو اس کی اجتہادی خطا جس پر آپ کے ہاں ایک اجر بھی ملتا ہے، یہ فرق کہاں سے ثابت ہے؟؟ تو مفتی صاحب نہ جانے کیا جواب دیں گے؟؟

ان لوگوں کی کیا اوقات ہے کہ یہ صحابہ کرام کو پہلے نصوص قرآنیہ کا مخالف بتائیں پھر ان پر احسان کرتے ہوئے کہیں کہ یہ "اجتہادی خطا ہے"، جنہیں یہ تک نہیں پتہ کہ "خروج" کیا ہوتا ہے؟ اور جن سے "کتاب لکھوانے والوں" نے انھیں یہ تک نہیں بتایا کہ جنگ صفین میں "خروج" کس طرف سے اور کس کی جانب ہوا تھا وہ بن بیٹھے ہیں "مفتی" ... اور چار لفظ پڑھ کر چلے ہیں صحابہ کے فیصلے کرنے ... شرم ان کو مگر نہیں آتی ..."

قارئین کرام

اس مختصر پوسٹ کے اگلے روز یعنی 14 مئی 2018 سے حافظ عبید اللہ صاحب نے فیس بک پر مفتی وقاص رفیع کی کتاب پر ناقدانہ تبصرہ "اکابر کے نادان وکیل" کے عنوان سے قسط وار لکھنا شروع کیا جو 2 اگست 2018ء کو 32 اقساط پر اختتام پذیر ہوا۔ حافظ عبید اللہ صاحب کے تبصرہ کو بہت سارے قارئین نے فیس بک پر پڑھا ہے ممکن ہے کہ ابھی تک انہیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب تک رسائی حاصل نہ ہوئی ہو اور وہ پوسٹوں میں دیئے گئے حوالہ جات کا مشاہدہ نہ کر سکے ہیں اس لئے حافظ عبید اللہ صاحب کے تبصرہ کی پی ڈی ایف میں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے صفحات کے اسکین بھی پیش کئے گئے ہیں۔ حافظ عبید اللہ صاحب کے تبصرہ کے مطابق مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب میں چونکہ پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" میں شامل بعض اکابر کی عبارات کے دفاع کے نام پر صحابہ کرام کی ایک جماعت پر کھلم کھلا تنقید کی گئی ہے اس لئے حافظ صاحب نے مفتی

وقاص رفیع کی کھلی جارحیت کا بروقت نوٹس لیا گیا ہے جس پر وہ بجا طور پر امت مسلمہ کی طرف سے ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔ "اکابر کے نادان وکیل" کے عنوان سے فیس بک پر پیش کیا گیا تنقیدی جائزہ جدید سبائیت کے فتنہ کا تریاق ہے۔

حافظ عبیداللہ صاحب کے تبصرہ کی پی ڈی ایف کے ساتھ اب زیر تبصرہ کتاب کے اسکین بھی شامل کئے گئے ہیں تاکہ قارئین حوالہ جات کی تسلی کرتے ہوئے مفتی وقاص رفیع کی کتاب بارے خود ہی کوئی رائے قائم کریں۔ پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی کتاب کا "نفس مسئلہ "اکابر کی بعض تنقیصی عبارات ہیں۔ اس بابت پروفیسر صاحب اپنی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" میں لکھتے ہیں:

"۔۔۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ اکابر کی بعض عبارات اور الفاظ کی اگرچہ "تاویل" کی جا سکتی ہے لیکن ان عبارات اور الفاظ پر بھی بہ ظاہر اور "صورتاً" نقد ہی کا اطلاق ہوتا ہے۔ جب "خطائے اجتہادی حقیقتاً نہیں بلکہ صورتاً معصیت ہو سکتی ہے تو "نقد" بھی صورتاً معصیت ہو سکتا ہے۔

امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ:

"اور جو کچھ بعض سے حرب حضرت امیرؓ یا کچھ اور بشریت سے تقصیر ہوئی وہ خطائے اجتہادی تھی اور جو امر بخطاء اجتہاد سرزد ہوتا ہے وہ بصورتِ معصیت ہے نہ خود معصیت۔"

(تالیفات رشیدیہ۔ ہدایت الشیعہ ص 550۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

حضرت شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ:

"غرضیکہ ایسا لفظ منہ سے نہ بولے جس سے کچھ بو شرک کی یا بے ادبی کی آوے کہ اس (اللہ تعالیٰ) کی بہت بڑی شان ہے اور وہ بڑا بے پروا ہے۔ ایک نکتہ میں پکڑ لینا اور ایک نکتہ میں نواز دینا اسی کا کام ہے۔

اور یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے...." (تقویۃ الایمان ص 80۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ گستاخی کے کلمہ میں قائل کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اور نہ ہی بے ادبی کے صریح الفاظ میں کسی تاویل کی گنجائش ہوتی ہے کیونکہ کہنے اور لکھنے والوں کی نیت خواہ کچھ بھی ہو مگر پڑھنے والا اسے بے ادبی پر ہی محمول کرے گا۔

زیر نظر کتاب (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین) میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص پر مبنی اکابر کے جو اقوال پیش کیے گئے ہیں وہ صریح ہیں۔ ان کی تاویل ''خطائے اجتہادی'' کے مفہوم سے ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ کاش یہ اکابر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''تنقیصی الفاظ'' استعمال کرنے کے بجائے اپنے قلم کو ''خطائے اجتہادی'' کی اصطلاح تک ہی روک لیتے جس میں تحقیر و تنقیص کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا لیکن صد افسوس کہ وہ اس پر ''اکتفاء'' نہ کر سکے۔ اس کی مزید وضاحت کتاب کے آخر میں زیر عنوان ''اختتامیہ'' ملاحظہ فرمائیں۔،

اکابر کی "تنقیصی عبارات" ان کے کسی "مخطوطے" یا ذاتی ڈائری سے نقل نہیں کی گئیں بلکہ وہ ان کتب سے پیش کی گئی ہیں جنہیں خود علمائے کرام نے بار بار اپنے اداروں سے شائع کیا ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض کتب "درس نظامی" کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ راقم الحروف (پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی) کوئی پہلی مرتبہ اکابر کی "تنقیصی عبارات" کو منظر عام پر نہیں لا رہا بلکہ ان میں سے اکثر عبارات مع فوٹو اسٹیٹ نقول ایک معروف بریلوی پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی اپنے خلاف 298 اے- کے تحت حضرت معاویہؓ کی توہین کے ایک مقدمہ میں سات سال (یکم جولائی 1985 ۔ 25 دسمبر 1992) تک ایبٹ آباد کی بھری عدالت میں پیش کرتے رہے ہیں جو آج بھی عدالتی ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ سید محمود شاہ کے حالات زیر نظر کتاب میں اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے علاوہ شہید ناموس صحابہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کی مرتبہ کتاب ''تاریخی دستاویز'' (جس کی ضخامت

744 صفحات ہے) کے جواب میں اہل تشیع کی طرف سے 1997 میں 1222 صفحات پر مشتمل کتاب ''تحقیقی دستاویز'' شائع کی گئی ہے (ناشر مرکز مطالعات اسلامی پاکستان 71۔ سی، سیٹلائٹ ٹائون راولپنڈی) اس میں از صفحہ نمبر 951 تا 1172 صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف علماء اہل سنت کی کتب کی فوٹو اسٹیٹ نقول ملاحظہ کی جاسکتی ہیں (جو 222 صفحات پر مشتمل ہیں)۔،

اکابر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ''تنقیصی کلمات'' خود ان کی بار بار شائع ہونے والی کتب سے ماخوذ ہیں جن میں سے بعض درس نظامی کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔ راقم الحروف نے '' اکابر'' کو سیدنا معاویہؓ کے '' ناقدین'' کی قطار میں ہر گز کھڑا نہیں کیا بلکہ ان کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بغیر کسی قطع وبرید اور توڑ موڑ کے پوری احتیاط سے ان کے کلمات نقل کیے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اکابر کے مذکورہ کلمات درست تسلیم کرنے سے کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت داغ دار اور مجروح نہیں ہوتی؟

کیا مذکورہ صریح الدلالت کلمات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین اور تنقیص پر مبنی نہیں ہیں؟

اگر بفرض محال مذکورہ کلمات سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین نہیں ہوتی تو کیا خود اکابر کی مدح وتوصیف میں مذکورہ کلمات ان کے پیروکار برداشت کرلیں گے؟

(جب کہ یہ جملہ اکابر مل کر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاک پا کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے)

اگر وہ ان کلمات کو اپنے اکابر کے حق میں برداشت نہیں کر سکتے اور انہیں اکابر کی گستاخی اور توہین پر محمول کرتے ہیں تو پھر ان کلمات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص کیوں نہیں سمجھا جاتا؟

کیا مذکورہ کلمات کے استعمال سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایذا نہیں پہنچے گی؟ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی نہیں ہے؟ (ومن اٰذاھم فقد اٰذانی)

اکابر کے زیر بحث ''کلمات'' سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف سبائی

پروپیگنڈے سے متاثر ہوگئے ہیں اور یہ خیال کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ کتب اسماء الرجال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خارجیوں اور سبائیوں کے گمراہ کن نظریات نے ہر دور میں بعض صحیح العقیدہ علماء دین کو بھی کلی یا جزوی طور پر متاثر کیا۔ مفسرین، محدثین، متکلمین اور فقہاء میں سے بعض ائمہ فن ایسے بھی ملتے ہیں جو تمام تر علم و فضل کے باوجود سبائی، خارجی اور ناصبی تھے یا پھر ان کے نظریات سے جزوی طور پر متاثر۔ ان کے حالات ایک مستقل کتاب کے متقاضی ہیں۔ امام ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں جابجا ان کے علم و فضل کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کی خاص "علت" کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ انہوں نے جہاں بعض حضرات کو "الامام، الحافظ، الحجۃ، الاعلام، الفقیہ، القدوۃ، العابد، المحدث، الامام الجوّال، العارف، الصدوق، الحافظ الکبیر، من أوعیۃ العلم، إمام المحدثین، الحافظ الثبت، الحبر العالم" کے القابات سے یاد کیا ہے تو وہیں ساتھ ہی ساتھ "کان عثمانیا، فیہ خارجیۃ، فیہ تشیع قلیل، کان یتشیع، کان شیعا محترقا، غال فی التشیع، نقموا علیہ التشیع، کان شدید التعصب للشیعۃ فی الباطن وکان یظہر التسنن فی التقدیم والخلافۃ وکان منحرفا عن معاویۃ وآل متظاہراً بذلک ولایعتذر منہ" وغیرہ الفاظ کے ذریعے ان کے چہروں پر سے ردائے تقیہ بھی اتاری ہے۔

اس ایک "اشارے" سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اکابر اپنے مخصوص ماحول سے کلی یا جزوی طور پر متاثر ہوتے رہے ہیں۔ اس لیے صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن، حدیث اور کتب عقائد اہل سنت میں بیان کردہ شرعی مقام و مرتبہ کے مقابلے میں اکابر کے صحابہ کرامؓ کے کردار کو مجروح کرنے والے اقوال کو بلا ادنیٰ توقف رد کر دیا جائے گا۔ (بحوالہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین۔ ملخصاً)

جبکہ مفتی محمد وقاص رفیع اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہؓ اور عباراتِ اکابر" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

"۔۔۔ انہیں حضرات میں حویلیاں سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب پروفیسر طاہر ہاشمی بھی ہیں، جنہوں نے اپنے مذموم افکار و نظریات اور مکروہ عزائم و خیالات کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کا مصنوعی لبادہ اوڑھ کر اکابر علماء اہل سنت و اساطین اُمت کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق

عبارات توڑ مروڑ کر اور ان کا سیاق و سباق حذف کرکے خواہ مخواہ انہیں ''ناقدین معاویہؓ'' کی فہرست میں شامل کرکے عوام الناس کو ان سے متنفر و بد ظن کرنے کا بیڑہ اُٹھار کھا ہے"

(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر: ۳۴)،

مفتی محمد وقاص رفیع صاحب مزید لکھتے ہیں کہ: " گزشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایک بھی صحابہ کا ایسا دیوانہ پیدا نہیں ہوا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام دیتا، ان کا احتساب کرتا اور ان کے خلاف تقریراً یا تحریراً یا احتجاجاً کوئی کاروائی عمل میں لاتا، اور ''ناقدین معاویہ'' نامی کتاب لکھ کر جو سعادت آج پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب نے اپنی قسمت میں سمیٹی ہے وہ حاصل کرتا؟ آخر یہ امام احمد بن حنبل، امام ابو جعفر طحاوی، امام ابوالحسن اشعری، امام ابو منصور ماتریدی، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام الحرمین الجوینی، حجۃ الاسلام امام غزالی، امام فخر الدین رازی، امام نووی، علامہ شمس الدین ذہبی، علامہ بدر الدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ تاج الدین سبکی، علامہ ابن ہمام حنفی، علامہ ابن حجر ہیتمی، علامہ عبدالعزیز فرہاروی، مولانا سرفراز خان صفدر، علامہ علی شیر حیدری، اور مولانا محمد نافع وغیرہ حضرات کہاں تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام نہ دے سکے، ان کا احتساب نہ کرسکے، اور آنے والی نسل کو ان کی صحابہ دشمنی سے آگاہ نہ کرسکے؟ جس کا سارا بوجھ آج پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب کو اپنے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر اٹھانا پڑ رہا ہے"۔ (ایضا: ۳۴)

اس کے متصل بعد مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں کہ:

گو کہ بعض چیدہ چیدہ حضرات (مثلاً امام عبدالرزاق، امام حاکم، امام ابوبکر جصاص اور علامہ تفتازانی وغیرہ) پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بعض علماء نے نقد ضرور کیا ہے، لیکن ایک تو انہوں نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی نہیں بلکہ فرداً فرداً ایک ایک شخص پر نقد کیا ہے، دوسرے یہ کہ انہیں نقد کرنے والے علماء ہی کے ہم عصر بعض دوسرے علماء نے ان کے اس نقد کو قطعی طور پر تسلیم نہیں کیا، اور مذکورہ بالا حضرات کے

دفاع میں نقد کرنے والے علماء کو اپنے دلائل قویہ اور حجج بینہ کی بناء پر خاموش کرکے ان پر سے نقدِ معاویہ کا الزام صاف کرکے اس کی دوٹوک الفاظ میں نفی کی ہے"۔(حوالہ مذکور)

مفتی محمد وقاص رفیع مزید لکھتے ہیں کہ:۔"ایک تو انہوں نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی نہیں بلکہ فرداً فرداً ایک اور دوسرے یہ کہ انہیں نقد کرنے والے علماء ہی کے ہم عصر بعض دوسرے علماء نے ایک شخص پر نقد کیا ہے ان کے اس نقد کو قطعی طور پر تسلیم نہیں کیا، اور مذرہ بالا حضرات کے دفاع میں نقد کرنے والے علماء کو اپنے دلائل قویہ اور حجج بینہ کی بناء پر خاموش کرکے ان پر سے نقدِ معاویہ کا الزام صاف کرکے اس کی دوٹوک الفاظ میں نفی کی ہے" "۔(ایضا)

مفتی محمد وقاص رفیع صاحب، قاضی پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔" پروفیسر آں موصوف نے اپنی کتاب میں اکابر اہل سنت کے عبارات کو توڑ مروڑ کر، ان میں قطع وبرید کرکے اور ان کا سیاق وسباق حذف کرکے جس دجل وفریب اور تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کیا ہے اسے دیکھ کر عزازیل بھی شرما جاتا ہے"۔(صفحہ نمبر:35)
مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

"بہر حال ہم نے اپنی طاقت بشریہ کے مطابق پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی ان تمام شنیعہ ورذیلہ، تلبیسات و دجالیات اور فریب کاریوں کی مکمل طور پر قلعی کھولی اور انہیں طشت از بام کیا ہے اور اکابر علمائے اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب ایک ایک واقعہ اور ایک ایک جزئی کی اصل حقیقت کا قدیم وجدید ماخذ کی طرف مراجعت کرکے بڑی محنت وجاں فشانی کے ساتھ اصل حقیقت کا سراغ لگایا ہے اور ان کی طرف غلط طور پر منسوب "نقد معاویہؓ" جیسے بدنما داغ کا انصاف کے کٹہرے میں رہتے ہوئے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ دفاع کیا ہے۔

ہماری یہ کتاب "حضرت معاویہؓ اور عباراتِ اکابر" پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کا جواب برائے جواب ہی نہیں بلکہ ایک مستقل تصنیف بھی ہے جو اکابر علمائے اہل سنت کی بعض موہوم و مشتبہ عبارات کے دفاع میں اگرچہ بہت پہلے لکھنی چاہیے تھی"۔۔۔۔

۔

۔

ہیچ مداں محمد وقاص رفیع

اسلام پورہ (واہ کینٹ)

23 جمادی الثانی 1439ھ

(حضرت معاویہؓ اور عباراتِ اکابر صفحہ نمبر 38، 39)

قارئین کرام!

پروفیسر صاحب کی کتاب کا "نفس مسئلہ" سیدنا رضی اللہ عنہ کے بارے میں اکابر کی "تنقیصی عبارات" ہے۔ جبکہ مفتی وقاص رفیع صاحب نے اپنی کتاب میں اکابر کی ان عبارات کی توضیح و تاویلات پیش کی ہیں، جو عبارات پروفیسر قاضی صاحب کے نزدیک "نقد معاویہ" کے زمرے میں شمار ہوتی ہیں۔ اور مفتی وقاص رفیع کی کتاب بقول ان کے پروفیسر قاضی صاحب کی کتاب کا جواب ہے۔ جیسا کہ مفتی وقاص رفیع نے کتاب کے مقدمہ کے آخر میں لکھا کہ:

"ہماری یہ کتاب "حضرت معاویہؓ اور عباراتِ اکابر" پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کا جواب برائے جواب ہی نہیں بلکہ ایک مستقل تصنیف بھی ہے جو اکابر علمائے اہل سنت کی بعض موہوم و مشتبہ عبارات کے دفاع میں اگرچہ بہت پہلے لکھنی چاہیے تھی"۔۔۔۔

قارئین کرام! یہ کیسا جواب ہے کہ قاضی صاحب کی کتاب میں شامل ناقدین کی نصف تعداد کو بھی عبور نہ کرسکے۔ اور جن اکابر کی عبارات کی وضاحت و تاویل پیش کی اس کی حقیقت حافظ عبیداللہ صاحب نے بطور قاری تبصرہ کرتے ہوئے واضح کردی ہے۔

جبکہ ماہنامہ حق چار یارلاہور ستمبر 2018 کے شمارے میں تبصرہ نگار حافظ عبدالجبار سلفی نے دھوکا دینے کی کوشش کی کہ مذکورہ کتابوں کا مبحث "مشاجرات صحابہ" ہے اور یقینا ایسا حسب عادت سلفی صاحب نے قصدا کیا ہوگا۔

چنانچہ سلفی صاحب لکھتے ہیں کہ: "یہ کتاب مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل مولانا مفتی محمد وقاص رفیع کے گوہر ریز قلم کا نتیجہ ہے۔ اس میں انہوں نے بڑی متانت اور خوش اسلوبی کے ساتھ یہ نازک پگڈنی عبور کرنے کی ہمت کی ہے اور یہ ثابت کیا کہ جب کوئی شخصیت کسی بھی متحارب گروہ سے متعلق ہوتی ہے تو اس سے وابستہ جذبات میں مد و جزر کا پیدا ہو جانا ایک امرِ طبعی ہے۔ اہل سنت والجماعت کا دوٹوک نظریہ ہے کہ خلفاء راشدین موعودہ چار ہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کاتب وحی اور اپنے دیگر کمالات کی بناء پر جنتی ہیں اور ان کی محبت اہل ایمان کا اثاثہ ایمان ہے۔ تاہم مرتبہ کے لحاظ سے وہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ نہ تھے اور باہمی جنگوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور نکتہ خطاء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مگر اس سے مراد خطاء اجتہادی ہے۔"

سلفی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ "مجموعی اعتبار سے یہ کتاب سلسلہ دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہترین لائق مطالعہ، قابل قدر اور مستحق تحسین کاوش ہے۔"، "حوالہ جاتی کتاب پر نظر ڈالنے سے محسوس

ہوتا ہے کہ مصنف کتاب ہذا نے سینکڑوں صفحات کا مطالعہ بایں معنی کیا ہے کہ اصل مصادر اور علمی متابع پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ اعتدال اور نتیجہ فکر کے طور پر انہوں نے جو سطور لکھی ہیں، ان میں بھی کافی حد تک اعتدال چھلکتا ہے۔" حافظ عبدالجبار سلفی اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ : "۔۔۔ مبصر کی خواہش ہے کہ مولانا محمد اسماعیل ریحان، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، مولانا طلحہ السیف اور اس سے اگلی صف کے لوگوں میں سے بالخصوص حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن اس محاذ پر توجہ دیں اور مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم، خلافتِ راشدہ موعودہ، نیز داخلی فتنوں کے متعلق جمہور اہل سنت والجماعت کے بے غبار نظریہ کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے آشکار کریں"، "اہل علم زیر تبصرہ کتاب دیئے گئے فون نمبر سے رابطہ کرکے حاصل کریں۔ اسے اپنے کتب خانوں کی زینت بنائیں اور اس علمی تحفہ کی قدر کرکے اپنے خزانۂ معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ مصنف کی بھی ضرور حوصلہ افزائی فرمائیں"،۔۔۔۔۔ اللہ کریم مصنف کی اس محنت کو قبول عام کا شرف بخشیں اور اپنی بارگاہ میں اسے مقبول فرما کر مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔" (ماہنامہ حق چار یار لاہور۔ ستمبر 2018۔ صفحہ نمبر 49،48،47-)

قارئین کرام!

اسی دوران مولانا عبدالمنان معاویہ نے بھی مفتی محمد وقاص رفیع کی مذکورہ کتاب کے مقدمہ پر تبصرہ اپنی فیس بک وال پر پانچ اقساط میں پیش کر چکے ہیں۔ حافظ عبید اللہ صاحب کے ناقدانہ تبصرہ کی پی ڈی ایف میں اسے بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح مناسب معلوم ہوا کہ حافظ عبدالجبار سلفی کے تائیدی تبصرے کے اسکین بھی پی ڈی ایف میں شامل کر لئے جائیں کیونکہ بعدازاں حافظ عبیداللہ صاحب نے سلفی صاحب کے تبصرہ کا بھی جائزہ فیس بک پر پیش کیا ہے جو چار اقساط پر مشتمل تھا اور جس کا نام ہے:

" بسلسلہ دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

" من تراحاجی بگویم، تو مراحاجی بگو" (قسط : 1)

(ضمیمہ "اکابر کے نادان وکیل")

بعد ازاں " تتمہ ضمیمۃ "اکابر کے ناداں وکیل" کے عنوان سے 2 اقساط پیش کی گئیں۔

"اکابر کے ناداں وکیل، ضمیمہ، تتمہ ضمیمہ، مولانا عبدالمنان معاویہ کا پانچ اقساط پر مشتمل تبصرہ، مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب کے اسکین، اور حافظ عبدالجبار سلفی کا تبصرہ ماہنامہ حق چار یار لاہور ستمبر 2018 کے اسکین پی ڈی ایف میں شامل کئے گئے ہیں۔اب قارئین حافظ عبیداللہ صاحب کے تبصرہ کے تناظر میں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے "علمی تحفہ کی قدر" صحیح طرح سے کر سکیں گے۔ نیز آخر میں پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں لکھی گئی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کا ڈائون لوڈنگ لنک بھی دے دیا گیا ہے تاکہ قارئین "معتوب زمانہ "کتاب کو انٹرنیٹ سے ڈائون لوڈ کر کے خود مواد کا تقابل کر سکیں۔ کہ واقعی اکابر کی عبارات "نقد" کے زمرے میں آتی ہیں یا خواہ مخواہ پروفیسر قاضی صاحب نے اکابر کو "ناقدین معاویہ" کی فہرست میں لا کھڑا کیا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ مفتی وقاص رفیع نے پروفیسر قاضی صاحب کی کتاب میں شامل 44 ناقدین میں سے 21 ناقدین کی کچھ عبارات کی وضاحت و صفائی پیش کرنے کی "کوشش" کی ہے۔ مفتی صاحب کی یہ "کوشش" کہاں تک کامیاب ہوئی یہ قارئین کتاب کے اسکین اور دونوں تبصروں کے مطالعہ کے بعد جان سکیں گے۔ اور انہیں مفتی وقاص رفیع کی "کاوش" کی حیثیت و حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ

عرش والے میری توقیر سلامت رکھنا

فرش کے سارے ''خدائوں'' سے الجھ بیٹھا ہوں

چونکہ میں نے اپنی وال پر پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب کی تحقیق پر ان کے مضبوط دلائل کی وجہ سے مکمل اعتماد کرتے ہوئے ان کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" سے پوسٹیں پیش کی ہیں اور جہاں بہت سارے حضرات بندہ سے الجھتے رہے اور الزام تراشیاں کرتے رہے وہیں مفتی محمد وقاص رفیع نے اپنی کتاب کی تشہیر فیس بک پر کی تو بہت سارے اکابر کے مداحوں نے ان کی اس کاوش کو داد تحسین پیش

کی۔ جبکہ بندہ نے مفتی صاحب سے انباکس درخواست کی تھی کہ کتاب سے پوسٹوں کی صورت میں قارئین کی راہنمائی کی جائے کیونکہ بہت سارے لوگوں تک میری وال سے قاضی صاحب کی کتاب پوسٹوں کی صورت میں پہنچی ہے اس لئے اب اگر اکابرین کی عبارات کی کوئی مناسب تاویل کی گئی ہے تو قارئین تک اسے پہنچایا جائے اور اس مقصد کے لئے بندہ اپنی وال سے پوسٹیں کرنے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ کمپوز شدہ فائل سنڈ کردی جائے۔ اور ساتھ یہ بھی عرض کیا تھا کہ بہتر ہوتا کہ علماء دیوبند کی اعلی علمی قیادت کی تقاریظ وتائید کے ساتھ کتاب شائع کی جاتی۔ اب چونکہ علماء دیوبند سے منسوب تحریک خدام اہل سنت کے ترجمان رسالے ماہنامہ حق چار یارلاہور میں حافظ عبدالجبار سلفی صاحب کے شعلہ بار قلم سے تبصرہ سامنے آچکا ہے۔ جس کا مختصر ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ آگے مکمل اسکین دیئے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ آنے والے دنوں میں مزید رسائل و جرائد اس کتاب پر تبصرہ کریں لیکن فی الوقت قارئین حافظ عبیداللہ صاحب اور عبدالمنان معاویہ کے تبصروں کی روشنی میں مفتی وقاص رفیع صاحب کی کتاب کے اسکین کا مطالعہ شروع کریں ہم آگے چل کر مذکورہ کتاب پر تبصرہ کریں گے۔ جس سے رہی سہی کسر پوری ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ

محمد اعجاز کراچی

5 نومبر 2018ء

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب کی کتاب کا لنک:۔

https://jumpshare.com/v/RFEfba8CjuXHKwWvT7rC?b=34EO25Gyt40GpmR2r8w6

اَصحَابِی کَالنُّجُوم

اِذَا ذُکِرَ اَصحَابِی فَاَمسِکُوا

لَا یَبلُغُنِی اَحَدٌ مِن اَصحَابِی

عَن اَحَدٍ شَیئًا (الحدیث)

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی لہاشی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین

اکابر کے نادان وکیل

مفتی وقاص رفیع (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ) کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر بطور قاری مختصر تبصرہ

از قلم
حافظ عبید اللہ

اکابر کے نادان وکیل:

(قسط:1) ..... 14 مئی 2018

اکابر کے دفاع کے نام پر صحابہ کرام پر حملہ.

کسی "مفتی محمد وقاص رفیع" نامی مصنف کے نام کے ساتھ ایک کتاب منظر عام پر آئی ہے جس کا نام ہے "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر"، مفتی مذکور نے اپنے نام کے ساتھ "فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ" بھی بطور خاص لکھا ہے، اس کتاب میں ان کا دعوی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض اکابر اہل سنت کی ایسی عبارات کا دفاع کیا ہے جن کو لے کر بعض حضرات نے ان اکابر کو "ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ" میں شامل کیا ہے.

لیکن جیسے جیسے کتاب پڑھتے جائیں، تو اندر کی بات یہ سامنے آتی ہے کہ مفتی موصوف (یا جس نے ان سے یہ کتاب لکھوائی ہے) بار بار یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ "حضرات ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، طلحہ، زبیر، معاویہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین" وغیرہم یہ تمام حضرات تھے تو نص کی رو سے باطل پر اور شرعی وفقہی باغی تھے، لیکن چونکہ یہ سب صحابی ہیں اس لیے ہم ان کو یہ رعایت دیتے ہیں کہ انھیں "مجتہد مخطی" کہتے ہیں، ورنہ اگر یہ کام اگر کسی غیر صحابی سے ہوئے ہوتے تو اسے گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق کہا جاتا .. (دیکھیں کتاب مذکور کا صفحہ 631).

(یہاں یہ بیان کرتا جاؤں کہ ملک کے ایک معروف عالم جو کالم نگار بھی ہیں سے بہت عرصہ پہلے میری ایک پروگرام میں ملاقات ہوئی تھی، دوران گفتگو ان صاحب نے بھی صاف طور پر مجھ سے یہی کہا کہ "ہاں یہ تمام

حضرات ہیں تو حقیقی طور پر باغی اور باطل پر لیکن ہم صرف ان کے مقام صحابیت کی وجہ سے انھیں مجتہد مخطی کہتے ہیں، تفصیل پھر کبھی).

یہ کتاب عجیب و غریب قسم کے مغالطات اور تناقضات کا مجموعہ ہے.. چند مثالیں پیش خدمت ہیں :

جناب مفتی موصوف ایک جگہ ان اکابرین کی طرف اشارہ کرتے ہوے جن پر "ناقدین معاویہ" ہونے کا الزام ہے لکھتے ہیں کہ :

"اگر واقعی یہ حضرات ایسے ہی تھے جیسا کہ دعوا ہے تو پھر سوال ہے کہ گذشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایک بھی صحابہ کا ایسا دیوانہ پیدا نہ ہوا جو حضرت معاویہ (رض) پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام دیتا، ان کا احتساب کرتا اور ان کے خلاف تقریراً یا تحریراً یا احتجاجاً کوئی کروائی عمل میں لاتا."

اور پھر اسی صفحے پر اپنی ہی بات کو یوں توڑتے ہیں کہ:

"گو کہ بعض چیدہ چیدہ حضرات مثلاً امام عبدالرزاق، امام حاکم، امام ابوبکر جصاص، علامہ تفتازانی وغیرہ پر حضرت معاویہ (رض) کے حوالے سے بعض علماء نے نقد ضرور کیا ہے لیکن ایک تو انہوں نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی نہیں بلکہ فرداً فرداً ایک ایک شخص پر نقد کیا ہے.." (دیکھیں کتاب کا صفحہ 34).

یعنی یہ بعض علماء جنہوں نے ان حضرات کی عبارات پر نقد کیا یہ مفتی وقاص رفیع کے نزدیک چودہ صدیوں سے باہر کے ہیں کیا؟؟ نیز کیا ان کے خیال میں صرف اجتماعی نقد کرنا ہی قابل اعتراض ہے، اگر فرداً فرداً کیا جائے تو پھر قابل قبول ہے؟.

مفتی موصوف ایک جگہ آپے سے باہر ہو کر لکھتے ہیں :

"حضرت معاویہ (رض) کے مخطی اور باغی ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے "

(یاد رہے اس عبارت میں مفتی صاحب نے صرف "مخطی" اور "باغی" کے الفاظ لکھے ہیں "مجتہد مخطی" کے الفاظ نہیں لکھے ... " (دیکھیں کتاب کا صفحہ 111).

ایک جگہ پر لکھتے ہیں :

"شہادت عمار (رض) کے بعد بھی حضرت معاویہ (رض) کا حضرت علی (رض) کے ساتھ برابر قتال جاری رکھنا اور مسلسل لڑتے رہنا حق سے اعراض اور باطل پر اصرار کے مترادف ہے "

(دیکھیں کتاب کا صفحہ 94)

یاد رہے مفتی صاحب نے یہ بات شوکانی کے حوالے سے اپنے موقف کے حق میں نقل کی ہے، اور شوکانی کے بارے میں علماء نے لکھا ہے وہ "زیدی شیعہ" تھے.

ایک جگہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک..... مولانا سید ابو الاعلی مودودی صاحب کے حدیث عمار کی رو سے حضرت معاویہ (رض) کو باغی ثابت کرنے کے مذکورہ بالا استدلال کا تعلق ہے تو یہ تو جمہور علماء اہل سنت کا ایک اجماعی موقف ہے (دیکھیں کتاب کا صفحہ 96)

غور کریں مفتی موصوف ایک ہی سطر میں "جمہور علماء اہل سنت" کا مسلک بھی لکھ رہے ہیں اور ساتھ ہی "اجماعی موقف" بھی لکھ رہے ہیں ... "جمہور" کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ علماء اہل سنت کا یہ مسلک نہیں، اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ اہل سنت کا "اجماعی موقف" کیسے ہوا؟، نیز مولانا مودودی کے استدلال کی تائید کر رہے ہیں.

بلکہ مفتی موصوف نے اسی کتاب میں "میر سید شریف جرجانی" کے حوالے سے یہ بات خود نقل کی ہے کہ انہوں نے اہل سنت کی ایک جماعت کا یہ مسلک بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے مشاجرات صحابہ جیسے واقعات کے بارے میں مکمل توقف اور سکوت سے کام لیا ہے اور دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کی طرف بھی علی التعیین والیقین نہ خطا کو منسوب کیا ہے اور نہ صواب کو " (دیکھیں کتاب کا صفحہ 81).

اگر میر سید شریف جرجانی کی یہ بات درست ہے تو پھر مفتی موصوف "اجماع" کس پر بتا رہے ہیں؟ اہل سنت کی یہ ایک جماعت کیا مفتی صاحب کے نزدیک اہل سنت سے خارج ہے؟

(نوٹ: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اہل سنت کی ایک جماعت کا یہی مسلک نقل کیا ہے، بلکہ ایک مسلک دونوں گروہوں کے مصیب ہونے کا بھی نقل کیا ہے اسی طرح ان حزم (رح) نے بھی صحابہ کرام اور

اہل سنت کے مختلف مواقف ذکر کیے ہیں، نیز حضرت مجدد الف ثانی (رح) نے بھی لکھا ہے کہ اس معاملے میں حضرت معاویہ (رض) کے ساتھ تقریباً آدھے صحابہ کرام شریک تھے... تفصیل آگے آئے ہی).

آگے سنیے! مدرسہ رائے ونڈ کے فاضل یہ مفتی صاحب ایک جگہ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ "مشاجرات صحابہ میں واجب، اصل اور بہتر مسلک یہی ہے کہ اس بارے میں توقف، امساک اور کف لسان کیا جائے اور اگر کبھی مجبوراً یا اضطراراً اس بارے میں بات کرنی ہی پڑے تو نہایت احتیاط کی ضرورت ہے اور کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے کسی صحابی کی تنقیص ہوتی ہو، موصوف نے اس پر بہت سے حوالے بھی لکھے ہیں، لیکن آگے مفتی صاحب یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ:

"بعض مخصوص مواقع میں ضرورت شرعیہ شدیدہ کی بنا پر اس مسئلے میں توقف وامساک اور کف لسان کا حکم واجب کا نہیں رہتا بلکہ ناجائز کا ہو جاتا ہے اور ایسے مواقع میں توقف وامساک اور کف لسان نہ کرنا واجب ہو جاتا ہے... " (دیکھیں کتاب کا صفحہ 89 وما قبل).

غور فرمائیں! یہ ایسے ہی ہے جیسے خنزیر کھانا حرام ہے، لیکن شدید اضطراری حالت میں بقدر ضرورت کھانے کی اجازت دی گئی ہے... اور وہ اجازت صرف اباحت تک ہے نہ واجب ہے اور نہ کوئی مفتی یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اضطرار کی حالت میں خنزیر کھانا واجب ہو جاتا ہے اور نہ کھانا ناجائز ہوتا ہے، لہٰذا اگر مفتی موصوف کے اقرار کے مطابق مشاجرات صحابہ میں واجب یہی ہے کہ توقف وامساک وکف لسان کیا جائے تو پھر ضرورت شرعیہ شدیدہ کی صورت میں بھی بقدر ضرورت اس پر کلام صرف مباح یا جائز ہی ہوگا... واجب نہیں ہو سکتا، اور یہی وہ نکتہ ہے جسے مفتی وقاص رفیع اور ان کے ہمنوا نہیں سمجھ سکے، یہیں علماء اہل سنت نے یہ فرمایا ہے کہ "اگر کسی خاص مجبوری کی وجہ سے صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے ان مشاجرات کا ذکر کرنا ہی پڑے تو پھر آخری حد اجتہادی خطاء ہی ہے، اس سے تجاوز نہیں کرنا"، جس سے مفتی وقاص رفیع نے یہ سمجھ لیا ہے کہ پہلے تو دلائل کے ساتھ ایک طرف کو "باغی" "طاغی" "ناحق خروج کرنے والے" "نصوص کی مخالفت کرنے والے" وغیرہ وغیرہ ثابت کیا جائے اور پھر آخر میں یہ کہہ دیا جائے کہ چونکہ وہ صحابی ہیں اس لئے ہم

ان کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے ان تمام کاموں کو "خطائے اجتہادی" کہتے ہیں... اور اگر کوئی یہ کہے کہ جناب! اہل سنت کا اصولی موقف مشاجرات صحابہ میں "توقف وامساک ہے" تو اس کے خلاف کتابیں لکھی جاتی ہیں کہ نہیں تم پر لازم ہے کہ ایک جانب کو ضرور غلط، ناحق اور باغی کہو.

ایک جگہ مفتی موصوف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ "حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد کئی غیر جانبدار صحابہ کرام حضرت علی (رض) کے لشکر میں شامل ہوئے".. اور دلیل کے طور پر کیا پیش کرتے ہیں؟ یہ کہ "فلاں صحابی صفین کے موقع پر حضرت علی کے ساتھ شامل تھے، لیکن وہ لڑائی میں حصہ نہیں لے رہے تھے، حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد انہوں نے لڑائی میں حصہ لیا... " (دیکھیں کتاب کا صفحہ 101 – 102).

اب سوال یہ ہے کہ مفتی موصوف نے عنوان میں "غیر جانبدار" کا لفظ لکھا ہے.. جبکہ جن صحابی کا حوالہ پیش کیا ہے وہ تو پہلے ہی سے حضرت علی (رض) کے لشکر میں تھے.. غیر جانبدار تو نہ تھے... (اگر مستدرک حاکم کی اس پوری روایت کا مطالعہ کیا جائے جو مفتی صاحب نے دلیل کے تو طور پر پیش کی ہے تو اس میں مزید ایسی باتیں بھی ہیں جو مفتی صاحب کے خلاف بھی جاتی ہیں، مثلاً حضرت عمار (رض) کو قتل کرنے والوں کے تین نام بھی ہیں اس روایت میں جبکہ مفتی صاحب ان تینوں میں سے کسی کو بھی قاتل عمار (رض) نہیں کہتے).

ابھی میں نے کتاب کے صرف 110 صفحات بالاستیعاب پڑھے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کسی "سبائیت سے متاثر شخص" نے یہ کتاب لکھوائی ہے اور مفتی صاحب موصوف کا صرف نام استعمال کیا گیا ہے ورنہ جو زبان اور انداز اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے وہ کسی طرح بھی تبلیغی جماعت کے اکابرین اور مدرسہ رائے ونڈ کے فضلاء کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا... مفتی صاحب کا یہ حق تھا کہ وہ اپنا موقف ضرور بیان کرتے لیکن اس کے لیے اگر الفاظ اور انداز وہی ہوتا جو تبلیغی جماعت کے احباب کا ہے تو بہتر تھا.. میرا حسن ظن یہی ہے.

نوٹ: جیسے جیسے کتاب کا مطالعہ کرتا جاؤں گا اس پر مزید گزارشات کرتا جاؤں گا...

اکابر کے نادان وکیل (قسط: 2)

مفتی وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر" بندہ جوں جوں پڑھتا جاتا ہے یہ یقین ہوتا جاتا ہے کہ یہ کتاب کسی اعلی درجے کے تقیہ باز سبائی کی تحریر ہے کیونکہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا ایک فاضل کم از کم ایسی جہالت نہیں بکھیر سکتا...

اہل سنت کے ہاں ایک مجتہد اور امام سمجھے جانے والی شخصیت کا نام ہے "ابو بکر الجصاص".. موصوف کا علم اور اجتہاد اپنی جگہ، لیکن اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں بلا وجہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہیں بھی ذکر کرکے ان پر اپنا غصہ نکالتے نظر آتے ہیں... خود مفتی وقاص رفیع نے اقرار کیا ہے کہ:

"امام جصاص کی احکام القرآن میں بعض عبارتیں ایسی ضرور موجود ہیں جن پر بظاہر (یہ بظاہر کی قید صرف جصاص کی ان عبارات کی شدت میں نرمی بتانے کے لیے مفتی موصوف نے لگائی ہے_ناقل) نقد کا اطلاق کیا جاسکتا ہے" (دیکھیں کتاب کا صفحہ 232).

ان جصاص صاحب نے جہاں آیت تمکین وآیت استخلاف میں خوامخواہ حضرت معاویہ (رض) کا تذکرہ کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے اور جس کا مفتی وقاص (یا اس کتاب کے اصل موجد) نے یہ کہہ کر دفاع کیا ہے کہ انہوں نے ایسا اس لیے کیا ہے کہ آیت تمکین اور آیت استخلاف جب نازل ہوئیں تو اس وقت حضرت معاویہ (رض) اسلام نہیں لائے تھے اس لیے امام جصاص نے درست کیا ہے کہ یہ بتا دیا کہ حضرت معاویہ (رض) کا ان آیات سے کوئی تعلق نہیں.. لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ جصاص صاحب کو حضرت معاویہ (رض) کے علاوہ کسی اور کا نام کیوں نہ یاد آیا؟ مثال کے طور پر انہوں نے حضرت حسن (رض) یا حضرت عمر بن عبدالعزیز (رح) کا نام کیوں نہ ذکر کر دیا؟ یہاں خاص طور پر حضرت معاویہ (رض) کا نام لینے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟.

بہر حال جو بات آپ کے سامنے اس وقت رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ انہی جصاص صاحب نے قرآن کریم کی آیت "لا ينال عهدي الظالمين" (البقرۃ:124) کے تحت پہلے تو (بقول مفتی وقاص رفیع صاحب بحوالہ حضرت مجاہد) یہ بات لکھی ہے کہ:

"ظالم امام نہیں بن سکتا.... لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ظالم نبی ہو اور نہ یہ جائز ہے نبی کا خلیفہ ہو اور نہ اس کے لئے قاضی بننا جائز ہے"

پھر اس کے بعد اسی آیت کے تحت آگے جصاص صاحب نے لکھا ہے کہ :

"عرب اور آل مروان میں عبدالملک سے بڑھ کر کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا، اور نہ اس کے عمال میں حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر ظالم اور فاجر تھا"

اور پھر اس دور کے صحابہ وتابعین کا ذکر کرتے ہوے جصاص صاحب لکھتے ہیں:

(خلاصہ) " حسن بصری، سعید بن جبیر، شعبی اور تمام تابعین ان ظالموں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے، یہ اس لیے نہیں کہ وہ ان ظالموں کو دوست رکھتے تھے یا ان کی امامت وحکومت کو درست سمجھتے تھے بلکہ اس لئے وصول کرتے تھے کہ وہ ان وظائف کو اپنا حق سمجھتے تھے جو ظالم اور فاجر قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھا ..... (آگے لکھتے ہیں) .. حضرت معاویہ (رض) کے ساتھ بھی اس سے پہلے لوگوں (صحابہ وتابعین_ناقل) کا رویہ اور سلوک ایسا ہی تھا جب وہ علی علیہ السلام (رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ علیہ السلام لکھا ہے_ناقل) کی شہادت کے بعد خلافت پر جبری قابض ہو گئے تھے اور حضرات حسنین اور جو صحابہ ان کے دور میں موجود تھے وظائف قبول کرتے تھے مگر ان (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دوستی اور محبت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان سے اسی طرح تبرا کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام اپنی وفات تک کرتے رہے، لہٰذا ان (صحابہ وتابعین) کا ان لوگوں (جن کا ذکر ذکر جصاص صاحب نے کیا یعنی عبدالملک، حجاج اور حضرت معاویہ وغیرہم) کی طرف سے عہدہ قضاء قبول کرنا اور ان سے وظائف لینے میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ وہ ان سے محبت رکھتے تھے اور ان کی امامت وخلافت کے صحیح ہونے کے قائل تھے. "

قارئین محترم! جناب جصاص صاحب کی یہ عبارت بالکل واضح ہے، انہوں نے عبدالملک اور حجاج کو "کافر" لکھا.. اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "زبردستی خلافت پر قبضہ کرنے والا" لکھا.. پھر یہ بھی لکھا کہ حضرت معاویہ (رض) کے دور میں صحابہ وتابعین جو ان سے وظائف لیتے تھے وہ اس لیے نہیں لیتے تھے کہ وہ ان کی امارت وامامت کو صحیح سمجھتے تھے، نیز جصاص کی اس عبارت سے صاف طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہ (رض) کو بھی ظالم ہی بتارہے ہیں...

لیکن قربان جائیں مفتی وقاص رفیع پر.. انہوں نے چونکہ چنانچہ کے ساتھ بڑی کوشش کی کہ الفاظ کا ہیر پھیر کرکے جناب جصاص صاحب کی بات کا مطلب کچھ سے کچھ بنادیں لیکن بات پھر بھی کچھ بنی نہیں.. ذرا مفتی صاحب کی تاویل ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

"امام جصاص کی اس توضیح سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) اور دیگر اموی خلفاء کے بارے میں جو ظالم اور فاجر وغیرہ کے الفاظ مروی ہیں (مروی نہیں بلکہ جصاص نے لکھے ہیں، مفتی صاحب دھوکہ دے رہے ہیں_ناقل) وہ اس دور کے مذکورہ بالا قضاۃ حضرات کے اپنے ہیں، جنہوں نے اموی حکام سے اپنے وظائف اور قضاء کے عہدے قبول کر رکھے تھے، نیز یہ الفاظ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے نہیں ہیں بلکہ انہوں نے تو محض بنوامیہ کے مذکورہ قضاۃ وغیرہ حضرات کے یہ الفاظ بطور حکایت کے نقل کیے ہیں کے ان قضاۃ وغیرہ حضرات کے خلفاء بنوامیہ کے بارے میں خیالات ونظریات یہ یہ تھے".

(دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 257و258)

نوٹ: مفتی صاحب تسلیم کر گئے کہ جصاص کی عبارت میں حضرت معاویہ (رض) اور دوسرے اموی خلفاء کے بارے میں ظالم اور فاجر کے الفاظ تو لکھے ہیں..

میرا سوال مفتی صاحب سے یہ ہے کہ جصاص صاحب کی عبارت میں کونسا ایسا لفظ ہے جس میں جصاص صاحب نے یہ لکھا ہے کہ "عبدالملک بن مروان اور حجاج کو کافر کہنے والے اور حضرت معاویہ (رض) کو جبری خلافت پر قبضہ کرنے والے اور ظالم کہنے والے فلاں فلاں ان کے قاضی اور فلاں فلاں ان سے وظیفہ لینے والے تھے"؟؟.

عجیب بات ہے کہ جصاص کو بچانے کے لئے ایسی جاہلانہ تاویلات کی جارہی ہیں اور عبدالملک بن مروان جیسے فقیہ وقت کو "کافر" کہنے پر مفتی صاحب چپ سادہ لیتے ہیں (جبکہ خود مفتی وقاص نے ابن اثیر جزری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عبدالملک عاقل، دور اندیش، ادیب، لبیب اور عالم تھا، اور مدینہ کے چار فقہاء میں سے ایک تھا، دیکھیں صفحہ 259) اور حضرت معاویہ (رض) کی مثال جصاص نے "ظالم" حکمران اور ایسا امام جس سے لوگ محبت نہیں کرتے تھے کے ضمن میں دی ہے اس پر مفتی صاحب یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ یہ جصاص نے اس دور کے قاضیوں کی بات نقل کی ہے .... شرم تم کو مگر نہیں آتی..

آگے چلیے، یہی مفتی وقاص رفیع کے امام جصاص، سورۃ التوبۃ کی آیت "**فقاتلوا ائمة الكفر**" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"(صحیح) بات یہ ہے کہ ان ائمہ کفر سے مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا (جی صرف ظاہر کیا_ناقل) **وهم الطلقاء من نحو ابي سفيان وأحزابه ممن لم ينق قلبه من الكفر**.. اور وہ طلقاء ہیں، جیسے ابوسفیان اور ان کا گروہ جن کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے "

یاد رہے کہ انہی جصاص صاحب نے اپنی تفسیر میں ایک دوسری جگہ حضرت معاویہ (رض) کو بھی "طلقاء" میں شمار کیا ہے.. "**ليس معاوية من المهاجرين بل هو من الطلقاء**".. یوں ائمۃ الکفر میں ابو سفیان اور ان کے گروہ میں حضرت معاویہ (رض) بھی آتے ہیں، اور جصاص لکھتے ہیں کہ "انہوں نے صرف اسلام ظاہر کیا تھا لیکن ان کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے... "

جصاص کی اس عبارت کا دفاع جناب مفتی وقاص صاحب یوں فرماتے ہیں :

"جن لوگوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا ان کے دل چوں کہ فوراً جاہلیت کے اثرات سے پاک صاف نہیں ہو گئے تھے بلکہ تا ہنوز ان کے دلوں میں جاہلیت کے اثرات باقی تھے".....یہی مطلب ہے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا.... الخ" (دیکھیں مفتی صاحب کی کتب کا صفحہ 277و278).

لاحول ولا قوۃ الا باللہ... جصاص کے الفاظ ہیں "ممن لم ینق قلبه من الكفر" کہ ان کے دل کفر سے پاک صاف نہیں ہوئے تھے.. اور مفتی صاحب ان الفاظ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ان کے دل میں جاہلیت کے اثرات باقی تھے.

نیز کیا مفتی صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ ابو سفیان (رض) کو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد نجران کا حاکم بنادیا تھا، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بدستور نجران کے حاکم تھے، آپ نے اسلام لانے کے بعد غزوہ حنین اور یرموک میں شرکت بھی کی تھی، اور جصاص صاحب جو انھیں "ائمۃ الکفر" کا مصداق بنارہے ہیں کیا یہ نبوی فیصلے پر اعتراض نہیں؟ اور "فقاتلوا ائمۃ الکفر" کا مطلب تو مفتی صاحب شاید بیان کرنا بھول گئے..

کاش مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا یہ فاضل نوجوان ایسی ہی تاویلیں صحابہ کرام کو "مخطی" اور "باغی" ہونے سے بچانے میں کرتا.

(اس تبصرے میں اگر قارئین کو کچھ الفاظ سخت محسوس ہوں تو درگزر فرمائیں، دراصل مصنف کتاب مذکور نے جو زبان استعمال کی ہے اس کے مقابلے میں یہ الفاظ نہایت مؤدب ہیں).

اکابر کے نادان وکیل (قسط: 3)

مفتی وقاص رفیع (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ) کے نام سے شائع ہونے والی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر" کا مطالعہ جاری ہے، مفتی موصوف نے بزعمِ خود حضرات صحابہ، خاص طور پر ام المؤمنین عائشہ صدیقہ ، حضرات طلحہ وزبیر، حضرات معاویہ وعمرو بن العاص وغیرہم (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں غیر صحابہ اکابرین کی ان عبارات کا دفاع کرنے کا دعوا کیا ہے جن عبارات کو لے کر ان اکابرین پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کی یہ عبارات صحابہ کرام کے بارے میں تنقیدی وتنقیصی ہیں.

اسی سلسلے میں حنفی فقہ کی معروف کتاب "الہدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی" کے مصنف امام مرغینانی کی ایک عبارت پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے، ہدایہ میں ایک جگہ یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہ جس طرح "سلطان عادل" (یعنی انصاف پسند حاکم) کی طرف سے قضاء کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے اسی طرح "سلطان جائر" (ظالم حاکم) کی طرف سے بھی یہ منصب قبول کرنا جائز ہے، صاحب ہدایہ نے اپنی اس بات کی دلیل کچھ یوں پیش کی ہے کہ:

"ثم يجوز التقلد من السلطان الجائر كما يجوز من العادل لأن الصحابة تقلدوه من معاوية والحق كان بيد علي رضي الله عنه في نوبته، والتابعين تقلدوه من الحجاج وكان جائراً" (سلطان جائر) کی طرف سے عہدہ قضاء قبول کرنا اس لیے جائز ہے کیونکہ صحابہ نے حضرت معاویہ (رض) سے یہ منصب قبول کیا جبکہ اس زمانے میں حق حضرت علی (رض) کے ہاتھ میں تھا، اور اسی طرح تابعین نے حجاج (بن یوسف) سے یہ عہدہ قبول کیا جبکہ وہ جائر (ظالم) حاکم تھا.

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی کی اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ انہوں نے یہاں "سلطان جائر" کے الفاظ "سلطان عادل" کے مقابلے میں لکھے ہیں، اور جب "سلطان عادل" (انصاف پسند) حاکم کے مقابلے میں "سلطان جائر" بولا جائے تو اس سے مراد ظالم وجابر حکمران کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا، نیز اسی عبارت میں آگے انہوں نے "حجاج بن یوسف" کا ذکر بھی کیا ہے اور اس کے ساتھ بھی "جائر" کا لفظ لکھا ہے.

"جائر" کے معنی کی مزید وضاحت اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے افضل جہاد "کلمۃ حق عند سلطان جائر" کو فرمایا ہے (او کما قال علیہ السلام)، یعنی ایک جابر وظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے.

صاحب ہدایہ کا یہ استدلال اتنا واضح ہے کہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کو "جائر" بتایا ہے، جیسے "حجاج" جائر تھا، اور یاد رہے "جور" یا "ظلم" گناہ کبیرہ ہوتا ہے، یہ فسق شمار ہوتا ہے، اسے "اجتہادی خطأ" نہیں کہا جاتا... لہٰذا اگر کسی شارح نے صاحب ہدایہ کی اس بات کی یہ تاویل کی ہے کہ اس "جور" سے مراد ان کی "اجتہادی خطأ" ہے تو یہ تاویل بظاہر درست نہیں بنتی کیونکہ "جور" اور "ظلم" کسی طرح بھی اجتہادی غلطی نہیں کہی جا سکتی، کیونکہ مجتہد مخطی کو تو اپنے اجتہاد پر ایک اجر بھی ملتا ہے، تو کیا "جور" اور "ظلم" پر بھی ایک اجر ملتا ہے؟؟

لہٰذا صاحب ہدایہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "سلطان جائر" کی مثال کے طور پر پیش کرنا بذات خود ظلم و زیادتی ہے، اور ایک جلیل القدر صحابی پر تنقید ہی ہے.

لیکن مفتی وقاص رفیع صاحب نے صاحب ہدایہ کی اس تنقید کا بھی دفاع کرنے کی کوشش کی ہے، اور انہوں نے جو تاویل کی ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ :

"یہاں لفظ "جور" سے اس کا لغوی معنی "ظلم" مراد نہیں بلکہ صاحب ہدایہ خود تصریح کر رہے ہیں کہ اس کا اصطلاحی معنی "خطائے اجتہادی" بتاویل "میل عن سواء السبیل" مراد ہے، اس لیے اصطلاح فقہ میں امام عادل کے مقابلہ میں خروج کرنے والے پر لفظ جور، خروج، اور بغاوت وغیرہ الفاظ کا اطلاق کرکے اسے "جائر اور باغی" کہا جاتا ہے اور یہ اطلاق "ظلم" کو مستلزم نہیں".

تبصرہ: سب سے پہلی بات یہ کہ صاحب ہدایہ نے ہرگز ہرگز اپنی اس "سلطان جائر" والی بات کا کہیں بھی یہ مطلب نہیں بیان کیا کہ میں نے جو یہ "جائر" لکھا ہے اس سے مراد "خطائے اجتہادی" ہے.. مفتی موصوف نے یہ سراسر دھوکہ دیا ہے، دراصل انہوں نے صاحب ہدایہ کی اپنی کتاب میں ایک اور جگہ موجود اور ایک

دوسری عبارت کو جس میں "ظلم" کا لفظ ہے "جور" کا نہیں، اسے اس عبارت سے متعلق ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے .

دوسری بات یہ کہ مفتی صاحب نے نہ جانے کہاں سے یہ شوشہ نکالا ہے کہ "جور" کا اصطلاحی معنی "خطائے اجتہادی" ہے؟؟؟

تیسری بات مفتی موصوف نے اپنی کتاب میں بار بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "امام حق کے خلاف خروج کرنے والا" لکھا ہے، جس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ آجاتی ہے کہ نوجوان مفتی موصوف کا مبلغ علم کیا ہے، انھیں یہ بھی علم نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم نے ہرگز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف جنگ کی غرض سے خروج نہیں کیا، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق سے شام کی طرف پیش قدمی کی تھی، نیز اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت پر دوسروں کو چھوڑیں خود صحابہ کرام کا اجماع نہیں ہوا تھا، بلکہ آدھے یا اس سے زیادہ صحابہ کرام نے ابھی ان کی بیعت بھی نہیں کی تھی (امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنۃ میں یہ بات متعدد بار لکھی ہے، حوالے آگے بیان ہوں گے)... اس لیے مفتی صاحب بار بار حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں "خروج" کا لفظ بول کر اپنے دل میں چھپے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں، پھر "خروج" کا معنی ہے "نکلنا"، اگر اس کا معنی "بیعت سے نکلنا" لیا جائے تو بھی یہ حضرت معاویہ (رض) کے لیے نہیں بولا جا سکتا، کیونکہ آپ نے حضرت علی (رض) کی بیعت ہی نہیں کی تھی، آپ ان کی بیعت میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے تو پھر اس سے "خروج" کا کیا مطلب؟.

نیز مفتی موصوف نے اگر واقعی تخصص فی الفقہ کیا ہوا ہے تو انھیں معلوم ہوتا کہ علماء اہل سنت تو یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی فاسق حاکم کے خلاف بھی خروج جائز نہیں، جمہور کا یہی مسلک ہے، بلکہ بعض حضرات (امام نووی وغیرہ) نے تو اس پر اجماع بھی لکھا ہے لہٰذا یاد رہے! جمہور اہل سنت کے نزدیک امام فاسق کے خلاف بھی خروج جائز نہیں (فتدبر)... تو پھر صرف "امام عادل کے خلاف خروج" ہی ناجائز نہ ہوا بلکہ "امام جائر" کے خلاف خروج بھی ناجائز بنتا ہے، اور مفتی صاحب شاید نہیں جانتے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے .... (بہرحال ابھی ہماری بحث اس سے نہیں).

لہٰذا مفتی موصوف کو چاہیے کہ پہلے وہ "خروج" کی تعریف کریں اور پھر ثابت کریں کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف خروج کیا تھا اور آپ کے خلاف لشکری کشی کرتے ہوے پیش قدمی کی تھی... جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے حضرت علی (رض) کے مقابلے میں دعوائے خلافت نہیں کیا تھا، صرف قصاص عثمان (رض) کا مطالبہ کیا تھا جو کہ کسی طرح بھی خروج نہیں کہا جاسکتا، اور بقول حضرت مجدد الف ثانی (رح) تو "اس معاملے میں حضرت معاویہ (رض) تنہا نہیں ہیں بلکہ صحابہ کرام کی کم و بیش نصف جماعت اس معاملے میں حضرت معاویہ (رض) کے شریک ہیں...." (مکتوبات امام ربانی مترجم اردو از مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب، جلد دفتر اول، مکتوب نمبر 251 صفحہ 190).

نیز مفتی موصوف کو یہ بھی علم نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے قبل ہی ایک معاہدہ کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کئی علاقوں پر تسلیم فرمائی تھی اور بہت سے علاقے ان کی تولیت میں دے دیے تھے (جس کا اقرار خود مفتی وقاص رفیع نے بھی کیا ہے، دیکھیں ان کی کتاب: صفحہ 59) تو اگر بقول مفتی صاحب "مصالحت حسن رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت معاویہ (رض) جائر (کسی بھی معنی میں) تھے تو پھر کیا حضرت علی (رض) نے ایک "جائر" کی تولیت میں یہ علاقے دیے؟؟؟

صاحب ہدایہ کے ایک غلط استدلال کا دفاع کرتے کرتے، مفتی موصوف سوچیں کہ وہ کہاں پہنچ رہے ہیں.. ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حضرت معاویہ (رض) کا دفاع کرتے کہ ان کی طرف "جور" کی نسبت درست نہیں اور یہ صاحب ہدایہ کی زیادتی ہے، کیونکہ مفتی وقاص صاحب دوسری طرف یہ بات خود تسلیم کرتے ہیں کہ اکابرین اہل سنت نے مشاجرات صحابہ میں سب سے بہتر یہی بتایا ہے کہ اس میں توقف، امساک اور کف لسان ہی کیا جائے، لیکن اگر کہیں کسی وجہ سے اس پر مجبوراً بات کرنی ہی پڑے تو "اجتہادی غلطی" سے آگے نہیں جانا چاہیے.. اکابرین یہی کہنا چاہتے ہیں کہ مشاجرات صحابہ میں زیادہ سے زیادہ آخری حد "اجتہادی خطأ" ہے، لیکن صاحب ہدایہ اور جصاص وغیرہما نے اس حد سے تجاوز کیا ہے، لہٰذا ان کی عبارات کا دفاع کرنے کی بجائے مفتی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ یہ کہتے کہ "صاحب ہدایہ سے اجتہادی غلطی ہو گئی ہے اللہ انھیں معاف

فرمائے" .... لیکن چونکہ مفتی موصوف کے دل میں بغض معاویہ (رض) ہے (جس کا اظہار وہ بار بار اس کتاب میں ان کو باغی اور ناحق خروج کرنے والا لکھ کر کررہے ہیں) اس لیے وہ اپنے ان اکابرین کی ان عبارات کا دفاع کرنے میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں جو عبارات خود اصول اہل سنت سے تجاوز ہیں.

آخر میں ایک مزے کی بات بھی پڑھتے جائیں، مفتی وقاص نے علامہ ابن خلدون کی ایک عبارت کے حوالے سے یہ تسلیم کیا ہے کہ قرن اول (یعنی صحابہ) کے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع واتفاق نہیں ہوا تھا، بلکہ یہ اجماع قرن ثانی میں ہوا تھا" (تفصیل کے لیے دیکھیں کتاب کا صفحہ 143 و144) ... اگر یہ بات درست ہے تو پھر جب قرن اول کے لوگوں کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت متفقہ علیہا اور مجمع علیہا نہیں تھی تو اس زمانے کے لوگوں پر "خروج" اور "بغاوت" کے لفظ بولنا کیسے صحیح ہوا؟؟ بینوا توجروا ...

الغرض! صاحب ہدایہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "جائر" باور کروانا کسی طرح بھی دفاع کے قابل نہیں... ہم اسے صاحب ہدایہ کی "اجتہادی غلطی" اور ان کا تسامح سمجھتے ہیں، اور اس میں صاحب ہدایہ کی کوئی توہین بھی نہیں کیونکہ مفتی وقاص واعوانہ کے نزدیک تو کسی صحابی کی طرف بھی "اجتہادی غلطی" کی نسبت اس صحابی کی تنقیص نہیں.. تو صاحب ہدایہ تو پھر بھی غیر صحابی ہیں لہٰذا اس بات کو ان کی اجتہادی غلطی کہنے سے ان کی شان میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی..

اکابر کے نادان وکیل (قسط: 4)

رمضان المبارک سے پہلے "فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ" مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر تبصرے کا سلسلہ شروع کیا تھا، جو رمضان کی مصروفیات کی وجہ سے موقوف رہا... اب بات وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں یہ سلسلہ رکا تھا.

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اپنی کتاب میں مفتی وقاص رفیع نے جو زبان اور لب ولہجہ استعمال کیا ہے وہ کسی طرح بھی تبلیغی جماعت یا ان کے ادارے مدرسہ عربیہ کے فضلاء سے جوڑ نہیں کھاتا، اس لیے ہمارے خیال میں اس کتاب کا اصل خالق کوئی اور ہے صرف نام مفتی مذکور کا استعمال کیا گیا ہے، اور جب کتاب کا مطالعہ کریں تو مفتی مذکور کی علمی سطح دیکھ کر بھی احساس ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ محدود ہے اور زیادہ تر "شاملہ" سے حوالے نقل کرتے ہیں... جیسا کہ آج کی پوسٹ میں آپ ملاحظہ کریں گے..

کتاب کے صفحہ 338 سے مفتی صاحب نے "علامہ سعد الدین تفتازانی" کی عبارت کا دفاع شروع کیا ہے..

تفتازانی صاحب نے اپنی کتاب میں ایک مثال ذکر کی تھی: "ركب على وهرب معاوية" (علی سوار ہوے اور معاویہ بھاگ گئے). ان کی اس عبارت پر شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"والمتبادر أن المراد بعلي ومعاوية صاحبا رسول الله ولا يخفى مافيه من سوء الأدب في حق سيدنا معاويه والجرأة عليه بما لايليق بمنصبه بل لو حملناهما على غيرها لم يخل من سوء الأدب لما فيه من الايهام" (بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علی اور معاویہ سے مراد اللہ کے رسول کے دو صحابی ہیں، اور اس میں سیدنا معاویہ کے حق میں بے ادبی ہے اور ان پر جس قسم کی جرات ہے وہ مخفی نہیں، جو ان کے منصب کے لائق نہیں (مفتی وقاص رفیع نے بمنصبه کی ضمیر تفتازانی کی طرف لوٹائی ہے کہ یہ بات تفتازانی کے منصب کے لائق نہیں، نہ معلوم اس کا کیا قرینہ ہے؟) بلکہ

اگر ہم ان دونوں (یعنی علی اور معاویہ) سے ان دونوں صحابیوں کے علاوہ کوئی اور بھی مراد لیں) تو بھی یہ کلام بے ادبی سے خالی نہیں ہوگا کہ اس میں (تنقیص کا) وہم موجود ہے... حضرت شیخ الہند کا تبصرہ ختم ہوا.

اب مفتی وقاص رفیع صاحب علامہ تفتازانی کی اس عبارت کا دفاع شروع کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حضرت شیخ الہند سے زیادہ عالم و فاضل اور اس عبارت کو سمجھنے والا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں... چنانچہ لکھتے ہے کہ:

"چاہے ان دونوں لفظوں کا محمل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی ہوں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا محمل ہو "ظنوا بالمؤمنين خيراً" کی رو سے بہر حال علامہ تفتازانی کو قطعی اور یقینی طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ٹھہرانا کسی طرح بھی درست نہیں اس لیے کہ اول تو قطعی اور یقینی طور پر یہ بات ثابت نہیں کہ یہ مثال علامہ تفتازانی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات اور آپ کے مقام صحابیت کو گرانے اور اس پر طعن و تنقید کی غرض سے ذکر کی ہے کہ دلوں کا حال تو اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں اور ہمیں "ظنوا بالمؤمنين خيراً" کا حکم دیا گیا ہے" (صفحہ 345 و346).

ملاحظہ فرمائیں فاضل رائے ونڈ کا دفاع... حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اوپر مذکورہ عبارت خود انہی مفتی صاحب نے نقل کی ہے جس میں حضرت شیخ الہند صاف فرماتے ہیں کہ یہ عبارت بہر صورت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بے ادبی ہے... لیکن مفتی وقاص رفیع یہاں "اچھے ظن" کا فلسفہ چھانٹ رہے ہیں.. یوں تو جب آپ کسی رافضی کی عبارت پیش کریں جس میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان وغیرہم (رضی اللہ عنہم) جیسے صحابہ کرام کے نام پر مشتمل کوئی گستاخانہ مثال مذکور ہو تو اس کی بھی تاویل ہو سکتی ہے کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت نہیں کہ یہ مثال ذکر کرنے والے کی مراد وہی اصحاب رسول ہیں، لہٰذا ان کی طرف گستاخی اور بے ادبی کی نسبت کرنا درست نہیں.. واہ واہ کیا استدلال ہے علامہ تفتازانی کے اس نادان وکیل کا..

نیز اگر دلوں کا حال تو اللہ تعالی ہی جانتے ہیں تو پھر مفتی وقاص رفیع صاحب اپنی اسی کتاب میں بار بار اسی "ظنوا بالمؤمنین خیراً" کا فائدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دینے پر کیوں تیار نہیں؟ وہ بار بار یہ راگ کیوں الاپتے ہیں کہ: "حضرت معاویہ کے مخطی اور باغی ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے" (صفحہ 111 وغیرہ)؟؟

کیا حضرت معاویہ (رض) کے دل کا حال مفتی وقاص رفیع اور ان کے پیچھے پردہ نشین ان کے سرپرست جانتے تھے؟؟ وہاں مفتی صاحب کو یہ تاویلیں کیوں یاد نہیں آئیں؟؟

اب آگے چلیں، مفتی موصوف دوسرا جواب یوں دیتے ہیں کہ:

"یہ ہو سکتا ہے کہ یہ مثال (جو علامہ تفتازانی نے دی ہے) بھی روافض کے اس پروپگنڈے اور سازش کا حصہ ہو کہ جس کے تحت صرف و نحو کی مبتدی کتابوں سے لے کر منتہی کتابوں تک "ضرب زید عمروا" وغیرہ کی جو مثالیں دی جاتی ہیں ان میں حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمرو بن العاص اور حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) کے نام استعمال کیے جاتے ہیں..... لیکن اس کے باوجود کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی کہ وہ ان کتابوں کے مصنفین پر طعن و تشنیع کرے..... کسی بھی مسلمان کو اس بات کا شائبہ تک نہیں ہوتا کہ اس قسم کی مثالوں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) کی ذاتیں مراد ہیں بلکہ وہ تو صرف ایک نام کی حد تک ان مثالوں سے استفادہ کرتے ہیں، کسی مخصوص صحابی کا نام سمجھ کر ہرگز استفادہ نہیں کرتے"... (خلاصہ: صفحہ 346)

چلو جی مفتی رائے ونڈ نے علامہ تفتازانی کے ساتھ ساتھ روافض کی بھی وکالت کر دی، وہ تو اپنی کتب میں صرف "اول، ثانی اور ثالث" کے الفاظ لکھ کر خلفائے ثلاثہ (رض) پر طعن کرتے ہیں، تو ان کی طرف سے بھی جواب ہو گیا کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اول سے مراد حضرت ابوبکر، ثانی سے مراد حضرت عمر اور ثالث سے مراد حضرت عثمان ہیں؟؟

اور مفتی صاحب کے استادوں نے اگر انھیں نہیں بتایا تو اس میں دوسروں کا کوئی قصور نہیں، بہت سے علماء کرام اپنے تلامذہ کو "زید و عمرو و بکر" کی مثالوں پر بھی متنبہ کرتے ہیں کہ یہ مثالیں محل نظر ہیں، ہمارے

اساتذہ نے ہمیں یہ بات بتائی تھی، پھر کاش علامہ تفتازانی بھی زید وعمرو وبکر والی مشہور مثالیں ہی دے دیتے ... انھیں خاص طور پر ایک غیر معروف مثال بنانے اور اس میں علی ومعاویہ کا نام لینے کی کیا ضرورت تھی؟؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ دو نام مشہور ہیں؟ کیا انھیں نہیں اندازہ تھا کہ اس سے قاری کا ذہن کس طرف جائے گا؟؟

اب آگے چلیے، یہی علامہ تفتازانی لکھتے ہے کہ:

"ذهب الأكثرون الى أن أول من بغى في الاسلام معاوية" (اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی بغاوت کرنے والے حضرت معاویہ ہیں) (شرح المقاصد للتفتازانی)

اسی عبارت کے سیاق میں علامہ تفتازانی یہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ (عمرو بن عبیدہ، واصل بن عطاء وغیرہ) کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) کے گروہ اور حضرت معاویہ (رض) کے گروہ میں سے صرف ایک گروہ درست اور صحیح تھا لیکن کونسا تھا؟ یہ تعیین نہیں کر سکتے، علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ قول فاسد اور غلط ہے (بلکہ دونوں گروہوں میں تعین ہے کہ کون درست تھا اور کون غلط)..

اسی طرح علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ: "بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ دونوں گروہ صحیح تھے، کیونکہ (دونوں مجتہد تھے) اور ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے"، علامہ تفتازانی ان لوگوں کا قول بھی غلط ثابت کرتے ہوے لکھتے ہیں کہ:

"وذلك لأن الخلاف انما هو اذا كان كل منهما مجتهداً في الدين على الشرائط المذكورة في الاجتهاد، لا في كل من يتخيل شبهة واهية ويتأول تأويلاً فاسداً، ولهذا ذهب الكثيرون الى أن أول من بغى في الاسلام معاوية" (یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ دونوں مجتہد تھے، اور ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اس لیے دونوں ہی مصیب تھے، ان کی بات بھی غلط ہے، کیونکہ اختلاف اس وقت معتبر ہوتا ہے جب دونوں مجتہدوں میں ہر ایک دین میں اجتہاد کی شرائط کے ساتھ اجتہاد کرے (تب تو کہہ سکتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہے) لیکن اگر (ان مجتہدوں میں سے) کوئی ایسا ہو جس کے دماغ میں شبہ ہو اور وہ فاسد و باطل قسم کی تاویلیں کرے تو اس کے بارے میں یہ بات نہیں کہہ

سکتے کہ وہ مصیب ہے، اسی لیے بہت سے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے جس نے بغاوت کی وہ معاویہ ہیں)

یہاں مفتی وقاص رفیع نے جان بوجھ کر یا لاعلمی میں اس عبارت کا غلط مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے ... تفتازانی اس عبارت میں یہی کہہ رہے ہیں کہ اگر دونوں طرف کے مجتہد اجتہادی کی شرطوں کے مطابق اجتہاد کریں تو ان کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ "**کل مجتھد مصیب**" (ہر مجتہد مصیب ہی ہے) لیکن اگر ان میں سے کوئی فاسد تاویلیں کرے تو اس صورت میں اسے مصیب نہیں کہہ سکتے، اور اس کے ساتھ ہی متصل حضرت معاویہ (رض) کو اسلام میں سب سے پہلا باغی بھی لکھ دیا... اس سے صاف واضح ہے کہ تفتازانی کے نزدیک حضرت معاویہ (رض) ایسے مجتہد نہ تھے جنہوں نے اجتہاد کی شرائط کے مطابق اجتہاد کیا کہ انھیں بھی مصیب کہا جاسکے، بلکہ انہوں نے باطل تاویلیں کیں اسی لیے انہیں سب سے پہلا باغی لکھا.

تفتازانی کی اس عبارت میں یقیناً حضرت معاویہ (رض) کی تنقیص ہے اور انھیں ایسا مجتہد بتایا گیا ہے جو باطل تاویلیں کرے..

مفتی وقاص رفیع نے یہ لکھ کر جان چھڑانے کی کوشش کی ہے کہ تفتازانی نے حضرت معاویہ (رض) کو باطل تاویلیں کرنے والا نہیں لکھا... لیکن اس عبارت کا سیاق و سباق پڑھیں تو وہ یہی دلیل دے رہے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں کو "مجتہد مصیب" نہیں کہا جاسکتا... اور آگے اس کی وجہ یہی لکھی ہے کہ "اگر ان دونوں مجتہدوں میں سے ایک فاسد تاویل کرے تو وہ کیسے مصیب ہو سکتا ہے"..

اب میں مفتی وقاص رفیع سے پوچھتا ہوں کہ یہ حضرت علی و حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں میں سے تفتازانی کے خیال میں کس نے "فاسد تاویلیں" کی تھیں کہ اس وجہ سے انھیں "کل مجتہد مصیب" کے تحت "مصیب" نہیں کہا جاسکتا؟؟

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ فاضل رائے ونڈ مفتی وقاص رفیع نے تفتازانی کی مزید وکالت کیسے کی؟

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جنگ صفین سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف باغیوں اور شر پسندوں کی شورش ہو چکی تھی جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تھا، اس کے بعد جنگ

جمل بھی ہو چکی تھی جس میں ایک طرف ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت طلحہ و حضرت زبیر (رضی اللہ عنہم) تھے تو دوسری طرف حضرت علی (رض) اور ان کے ساتھی، ... اب سوال پیدا ہوتا تھا کہ تفتازانی نے اسلام میں سب سے پہلا باغی حضرت معاویہ (رض) کو کیوں اور کیسے لکھا؟ تفتازانی کی یہ بات درست ہے یا غلط؟؟

تو تفتازانی کے نادان وکیل کو یہاں سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیسے دفاع کرے؟ لیکن اس خلاف حقیقت بات کا دفاع بھی ضرور کرنا ہے تو اس کے جواب میں مفتی وقاص رفیع نے خود یہ سرخی لکھی ہے کہ :

"اسلام میں دو قسم کی بغاوتیں ہوئی ہیں"

اور اس کے ذیل میں پہلے جنگ جمل کا ذکر کیا ہے اور دوسرے نمبر پر جنگ صفین کا، یعنی نادان وکیل تسلیم کرتے ہیں کہ جنگ جمل بھی بغاوت ہی تھی، تو پھر تفتازانی کا جنگ صفین کو پہلی بغاوت لکھنا تو غلط ہوا ناں؟؟

لیکن مفتی وقاص رفیع ایک دم قلابازی کھاتے ہیں اور یہ فلسفہ جھاڑتے ہیں کہ چونکہ جنگ جمل میں جنگ اتفاقیہ وقوع پذیر ہوئی تھی، اس لیے تفتازانی نے اسے پہلی بغاوت نہ کہا، اور صفین کی جنگ چونکہ قصدا ہوئی تھی اس لیے اسے تفتازانی نے پہلی بغاوت کہا... اور صفین والی جنگ چونکہ جمل کے مقابلے میں بڑی تھی اس لیے بھی اسے پہلی بغاوت کہہ دیا، مفتی وقاص رفیع کا مبلغ علم یہ ہے کہ انہوں نے آگے اپنی کتاب میں "بغاوت" کی تعریف بھی کی ہے جس کی رو سے "امام حق کی اطاعت سے نکلنا اور اس کے خلاف خروج کرنا" بغاوت کہلاتا ہے، اس تعریف کی رو سے قاتلین عثمان (رض) بھی باغی بنتے ہیں اور جنگ جمل والے بھی، بلکہ حضرات طلحہ وزبیر (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں تو آتا ہے کہ انہوں نے پہلے حضرت علی (رض) کی بیعت کی تھی پھر توڑ دی تھی... لیکن قربان جائیں مفتی صاحب پر کہ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہاں جنگ جمل چونکہ اتفاقیہ ہوئی تھی اس لیے اسے تفتازانی نے بغاوت نہیں کہا.. لیکن کیا مفتی صاحب یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ جنگ صفین میں حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف جنگ کے لیے خروج کیا ہو؟؟؟ اگر انہوں نے تاریخ پڑھی ہوتی تو انھیں علم ہوتا کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام کی

طرف چڑھائی کی تھی.. نہ کہ حضرت معاویہ (رض) نے... نیز وہاں بھی وہی سبائی شر پسند موجود تھے جن پر مفتی صاحب جنگ جمل بھڑکانے کا الزام دھر رہے ہیں... تو "اتفاقیہ" اور "قصدا" کی تفریق سے مفتی صاحب کو کچھ فائدہ نہیں، اگر وہ بغاوت کی تعریف کو لاگو کرنا چاہتے ہیں تو جنگ جمل والے بھی باغی بنتے ہیں..

مفتی وقاص رفیع کے ممدوح حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہ (رض) کے لشکر والوں نے جنگ میں ابتداء نہیں کی یہاں تک کہ انہوں نے (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے_ناقل) ابتداء کی، اور اسی وجہ سے اشتر نخعی نے کہا تھا کہ وہ فریق مخالف جنگ میں ہمارے خلاف اس لیے کامیاب ہو رہے ہیں کہ ہم نے ان سے جنگ کرنے میں ابتداء کی تھی".... (آگے اسی صفحے پر علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ): "حضرت معاویہ (رض) نے متوقع خطرات کے تحت دفاعی جنگ لڑی ہے". (خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 365 طبع اول)

اور مزے کی بات یہ کہ آگے اسی جگہ یہی مفتی وقاص رفیع صاحب بہت سے حوالے یہ بھی ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں کہ "جنگ جمل میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال کرنے والے باغی ہی تھے" مفتی صاحب نے پورے 13 حوالے پیش کیے ہیں، (دیکھیں ان کی کتاب کا صفحہ 363 تا 368)، عجیب بات ہے کہ یہ حوالے اس بات پر پیش کرکے کہ جنگ جمل میں حضرت علی (رض) کے مقابل لوگ باغی ہی تھے خود تفتازانی کے یہ وکیل صاحب اپنے موکل کی اس بات کی تردید کر رہے ہیں کہ "اسلام میں سب سے پہلے باغی حضرت معاویہ تھے"....

یاد رہے کہ مفتی وقاص رفیع نے جنگ جمل میں شریک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل گروہ کو باغی ثابت کرنے کے لیے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول "اخواننا بغوا علینا" مصنف ابن شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے... جبکہ یہ روایت منقطع ہے، اس روایت میں حضرت علی (رض) سے یہ بات روایت کرنے والا راوی "ابو البختری" ہے جس نے حضرت علی (رض) کا زمانہ نہیں پایا، اسی طرح اس روایت میں "شریک" راوی ہے جس پر "سوء حفظ" کی شدید جرح موجود ہے اور اسے اکثر علماء اسی بنیاد پر

ضعیف کہتے ہیں... لیکن مفتی وقاص رفیع صاحب "شاملہ" سے دیکھ کر بے دھڑک یہ روایت پیش کر رہے ہیں، اور تفتازانی کی اس بات کو غلط ثابت کرتے ہوے پیش کر رہے ہیں کہ "اسلام میں سب سے پہلے باغی حضرت معاویہ ہیں"... اور انھیں علم ہی نہیں رہا کہ وہ خود تفتازانی کی بات کی تردید بھی کر رہے ہیں..

پھر مفتی موصوف یہ فریب دیتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین "باغی نہیں تھے"... بلکہ باغیوں سے بڑھ کر ظالم اور سرکش تھے.... میں پوچھتا ہوں کہ جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی شورش شروع کی تو کیا اس وقت انہوں نے "امام حق" کے خلاف خروج نہیں کیا تھا؟؟ اس کی اطاعت سے نہیں نکلے تھے؟؟ اگر ایسا ہوا تھا اور یقینا ہوا تھا تو پھر وہ پہلے باغی بنے تھے... بعد میں خلیفہ برحق کو شہید کرکے وہ باغی سے بھی آگے نکل گئے... لہٰذا اگر کسی نے ان کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ باغی نہیں بلکہ ظالم اور سرکش تھے تو انہوں نے آخری سٹیج ذکر کیا ہے، ورنہ انہوں نے اپنا ظلم اور سرکشی بغاوت ہی سے شروع کی تھی.... وہ خلیفہ برحق کی اطاعت سے نکلے تھے، اور ان کے خلاف خروج کیا تھا... اور پھر بعد میں انھیں شہید کیا.

نوٹ: ملا علی قاری (رح) نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو "باغی" لکھا ہے... "لانهم كانوا بغاة" (منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر، صفحہ 198 طبع دار البشائر بیروت)

چلیں بقول مفتی صاحب وہ باغی سے بڑھ کر ظالم تھے تو کیا مفتی صاحب اس پر روشنی ڈالیں گے کہ کسی ظالم کے خلاف آواز اٹھانا اور ظالم کے ظلم کے حساب کا مطالبہ کرنا ان کے نزدیک کیسا ہے؟؟؟ بینوا توجروا..

آخر میں مفتی صاحب نے علامہ تفتازانی پر "شیعیت" کے الزام پر بات کی ہے، تفتازانی پر یہ الزام ہے کہ وہ حضرت علی (رض) کی حضرت عثمان (رض) پر افضیلت کے قائل تھے، اسی بناء پر بہت سے علماء نے ان پر شیعیت سے متاثر ہونے کا الزام لگایا ہے، مفتی وقاص رفیع صاحب بھی اس الزام کا انکار نہیں کرسکے... اور "خلاصہ کلام" کے تحت لکھتے ہیں کہ: "الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضیلت کے مسئلہ میں جمہور علماء اہل سنت کے برعکس یہ علامہ تفتازانی کی اپنی انفرادی تحقیقات ہیں

جو ان کے رفض و تشیع سے متاثر ہونے کے نتیجہ میں نہیں بلکہ ان کی اپنی علمی و تحقیقی تحقیقات کے نتیجہ میں عمل میں آئی ہیں"...

واہ کیا بات ہے.... کتب اسماء الرجال میں صاف لکھا ہے کہ "متقدمین کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کا نام ہی تشیع اور شیعیت ہے"..... اور جب علامہ تفتازانی کے بارے میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے تو ان کے نادان وکیل کہتے ہیں کہ یہ شیعیت سے متاثر ہونا نہیں بلکہ علامہ تفتازانی کی جمہور اہل سنت کے برعکس یہ اپنی انفرادی تحقیق ہے..... یاللعجب..

اکابر کے نادان وکیل (قسط: 5)

آج کل ہر ایرا غیرا نتھو خیرا، اپنے نام کے ساتھ "مفتی" لکھ لیتا ہے چاہے وہ جہالت کے اعلی درجے پر فائز ہو، یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک یا دو سال تخصص فی الفقہ نامی کورس کر لیا تو اب وہ "مفتی" ہو گئے اور جس پر چاہے فتوے لگاتے رہیں، مفتی وقاص رفیع کی کتاب پڑھ کر میرا یہ تاثر مزید پختہ ہو گیا ہے، (بلکہ مفتی کا منصب اس سے کہیں بلند ہے) اس کتاب میں جو انداز کلام و تخاطب ہمیں نظر آتا ہے وہ کسی بھی طرح ایک اہل علم مفتی کے شایان شان نہیں، اور مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضلین کے ساتھ تو بالکل جوڑ نہیں کھاتا.

یہ مفتی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 394 سے میر سید شریف جرجانی کا دفاع شروع کرتے ہیں، اور صفحہ نمبر 397 تک ان جرجانی صاحب کا تعارف کرواتے ہیں کہ یہ جامع المعقول والمنقول اور بہت بڑے عالم اور فضل و کمال کے حامل تھے... لیکن یہ مفتی صاحب یہ بھول گئے کہ جرجانی صاحب جیسے ہزار بھی مل جائیں تو وہ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتے.. اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بے ادبانہ اور ناقدانہ عبارات لکھنے والوں کے علم و فضل پر ورق سیاہ کرنے سے ان کی یہ بے ادبی اور تنقید جائز نہیں ہو جاتی..

صفحہ نمبر 398 پر یہ فاضل رائے ونڈ ایک سرخی لکھتے ہیں:

"ہاشمی صاحب کا دجل اور میر سید شریف کی طرف منسوب عبارت کی وضاحت"

ہاشمی صاحب سے مراد ان کی قاضی طاہر ہاشمی صاحب ہیں جن کی کتاب کا بزعم خود یہ نوجوان مفتی صاحب جواب لکھنے بیٹھے ہیں، ہاشمی صاحب نے ان میر سید جرجانی صاحب کے بارے میں لکھا تھا کہ:

"جمہور اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ اجتہادی تھا جب کہ میر سید شریف جرجانی نے کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب کا قول ہے کہ یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی نہیں تھا" (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، صفحہ 122)

اس پر یہ آج کے مفتی صاحب نے سرخی جمائی ہے "ہاشمی صاحب کا دجل" اور پھر لکھا ہے کہ :
"پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا اور بلا حوالہ بات نقل کردی ہے" (صفحہ 498).

پھر اگلے صفحے پر دوبارہ لکھتے ہیں:
"غالباً پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے میر سید شریف جرجانی کی مذکورہ بالا عبارت کسی کتاب سے یہاں غلط نقل کردی، جبھی تو اس کا بقید جلد و صفحہ کوئی حوالہ بھی نہیں دیا لہٰذا انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ نقل را عقل باید، یا پھر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اگر اصل کتاب کا حوالہ نہیں دے سکتے تھے تو کم از کم جس کتاب سے یہ عبارت نقل کی ہے اسی کا حوالہ دے دیتے" (صفحہ 400).

قارئین محترم! میں سوچ رہا تھا کہ جس کتاب کا یہ فاضل رائے ونڈ مفتی صاحب بزعم خود جواب لکھنے بیٹھے ہیں، انہوں نے یقیناً وہ کتاب خود پڑھی بھی ہوگی، لیکن یہاں پہنچ کر اب مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب (حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر) مفتی وقاص رفیع کی تخلیق ہرگز نہیں، یہ کسی تقیہ باز رافضی یا سبائی ذہن رکھنے والے کی تخلیق ہے جس کے جال میں یہ نوجوان مفتی صاحب کسی طرح آ گئے ہیں... کیونکہ اگر انہوں نے قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کو پڑھا ہوتا تو وہاں انھیں نظر آجاتا کہ ہاشمی صاحب نے جرجانی کے بارے میں یہ بات حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مکتوبات کے حوالے سے نقل کی ہے، اور باقاعدہ مکتوبات، حصہ چہارم، دفتر اول، جلد دوم، اردو کے صفحہ 578 کا حوالہ دیا ہے اور ساتھ ہی مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی بھی لکھا ہے (دیکھیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، صفحہ 122 و 123 طبع سوم، اپریل 2016) لہٰذا اب جو سرخی مفتی وقاص رفیع نے "ہاشمی صاحب کا دجل" کی لگائی ہے، وہ حضرت مجدد الف ثانی پر لگ جاتی ہے، مفتی وقاص کو مجدد صاحب سے پوچھنا چاہیے کہ انہوں نے سید شریف جرجانی کی یہ بات کہاں سے

نقل کی ہے نہ کہ ہاشمی صاحب سے کہ انہوں نے تو صاف لکھا ہے کہ یہ بات مجدد صاحب نے لکھی ہے...
اب دیکھتے ہیں کہ مفتی وقاص رفیع مجدد صاحب پر کب "دجل" کا فتویٰ کب لگاتے ہیں..

پھر قربان جائیں اکابر کے اس نادان وکیل مفتی پر، کر تو رہا ہے میر سید شریف جرجانی کا دفاع، اور پھر خود جرجانی کی ایک ایسی عبارت نقل کرتا ہے جو ہاشمی صاحب نے بھی نقل نہیں کی تھی، آپ بھی وہ عبارت غور سے ملاحظہ فرمائیں، جرجانی لکھتے ہیں:

"(والذي عليه الجمهور) من الأمة هو (أن المخطيء قتلة عثمان ومحاربوا علي لأنهما امامان فيحرم القتل والمخالفة قطعاً) الا أن بعضهم كالقاضي ابي بكر ذهب الى أن هذه التخطئة لا تبلغ الى حد التفسيق ومنهم من ذهب الي التفسيق كالشيعة وكثير من أصحابنا"

(شرح المواقف، جلد 8 صفحہ 407، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اس عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

"امت کے جمہور علماء کا مذھب یہ ہے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنے والے دونوں خطاکار ہیں کیوں کہ وہ دونوں امام ہیں، پس ان کو قتل کرنا اور ان کی مخالفت (لڑائی) کرنا قطعی طور پر حرام ہے، مگر بعض علماء قاضی ابو بکر وغیرہ کا مذھب یہ ہے کہ یہ خطاء اور غلطی (مفتی وقاص نے جان بوجھ کر یہاں عربی لفظ تخطئۃ لکھا ہے تاکہ عبارت میں اپنا کھیل کھیل سکیں- ناقل)، حد تفسیق تک نہیں پہنچتی، اور بعض علماء جیسا کہ شیعہ حضرات اور ہمارے بہت سے اصحاب کا مذھب یہ ہے کہ یہ خطاً (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنے والی) حد تفسیق تک پہنچ جاتی ہے"

جو آدمی عربی زبان سے تھوڑی سی بھی شد بد رکھتا ہے اس کے لیے جرجانی کی یہ عبارت بالکل واضح ہے کہ یہ لکھ رہے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنا اور ان کی مخالفت کرنا دونوں غلط اور خطأ ہیں، لیکن بعض علماء کے نزدیک یہ غلطی اور خطأ فسق تک نہیں پہنچتی، جبکہ شیعہ اور جرجانی کے بہت سے اصحاب کے نزدیک یہ خطأ فسق کے درجے تک پہنچ جاتی ہے...

اس عبارت کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہے کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کی، یہ ان کی خطأ تو یقیناً تھی، اب آگے کیا یہ خطأ فسق کے درجے تک بھی پہنچ گئی یا نہیں؟ تو جرجانی کے بقول ان کے بہت سے اصحاب اور شیعہ کے نزدیک یہ خطأ فسق کے درجے تک پہنچ گئی تھی.... دوسرے لفظوں میں جس جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کی اس نے فسق کا ارتکاب کیا...

مفتی وقاص رفیع شاید ساری دنیا کو احمق سمجھتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں وہ جرجانی کی اس عبارت کا دفاع یوں کرتے ہیں:

"میر سید شریف جرجانی نے یہاں پر تفسیق کی نسبت "خطأ" کی طرف کی ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں کی".

ہم مفتی وقاص سے پوچھتے ہیں کہ بات مکمل کریں... خطأ کی نسبت ان تمام کی طرف کی جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی... یا نہیں؟؟ اب آپ کے بقول تفسیق کی نسبت اسی خطأ کی طرف کی تو وہ خطأ فسق ہوئی یا نہیں؟؟؟ اور آپ ہی فرمائیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے کی خطأ آپ کے نزدیک کس کس نے کی؟؟ ان کے نام تو بتائیں.. کیا اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں؟ کیا اس میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نہیں؟ تو میر سید شریف جرجانی نے ان کی خطأ کی طرف فسق کی نسبت کی یا نہیں؟؟؟

جس بات کا آپ دفاع نہیں کر سکتے تو عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ صاف کہہ دیں کہ میر سید شریف جرجانی نے یہ بات غلط لکھی ہے... اہل سنت کے کسی بھی معتبر عالم نے محاربین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خطأ کو تفسیق یا فسق نہیں کہا.. یہ سید شریف جرجانی کی بات غلط ہے... لیکن آپ نے تو ہر غلط بات کے دفاع کی قسم کھائی ہوئی ہے

اکابر کے نادان وکیل (قسط: 6)

عجیب بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو "فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ" لکھنے والے "مفتی محمد وقاص رفیع" نے جلیل القدر صحابی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے بعد ہونے والے غیر صحابہ اکابرین کی قابل اعتراض عبارات کا دفاع کرنے اور ان کی تاویلات کرنے کے لیے 632 صفحات پر مشتمل کتاب لکھی ہے، جبکہ اس کتاب میں مذکور 20 کے قریب جن اکابرین کی عبارات کی مفتی موصوف نے تاویلات کرنے بلکہ بعض کی تو تاویلات باطلہ کرنے پر محنت کی ہے یہ سب مل کر بھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں پہنچتے، ان حضرات کا یہ مرتبہ ہی نہیں کہ وہ کسی صحابی کو کٹہرے میں کھڑے کرکے یہ فیصلے کرتے پھریں کہ فلاں فلاں صحابی نے خطا کی اور ان کی خطا جان بوجھ کر تھی یا اجتہادی، اور خاص طور پر اس دور کے بارے میں فیصلے چکائیں جب صحابہ کرام کی بڑی اکثریت غیر جانبدار رہی، انہوں نے نہ حضرت علی رض اللہ عنہ کی بیعت کی، نہ ان کے ساتھ مل کر لڑائی میں حصہ لیا، اور نہ انہوں نے حضرات ام المؤمنین عائشہ، طلحہ، زبیر اور سیدنا معاویہ (رضی اللہ عنہم) کی طرف سے لڑائی میں حصہ لیا، جس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ اس وقت صحابہ کرام میں کسی ایک شخصیت پر اتفاق نہ تھا، اور وہ دور ایک ابتلاء کا دور تھا، حضرت معاویہ (رض) کے ساتھ بھی کئی جلیل القدر صحابہ تھے، اس لیے یہ اکیلے حضرت علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) کی بات نہیں، بلکہ صحابہ کرام کی عظیم اکثریت کی بات ہے... لہٰذا مفتی وقاص رفیع کا بار بار یہ نعرہ لگانا کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی پر اجماع ہو گیا تھا" یہ بھی محل نظر ہے، اس دور کے صحابہ کرام میں ہرگز اس پر کوئی اجماع نہیں ہوا تھا، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر بھی اس دور میں موجود صحابہ کرام کا اجماع نہ ہوا تھا، ورنہ جنگ جمل و صفین جیسے واقعات نہ ہوتے، اگر صحابہ کے بعد کے کسی دور میں کچھ لوگوں نے اسے اجماع بتایا ہے تو یہ ان کے دور کا ہوگا... صحابہ کرام کے دور کا نہیں، چنانچہ خود یہی مفتی وقاص رفیع بحوالہ ابن خلدون یہ نقل کرتے ہیں کہ:

"عصر اول کے لوگوں کے بعد عصر ثانی کے لوگ بیعت علی (رض) کی صحت انعقاد پر متفق ہو گئے" (حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 143 – 144).

اس سے وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ عصر اول کے لوگوں کا اس بات پر اتفاق نہیں ہوا تھا... اس کی وجوہات کیا ہیں؟ اس پر بحث کرنا یہاں ہمارا مقصد نہیں.

یہ تمہید اس لیے لکھنے کی ضرورت پیش آئی کہ مفتی وقاص رفیع جیسے لوگ بار بار یہ راگ الاپتے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) فلاں آیت اور فلاں حدیث اور فلاں نص کی رو سے سرکش اور باغی تھے اور غلطی پر تھے ... جبکہ یہ تمام نصوص اس دور کے صحابہ کرام کی نظر سے اوجھل نہیں تھیں، تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ اس دور کی جماعت صحابہ (جن کی تعداد بقول امام ابن سیرین دس ہزار کے قریب تھی) کی اکثریت کو ان نصوص اور احادیث کا مطلب سمجھ ہی نہیں آیا اور وہ شش و پنج میں رہے کہ کس کا ساتھ دیں؟ (بقول امام ابن سیرین ان دس ہزار کے قریب صحابہ میں سے کسی بھی طرف سے لڑائی میں شامل ہونے والوں کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہیں تھی، یوں تقریباً 99 فیصد صحابہ کرام الگ غیر جانبدار بیٹھے رہے، اگر ایسی کوئی نصوص تھیں جن سے صحیح اور غلط کا قطعی فیصلہ ہوتا تھا تو ان صحابہ کرام کے غیر جانبدار ہو کر بیٹھے رہنے کو کیا کہیں گے؟) اور ان کے زمانے کے بعد غیر صحابی علماء پر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ فلاں فلاں آیت اور فلاں فلاں حدیث سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کون غلط تھا اور کون صحیح؟؟؟

غیر صحابی اکابرین امت کی تحقیق اور تشریح پر اعتماد کرنے کا سبق پڑھانے والے ذرا غور فرمائیں کہ اس دور میں موجود صحابہ کرام جن کے سامنے یہ سارے مشاجرات ہوئے، ان کے سامنے بھی یہ تمام نصوص تھیں اور یقینا تھیں، لیکن انہوں نے تو یہ قطعی فیصلے نہ کیے، کیا ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عمرو بن العاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابو موسی اشعری، حضرت اسامہ بن زید وغیرہم (رضی اللہ عنہم) کو ان نصوص کا مطلب سمجھ نہ آیا؟ اور بعد والوں کو سمجھ آیا؟ بلکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ تمام صحابہ جو غیر جانبدار تھے، اور کسی بھی جماعت کا ساتھ دینے سے اپنی معذوری ظاہر کر چکے تھے وہ یہ کہتے ہوں کہ اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ حق کس طرف ہے اور

پھر ان تمام نے بیعت کرلی ہو.... ان صحابہ کرام کی تحقیق پر اعتماد کیوں نہیں کیا جاتا؟ جبکہ امت کے سب سے بڑے اکابر تو یہی تھے...

اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 402 پر مفتی وقاص رفیع نے "ملا عبدالرحمٰن جامی" کا دفاع شروع کیا ہے، یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ملا جامی اگر شیعہ نہیں بھی تھے تو کم از کم "شیعت کی طرف مائل" ضرور تھے، ان کی کتب میں جہاں شیعہ عقائد درج ہیں وہیں ان کی کتابوں میں سنی عقائد و نظریات بھی پائے جاتے ہیں.. خود مفتی موصوف نے ملا جامی کے حالات لکھنے والوں کے حوالے پیش کیے ہیں جن میں لکھا ہے کہ ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیعیت کی طرف مائل تھے.

انہی ملا جامی نے صحابہ کرام کی اس ساری جماعت کے لیے "سرکش" کے لفظ بولے ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی، نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا کو "اجتہادی" نہیں بلکہ "خطائے منکر" کہا ہے... پھر انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کے مستحق لعنت ہونے نہ ہونے کی بات بھی بلا وجہ چلائی ہے... ملا جامی کی اس بات پر مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے صاف لکھا ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ):

"ملا جامی نے حضرت معاویہ (رض) کی خطا کو "منکر" کہہ کر زیادتی کی ہے، پھر مستحق لعنت ہونے نہ ہونے کی بات بھی نامناسب کی ہے، یہ تردید کا کون سا مقام تھا؟ اور شبہ کا کونسا محل تھا؟ اگر یہ بات یزید کے بارے میں چلائی جاتی (کہ وہ مستحق لعنت ہے یا نہیں) تو اس پر بحث کی گنجائش تھی، لیکن حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں یہ بات (مستحق لعنت ہونے یا نہ ہونے کی) کہنا نہایت گھناونی بات ہے، حدیث نبوی میں ثقہ راویوں کی سند سے آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعاء فرمائی کہ: اے اللہ! معاویہ کو کتاب و حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا، دوسرے موقع پر یہ دعا فرمائی کہ: اے اللہ! ان کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا.... اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء مقبول و منظور ہے، ان تمام باتوں کی موجودگی میں شاید مولانا جامی سے یہ باتیں سہو و نسیان کے طور پر نکل گئی ہیں، پھر مولانا جامی نے ان اشعار میں (حضرت معاویہ) کے نام کی تصریح نہیں کی بلکہ صرف یہ کہا ہے کہ: اے

دوسرے صحابی... اس عبارت سے بھی صحابہ کرام سے ان کی ناخوشی کی بو آتی ہے، اس لیے ہم یہی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری خطاء اور بھول پر مواخذہ نہ فرمانا".

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب نمبر 251، بحوالہ مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 409 — 410)

قارئین محترم! جو بات ہم کہنا چاہتے ہیں کہ وہ حضرت مجدد صاحب نے تفصیل سے فرمادی ہے اور جس کو خود مفتی وقاص رفیع نے نقل بھی کیا ہے... کیا مجدد صاحب یہ نہیں فرمارہے کہ ملا جامی نے "خطائے منکر" لکھ کر زیادتی کی ہے؟ کیا وہ یہ نہیں لکھ رہے کہ حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں لعنت یا عدم لعنت کی بات کرکے انہوں نے نہایت گھناونی بات کی ہے؟ کیا یہ نہیں لکھا کہ ان کا صحابی کا نام نہ لینا اور صرف اشارہ کرنا اس بات کا غماز ہے کہ وہ ان سے ناخوش ہیں؟؟؟

اب اس بات کا دفاع کیسے کیا جائے؟ اور کیا کیا جائے؟؟؟ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ملا جامی نے یہ زیادتی کی ہے، اور حد سے تجاوز کیا ہے... اس پر مفتی وقاص رفیع کیوں چیں بجبیں ہیں؟؟؟ مفتی موصوف نے دفاع یوں کیا ہے کہ:

"ملا جامی کی زبان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کے بارے میں جو "خطائے منکر" کے الفاظ سرزد ہوے ہیں وہ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی بطور سہو و نسیان کے سرزد ہوے ہیں جسے تسامح کہا جاتا ہے، اور دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ کسی نے تدسیس کرتے ہوے چپکے سے اس بات کو آپ کے کلام میں شامل کردیا ہو واللہ اعلم"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 411 نیز 416و417)

قارئین محترم! حضرت مجدد صاحب (رح) نے تو ملا جامی کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ یہ ان کا تسامح ہے... اسکا یہ مطلب نہیں کہ حقیقتاً کوئی ایسی بات بھول کر لکھ سکتا ہے.. لیکن مفتی وقاص رفیع پر قربان جائیں کہ وہ ایک طرف مانتے ہیں کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید اور ان کی تنقیص ہے لیکن کہنا یہ چاہتے ہیں

کہ اس بات کو لے کر ملا جامی کو "ناقدین حضرت معاویہ" میں شمار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ یہ ان کا تسامح ہے، پھر دوسری بات اس سے بھی مضحکہ خیز کی کہ شاید یہ باتیں ان کے کلام میں کسی اور نے شامل کر دی ہوں ....

کاش یہی رویہ مفتی موصوف حضرت معاویہ (رض) اور اس زمانے کے ان صحابہ کرام کے بارے میں رکھتے جنھیں وہ بار بار "طاغی" "باغی" "مخطی" اور "قرآن وسنت کو مہجور کرنے والے" لکھتے ہیں .... کاش وہاں بھی وہ یہ لکھ دیتے کہ "یہ ان کا تسامح تھا" یا یہ لکھ دیتے کہ دشمنان صحابہ نے اکابرین کی کتب میں ممکن ہے ایسی باتیں ڈال دی ہوں... لیکن شاید ان کے نزدیک ملا جامی جیسے اکابرین کا تقدس اور عظمت، صحابہ کرام سے بڑھ کر ہے...

نوٹ: مفتی وقاص رفیع نے کا مبلغ علم یہ ہے کہ انہوں نے "مولانا ظفر اقبال" کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ... گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ" سے مولانا جامی کے بارے میں پورے پورے اقتباس من وعن نقل کیے ہیں لیکن اس کتاب کا حوالہ تک نہیں دیا.

چونکہ اوپر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کا ذکر آیا ہے تو ان کی ایک بات نقل کرکے یہ قسط ختم کرتا ہوں، آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"اے برادر! اس معاملہ میں امیر معاویہ (رض) تنہا نہیں ہیں، بلکہ صحابہ کرام کی کم و بیش نصف جماعت اس معاملہ میں حضرت معاویہ کے شریک ہیں، پس محاربان حضرت علی (رض) اگر کفر یا فسق پر ہوں تو نصف دین پر اعتماد ختم ہو جاتا ہے جو کہ ان کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے، اور اس طرح کی بات کو سوائے اس زندیق کے کوئی تجویز نہیں کرتا جس کا مقصود دین کی بربادی اور اس کو جھٹلانا ہے" (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب نمبر 251)

اکابر کے نادان وکیل : (قسط: 7)

مفتی محمد وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر بطور ایک قاری تبصرہ کی آئندہ قسط میں ہم معروف محدث ملا علی قاری رحمہ اللہ کی چند عبارات پر بات کریں گے... لیکن اس سے پہلے چند اہم باتیں.

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں بار بار ایک دعوی کیا ہے کہ "جو یہ کہتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ٹھیک اور درست تھے، اور دونوں ہی مجتہد مصیب تھے، ایسا شخص اہل سنت کے مسلک کے خلاف بات کرتا ہے کیونکہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً مجتہد مصیب تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقینی طور پر مجتہد مخطی تھے"....
نیز مفتی وقاص رفیع بار یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ "جنگ جمل و صفین میں حضرات عائشہ وطلحہ وزبیر وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا"... جبکہ حقیقت یہ ہے کہ لشکر کشی حضرت علی رضی اللہ علیہ نے ان دونوں جگہ کی تھی... جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر مکہ مکرمہ سے عراق کی طرف گیا تھا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی مدینہ میں تھے، اگر ان کے خلاف خروج ہوتا تو وہ لشکر مکہ سے مدینہ کی طرف آتا.. اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہر گز شام سے عراق کی طرف لشکر کشی میں پہل نہیں کی تھی، بلکہ لشکر کشی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کی طرف ہوئی تھی...
معلوم ہوتا ہے کہ مفتی وقاص رفیع کا مطالعہ انتہائی ناقص ہے، میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا، سر دست چند اکابر کی عبارات ہی پیش کرتا ہوں جو ہر لحاظ سے مفتی وقاص سے اعلی ہیں اور جن کی علمیت وجلالت شان

اہل سنت کے ہاں مسلم ہے، اور دیکھتا ہوں کہ کیا مفتی وقاص رفیع صاحب ان اکابر کی بات مانتے ہیں یا نہیں؟

..

علامہ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (متوفی 456 ہجری) لکھتے ہیں:

الْكَلَام فِي حَرْب عَليّ من حاربه من الصَّحَابَة رَضِي الله عَنْهُم

(قَالَ أَبُو مُحَمَّد) اخْتلف النَّاس فِي تِلْكَ الْحَرْب على ثَلَاث فرق فَقَالَ جَمِيع الشِّيعَة وَبَعض المرجئة وَجُمْهُور الْمُعْتَزلَة وَبَعض أهل السّنة أَن عليا كَانَ الْمُصِيب فِي حربه وكل من خَالفه على خطأ وَقَالَ وَاصل بن عَطاء وَعَمْرو بن عبيد وَأَبُو الْهُذَيْل وَطَوَائِف من الْمُعْتَزلَة أَن عليا مصيبا فِي قِتَاله مَعَ مُعَاوِيَة وَأهل النَّهر ووقفوا فِي قِتَاله مَعَ أهل الْجمل وَقَالُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ مخطئة وَلَا نَعْرِف أَيهمَا هِيَ وَقَالَت الْخَوَارِج عَليّ الْمُصِيب فِي قِتَاله أهل الْجمل وَأهل صفّين وَهُوَ مخطيء فِي قِتَاله أهل النَّهر وَذهب سعد بن أبي وَقاص وَعبد الله بن عمر وَجُمْهُور الصَّحَابَة إِلَى الْوُقُوف فِي عَليّ وَأهل الْجمل وَأهل صفّين وَبِه يَقُول جُمْهُور أهل السّنة وَأَبُو بكر بن كيسَان وَذهب جمَاعَة من الصَّحَابَة وَخِيَار التَّابِعين وَطَوَائِف مِمَّن بعدهمْ إِلَى تصويب محاربي عَليّ من أَصْحَاب الْجمل وَأَصْحَاب صفّين وهم الْحَاضِرُونَ لقتاله فِي الْيَوْمَيْنِ الْمَذْكُورين وَقد أَشَارَ إِلَى هَذَا أَيْضا أَبُو بكر بن كيسَان..."

ترجمہ: حضرت علی (رض) کی دوسرے صحابہ کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے اور ان کے تین (بڑے) گروہ ہیں.

تمام شیعہ، بعض مرجئہ، جمہور معتزلہ اور بعض اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) ان جنگوں میں درست تھے اور وہ تمام لوگ جو آپ کے مد مقابل تھے وہ غلطی پر تھے، (پھر اس گروہ میں سے) واصل بن عطاء، عمرو بن عبید، ابو الہذیل اور معتزلہ کے بہت سے گروہ کہتے ہیں کہ جہاں تک حضرت علی (رض) کی حضرت معاویہ (رض) اور اہل نہر کے ساتھ جنگ کا تعلق ہے تو ان میں حضرت علی (رض) درست تھے (اور دوسرے غلط تھے) لیکن آپ کی جو جنگ اہل جمل (حضرت عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے ساتھ) ہوئی اس میں ایک گروہ صحیح اور دوسرا غلط تھا لیکن کون صحیح اور کون غلط تھا؟ یہ ہم نہیں جانتے، لہذا ہم اس بارے

توقف کرتے ہیں، اور خوارج کہتے ہیں کہ جنگ جمل و صفین میں حضرت علی (رض) ہی حق پر اور درست تھے، لیکن اہل نہر کے ساتھ جنگ میں وہ غلط تھے.

حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور جمہور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا موقف ہے کہ ہم جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں کے بارے میں توقف کرتے ہیں (یعنی ہم یہ فیصلہ نہیں دیتے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط_ ناقل) اور جمہور اہل سنت اور ابو بکر بن کیسان کا یہی مسلک ہے.

جبکہ صحابہ اور خیار تابعین کی ایک جماعت اور ان کے بعد بہت سے لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ جمل اور صفین دونوں جنگوں میں حضرت علی (رض) کے مد مقابل حضرات "مصیب" یعنی صحیح موقف پر تھے، اور یہ لوگ (یعنی جو صحابہ اور تابعین یہ موقف رکھتے ہیں_ ناقل) ان دونوں جنگوں میں شریک تھے، اس بات کی طرف بھی ابو بکر بن کیسان نے اشارہ کیا ہے.

(الفصل في الملل والنحل، جلد 4 صفحہ 119 – 120، مکتبۃ الخانجی، مصر)

ملاحظہ فرمائیں! ابن حزم رحمہ اللہ بھی "جمہور صحابہ کرام" اور اور "جمہور اہل سنت" کا مسلک یہی بیان کر رہے ہیں کہ ہم جنگ جمل و جنگ صفین کے بارے میں توقف کرتے ہیں اور فریقین میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ فیصلہ نہیں دیتے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط...

نوٹ: اگرچہ آگے علامہ ابن حزم نے ان تمام گروہوں کے مسالک پر اپنا تبصرہ کیا ہے اور اپنی رائے بھی دی ہے جس کی تفصیل اسی کتاب میں آگے دیکھی جا سکتی ہے، لیکن سر دست ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابن حزم نے "جمہور صحابہ" اور "جمہور اہل سنت" کا مسلک کیا بیان کیا ہے، نیز انہونے یہ بھی بیان کیا ہے کہ "صحابہ اور خیار تابعین کی ایک جماعت اور ان کے بعد بہت سے لوگوں کا یہ مسلک بھی ہے کہ جمل اور صفین دونوں جنگوں میں حضرت علی (رض) کے مد مقابل حضرات "مصیب" یعنی صحیح موقف پر تھے".

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَلَا رَيْبَ أَنَّهُ اقْتَتَلَ الْعَسْكَرَانِ: عَسْكَرُ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ بِصِفِّينَ، وَلَمْ يَكُنْ مُعَاوِيَةُ مِمَّنْ يَخْتَارُ الْحَرْبَ ابْتِدَاءً، بَلْ كَانَ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ حِرْصًا عَلَى أَنْ لَا يَكُونَ قِتَالٌ، وَكَانَ غَيْرُهُ أَحْرَصَ عَلَى الْقِتَالِ مِنْهُ. وَقِتَالُ صِفِّينَ لِلنَّاسِ فِيهِ أَقْوَالٌ: فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: كِلَاهُمَا كَانَ مُجْتَهِدًا مُصِيبًا، كَمَا يَقُولُ ذَلِكَ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ وَالْفِقْهِ وَالْحَدِيثِ، مِمَّنْ يَقُولُ: كُلُّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ، وَيَقُولُ: كَانَا مُجْتَهِدَيْنِ. وَهَذَا قَوْلُ كَثِيرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيَّةِ وَالْكَرَّامِيَّةِ وَالْفُقَهَاءِ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِمْ، وَتَقُولُ الْكَرَّامِيَّةُ: كِلَاهُمَا إِمَامٌ مُصِيبٌ، وَيَجُوزُ نَصْبُ إِمَامَيْنِ لِلْحَاجَةِ.

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: بَلِ الْمُصِيبُ أَحَدُهُمَا لَا بِعَيْنِهِ، وَهَذَا قَوْلُ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ .

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: عَلِيٌّ هُوَ الْمُصِيبُ وَحْدَهُ، وَمُعَاوِيَةُ مُجْتَهِدٌ مُخْطِئٌ، كَمَا يَقُولُ ذَلِكَ طَوَائِفُ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ وَالْفُقَهَاءِ أَهْلِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ.

" بلاشک صفین میں حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے لشکروں کا ٹکراؤ ہوا، لیکن جنگ اختیار کرنے والے (یعنی ابتداء کرنے والے) حضرت معاویہ (رض) نہ تھے، بلکہ آپ تمام لوگوں میں سے اس بات کے خواہاں تھے کہ جنگ نہ ہو، جبکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ یہ چاہتے تھے کہ جنگ ہو جائے. (لیکن مفتی وقاص رفیع یہ غلط بیانی کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج میں ابتدا کی تھی_ناقل).

(پھر ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ) اور صفین کی جنگ کے بارے میں لوگوں کے تین قول ہیں.

پہلا قول: ان میں سے کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ دونوں (یعنی حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) مجتہد مصیب تھے (یعنی اپنے اپنے اجتہاد میں ٹھیک تھے)، یہ قول متکلمین وفقہاء و محدثین میں سے بہت سے لوگوں کا ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہی ہوتا ہے، اور کہتے ہیں کہ (چونکہ) وہ دونوں ہی مجتہد تھے (اس لیے دونوں مصیب تھے)، یہی قول ہے اشعریہ، کرامیہ اور فقہاء میں سے بہت سوں کا اور ان کے علاوہ دوسروں کا، نیز یہی قول ہے امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب میں سے ایک جماعت کا.

دوسرا قول: کچھ یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی "مجتہد مصیب" تھے، لیکن کون تھے؟ اس کی تعیین نہیں کر سکتے، یہ بھی ان میں ہی ایک جماعت کا قول ہے.

تیسرا قول: ان میں وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) ہی مصیب تھے اور حضرت معاویہ (رض) مجتہد مخطی تھے، جیسے کہ متکلمین اور چاروں مذاہب کے فقہاء کی کئی جماعتوں کا قول ہے.
(منہاج السنۃ، صفحہ 447، جلد 4، طبع السعودیۃ)

تو ملاحظہ فرمائیں، امام ابن تیمیہ نے اس بارے میں تین اقوال ذکر فرمائے ہیں، اور تینوں ہی اہل سنت کے اقوال بتائے ہیں، لہٰذا یہ رٹ لگانا کہ اہل سنت کا صرف اس پر اجماع ہے کہ ان دونوں مجتہد صحابیوں میں سے صرف ایک مصیب تھے اور دوسرے غلط، اور مصیب یقینی طور پر حضرت علی (رض) تھے اور حضرت معاویہ (رض) یقینی طور پر غلط تھے... یہ دعوی غلط ہے.. بلکہ یہ تین اقوال میں سے صرف ایک قول ہے.

یہی امام تیمیۃ (رح) اسی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:
أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَخْبَرَ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ مَسْلَمَةَ لَا تَضُرُّهُ الْفِتْنَةُ، وَهُوَ مِمَّنِ اعْتَزَلَ فِي الْقِتَالِ فَلَمْ يُقَاتِلْ لَا مَعَ عَلِيٍّ وَلَا مَعَ مُعَاوِيَةَ، كَمَا اعْتَزَلَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، وَأَبُو بَكْرَةَ، وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، وَأَكْثَرُ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ.وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ هُنَاكَ قِتَالٌ وَاجِبٌ وَلَا مُسْتَحَبٌّ، إذْ لَوْ كَانَ كَذَلِكَ لَمْ يَكُنْ تَرْكُ ذَلِكَ مِمَّا يُمْدَحُ بِهِ الرَّجُلُ، بَلْ كَانَ مَنْ فَعَلَ الْوَاجِبَ أَوِ الْمُسْتَحَبَّ أَفْضَلَ مِمَّنْ تَرَكَهُ، وَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى أَنَّ الْقِتَالَ قِتَالُ فِتْنَةٍ.
كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيحِ عَنِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّهُ قَالَ: " «سَتَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، وَالسَّاعِي خَيْرٌ مِنَ الْمُوضِعِ» "، وَأَمْثَالُ ذَلِكَ مِنَ الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ الَّتِي تُبَيِّنُ أَنَّ تَرْكَ الْقِتَالِ كَانَ خَيْرًا مِنْ فِعْلِهِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، وَعَلَى هَذَا جُمْهُورُ أَئِمَّةِ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالسُّنَّةِ؛ وَهَذَا مَذْهَبُ مَالِكٍ، وَالثَّوْرِيِّ وَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِمْ.

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ محمد بن مسلمہ (رضی اللہ عنہ) کو فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا، پس یہ (صحابی) محمد بن مسلمہ (رض) اس لڑائی میں ایک طرف ہو رہے، نہ انہوں نے حضرت علی (رض) کی طرف سے لڑائی میں حصہ لیا اور نہ ہی حضرت معاویہ (رض) کی طرف سے، اسی طرح حضرت سعد بن بن ابی وقاص، اسامۃ بن زید، عبداللہ بن عمر، ابوبکرہ، عمران بن حصین، اور اکثر سابقون اِولون (صحابہ کرام) اس موقع پر الگ ہی رہے (یعنی دونوں میں سے کسی کا بھی ساتھ نہیں دیا).

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں جنگ نہ واجب تھی اور نہ ہی مستحب، کیونکہ اگر اس جنگ میں حصہ لینا واجب یا مستحب ہوتا تو اس کو چھوڑنے (اور الگ رہنے پر) آدمی کی تعریف نہ کی جاتی (اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جو حضرت محمد بن مسلمہ کے بارے میں گزری جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ کے اس قتالِ فتنہ سے الگ رہنے کو بطور تعریف ذکر فرمایا—ناقل) بلکہ کسی واجب یا پسندیدہ چیز کا کرنا بنسبت اس کے چھوڑنے کے افضل ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ لڑائی (یعنی جنگ صفین) قتالِ فتنہ تھی...

اسی طرح صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: عن قریب ایک فتنہ بپا ہوگا، اس دوران (اپنی جگہ پر) بیٹھا رہنے والا، کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، اور اپنی جگہ پر کھڑا رہنے والا، چلنے سے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا بھاگنے والے سے بہتر ہوگا، اور بھاگنے والا اس فتنہ میں پڑنے والے سے بہتر ہوگا.. اسی طرح کی اور بھی بہت سی صحیح احادیث ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دونوں طرف سے جنگ اور لڑائی کا ترک کرنا ہی افضل تھا، یہی جمہور محدثین اور اہل سنت کا کہنا ہے، اور یہی امام مالک، امام ثوری اور امام احمد وغیرہا کا مذہب ہے.

(منہاج السنۃ، صفحہ 541 — 542، جلد 1، طبع سعودیہ)

نوٹ: اس عبارت میں حافظ ابن تیمیہ (رح) صراحت کے ساتھ ان حضرات صحابہ کرام کے موقف کو ترجیح دے رہے ہیں جو ان باہمی جنگوں اور قتال فتنہ سے الگ رہے اور کسی کا بھی ساتھ نہیں دیا... اور یہ ترجیح

بہت سی صحیح احادیث کی بنیاد پر دے رہے ہیں، نیز انہوں نے ان بعض جلیل القدر صحابہ کرام کے نام بھی لکھے ہیں جو غیر جانبدار رہے۔

پھر ایک جگہ چند اقوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَيُقَالُ: حَادِي عَشَرَ قَوْلُكُمْ: " بَايَعَهُ الْكُلُّ بَعْدَ عُثْمَانَ ".
مِنْ أَظْهَرِ الْكَذِبِ، فَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ: إِمَّا النِّصْفُ، وَإِمَّا أَقَلُّ أَوْ أَكْثَرُ لَمْ يُبَايِعُوهُ، وَلَمْ يُبَايِعْهُ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَلَا ابْنُ عُمَرَ وَلَا غَيْرُهُمَا.

"اور جو گیارہویں بات یہ کہی جاتی ہے کہ: حضرت عثمان (رض) کے بعد سب نے ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی بیعت کرلی تھی.. تو یہ بات صاف جھوٹ ہے، کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے، آدھوں نے یا اس سے ذرا کم یا اس سے زیادہ نے (یعنی تقریباً آدھوں نے) ان کی بیعت نہیں کی تھی، سعد بن ابی وقاص نے نہیں کی تھی، ابن عمر نے نہیں کی تھی۔

(منہاج السنۃ، صفحہ 515 – 516 جلد 4، طبع سعودیہ)

نوٹ: امام ابن تیمیہ (رح) سے بڑا قاطع رافضیت شاید ہی کوئی ہوا ہے، اور وہ فرمارہے ہیں کہ اس وقت موجود مسلمانوں کی آدھی کے قریب تعداد نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کی تھی، اور پہلے انہی کی بات گزری کہ سابقون اولون میں اکثر لوگوں نے ان کی بیعت نہیں کی تھی۔

ایک اور جگہ یہی امام ابن تیمیہ (رح) لکھتے ہیں:

فَإِنَّ ثُلُثَ الْأُمَّةِ - أَوْ أَقَلَّ أَوْ أَكْثَرَ - لَمْ يُبَايِعُوا عَلِيًّا، بَلْ قَاتَلُوهُ وَالثُّلُثَ الْآخَرَ لَمْ يُقَاتِلُوا مَعَهُ وَفِيهِمْ مَنْ لَمْ يُبَايِعْهُ أَيْضًا؛ وَالَّذِينَ لَمْ يُبَايِعُوهُ مِنْهُمْ مَنْ قَاتَلَهُمْ، وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُقَاتِلْهُمْ...

بے شک امت کے ایک تہائی کے قریب لوگوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کی تھی، بلکہ ان کے ساتھ جنگ بھی کی، اور دوسرے ایک تہائی نے ان کے ساتھ جنگ تو نہ کی لیکن ان میں بھی ایسے تھے جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی تھی، اور پھر جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی تھی ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے

جنہوں نے ان کے ساتھ قتال کیا اور ایسے بھی تھے جنہوں نے نہیں کیا. (منہاج السنۃ، صفحہ 338، جلد 8، طبع سعودیہ)

اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کا حوالہ تو میں پہلے بھی نقل کر چکا ہوں جس میں انہوں نے لکھا کہ:

"اے برادر! اس معاملہ میں (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے میں) امیر معاویہ (رض) تنہا نہیں ہیں، بلکہ صحابہ کرام کی کم و بیش نصف جماعت اس معاملہ میں حضرت معاویہ (رض) کہ شریک ہیں.

(مکتوبات امام ربانی، اردو، دفتر اول، مکتوب نمبر: 251، طبع ادارہ مجددیہ کراچی)

مفتی وقاص رفیع کے متقدا حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے بھی ابن حزم (رح) کی یہ عبارت نقل کی ہے اور اس کا اردو ترجمہ یوں کیا ہے کہ: "صحابہ کرام کی ایک جماعت اور تابعین کے بہتر حضرات اور ان کے بعد کے بعض گروہ اس طرف گئے ہیں کہ اصحاب جمل اور اصحاب صفین میں سے جو حضرت علی (رض) سے لڑنے والے ہیں وہ صواب پر ہیں (یعنی ان کا اجتہاد صحیح ہے" (دیکھیں خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 279 – 280 طبع اول).

لہٰذا مفتی وقاص رفیع کا یہ فتویٰ کہ جو حضرت معاویہ (رض) کو بھی "مصیب" سمجھے وہ اہل سنت سے خارج ہے، نری ضد اور جہالت پر مبنی ہے.

الغرض! بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ جو مفتی محمد وقاص رفیع اور کچھ دوسرے حضرات یہ آوازہ کستے ہیں کہ "اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں مجتہد تھے، لیکن ان میں سے حضرت علی یقینا قطعی طور پر مجتہد مصیب تھے اور حضرت معاویہ قطعی طور پر مجتہد مخطی اور باغی تھے، اور اس پر اہل سنت کا اجماع ہے" یہ دعوی درست نہیں... اہل سنت کے اس بارے میں تین اقوال ہیں جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے... اور اس زمانے میں سب سے بہتر موقف انہی صحابہ کرام کا تھا جو غیر جانبدار رہے اور انہوں نے دونوں میں سے کسی کا بھی ساتھ نہیں دیا، اور بقول ابن حزم جمہور صحابہ اور جمہور اہل سنت کا

یہی مسلک تھا. لہٰذا اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ میرے نزدیک حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں ہی اپنی اپنی جگہ "مجتہد مصیب" ہی تھے، میں کسی کو بھی غلط نہیں کہتا تو اسے اہل سنت سے خارج کرنے کا فتویٰ اگر مفتی محمد وقاص رفیع دیں گے تو ہم امام ابن تیمیہ کے فتوے کے سامنے اسے لپیٹ کر واپس ایسے مفتیان کے منہ پر مار دیں گے، اگر آپ واقعی اکابرین امت کا پاس رکھتے ہیں تو علامہ ابن حزم، علامہ ابن تیمیہ کی بات اور مجدد صاحب کی بات کو بھی مانیں...

نیز جن آیات یا احادیث کا حوالہ دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے والوں کو "باغی و طاغی" ثابت کیا جاتا ہے، کیا وہ نصوص ان کبار صحابہ کرام کے سامنے نہ تھیں جن میں بقول ابن تیمیہ "سابقون اولون" کی اکثریت بھی تھی؟؟ کیا انھیں نہیں معلوم تھا کہ ہم بیعت نہ کرکے "باغی" بن رہے ہیں؟؟ کیا بعد کے شارحین حدیث کو جو بات سمجھ آئی وہ ان صحابہ کرام کی اکثریت کو سمجھ نہ آسکی؟؟

اکابر کے نادان وکیل : (قسط : 8)

مفتی محمد وقاص رفیع (جو اپنے آپ کو فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لکھتے ہیں) نے نویں نمبر پر اپنی کتاب کے صفحہ 418 سے مشہور حنفی عالم و محدث جناب ملا علی قاری رحمہ اللہ کی کتب میں موجود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں چند قابل اعتراض عبارات کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے، آیئے اس قسط میں ان عبارات، اور ان پر مفتی وقاص رفیع کے جواب کا جائزہ لیتے ہیں .

سب سے پہلے ملا علی قاری (رح) کی کتب میں موجود وہ عبارات پڑھیں :

وَقَالَ ابْنُ الْمَلَكِ: اعْلَمْ أَنَّ عَمَّارًا قَتَلَهُ مُعَاوِيَةُ وَفِئَتُه، فَكَانُوا طَاغِينَ بَاغِينَ، بِهَذَا الْحَدِيثِ، لِأَنَّ عَمَّارًا كَانَ فِي عَسْكَرِ عَلِيٍّ، وَهُوَ الْمُسْتَحِقُّ لِلْإِمَامَةِ، فَامْتَنَعُوا عَنْ بَيْعَتِهِ .

ابن الملک نے کہا ہے کہ : جان لو کہ (حضرت) عمار کو (حضرت) معاویہ اور ان کے گروہ نے قتل کیا تھا، پس وہ اس حدیث کی رو سے سرکش اور باغی ہوئے، کیونکہ (حضرت) عمار، (حضرت) علی کے لشکر میں تھے، اور (اس وقت) حضرت علی ہی امامت (یعنی خلافت) کے مستحق تھے اور وہ لوگ ان کی بیعت سے الگ رہے.

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد 11، صفحہ 17، دار الکتب العلمیہ بیروت)

پھر اس سے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں :

قُلْتُ: فَإِذَا كَانَ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَرْجِعَ عَنْ بَغْيِهِ بِإِطَاعَتِهِ الْخَلِيفَةَ، وَيَتْرُكَ الْمُخَالَفَةَ وَطَلَبَ الْخِلَافَةِ الْمُنِيفَةِ، فَتَبَيَّنَ بِهَذَا أَنَّهُ كَانَ فِي الْبَاطِنِ بَاغِيًا، وَفِي الظَّاهِرِ مُتَسَتِّرًا بِدَمِ عُثْمَانَ مُرَاعِيًا مُرَائِيًا، فَجَاءَ هَذَا الْحَدِيثُ عَلَيْهِ نَاعِيًا، وَعَنْ

عَمَلِهِ نَاهِيًا، لَكِنْ كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا، فَصَارَ عِنْدَهُ كُلٌّ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ مَهْجُورًا، فَرَحِمَ اللَّهُ مَنْ أَنْصَفَ وَلَمْ يَتَعَصَّبْ وَلَمْ يَتَعَسَّفْ، وَتَوَلَّى الِاقْتِصَادَ فِي الِاعْتِقَادِ، لِئَلَّا يَقَعَ فِي جَانِبَيْ سَبِيلِ الرَّشَادِ مِنَ الرَّفْضِ وَالنَّصْبِ بِأَنْ يُحِبَّ جَمِيعَ الْآلِ وَالصَّحْبِ

میں (یعنی ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ: جب ان (معاویہ) پر واجب تھا کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کرکے اپنی بغاوت سے رجوع کرتے، اور (خلیفہ) کی مخالفت اور خلافت کی طلب و خواہش ترک کردیتے، (مگر انہوں نے ایسا نہ کیا) تو اس سے ظاہر ہوا کہ وہ باطنی طور پر (یعنی حقیقت میں) باغی تھے اور ظاہری طور پر انہوں نے دکھلانے کے لیے اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے قصاص عثمان کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا، پس یہ حدیث ان کے عیب کا اعلان کرنے اور ان کے اس عمل کو روکنے کے لیے آگئی، لیکن یہ سب کچھ کتاب تقدیر میں لکھا جا چکا تھا، پس (حضرت) معاویہ کے نزدیک قرآن وحدیث دونوں ہی مہجور و متروک ہوگئے، سو اللہ رحم کرے اس شخص پر جس نے تعصب نہ کیا اور نہ ہی ظلم کیا اور اعتقاد میں میانہ روی اختیار کی، تاکہ سیدھی راہ سے ہٹ کر رافضیت اور ناصبیت میں نہ جا پڑے اور تمام آل واصحاب سے محبت رکھے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد 11، صفحہ 18، دار الکتب العلمیہ بیروت)

قارئین محترم! ملا علی قاری (رح) کی کتاب کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں نکلتی ہیں:

- حضرت عمار (رض) کو حضرت معاویہ (رض) اور ان کے گروہ نے قتل کیا۔
- اور کیونکہ وہ حضرت علی (رض) کی بیعت سے بھی الگ رہے، یوں وہ "طاغی" یعنی سرکش اور باغی ہوئے۔
- حضرت معاویہ (رض) کو چاہئے تھا کہ وہ اپنی بغاوت سے رجوع کرتے۔
- ان پر لازم تھا کہ وہ خلیفہ (یعنی حضرت علی) کی اطاعت کرتے اور آپ کی مخالفت ترک کرتے۔
- ان کو چاہیے تھا کہ وہ خلافت کی ناجائز طلب اور خواہش چھوڑ دیتے۔
- معاویہ باطن (حقیقت) میں باغی تھے۔

- انہوں نے صرف دکھلاوے کے لیے اور ریاکاری کے طور پر حضرت عثمان کے خون (قصاص) کی آڑ لے رکھی تھی .
- معاویہ نے قرآن وحدیث کو مہجور کر دیا (ترک کر دیا) (یعنی انہوں نے قرآن وحدیث کی مخالفت کی) .
- یہ باتیں انصاف اور اعتدال پر مبنی ہیں (کہ حضرت معاویہ کو ان امور کا مرتکب سمجھا جائے).

قارئین محترم! جو حضرات عربی زبان کی تھوڑی سی شد بد رکھتے ہیں، ان کے سامنے اصل عربی الفاظ بھی ہیں، ان کا وہی مفہوم نکلتا ہے جو اردو میں بیان کیا گیا... میرے اردو ترجمے میں غلطی کا امکان ہے، لیکن جو مفہوم عربی عبارت کا ہے وہی ہے جو بیان ہوا..

اب انہی ملا علی قاری صاحب کی ایک دوسری کتاب کی ایک عبارت بھی ملاحظہ فرمالیں پھر آگے چلتے ہیں، آپ لکھتے ہیں :

"ثم كان معاوية مخطئاً ، الا أنه فعل ما فعل عن تأويل فلم يصر به فاسقاً. فاختلف أهل السنة والجماعة في تسميته باغياً، فمنهم من امتنع من ذلك والصحيح قول من أطلق لقوله عليه السلام لعمار تقتلك الفئة الباغية .

وكان علي رضي الله عنه مصيباً في التحكيم ، وزعمت الخوارج أنه كان مخطئاً فيه وقد كفر ، اذ الواجب في أهل البغي المحاربة لقوله سبحانه وتعالى ..فان بغت احداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء الى أمر الله.. ولكنا نقول المقصود إرادة دفع الشر وتأليف القلوب وهذا فيما فعل علي"

پھر حضرت معاویہ مخطی تھے، مگر انہوں نے جو کچھ کیا تاویل کے ساتھ کیا، پس وہ اس فعل سے فاسق نہیں ہوئے، اور اہل سنت والجماعت نے انہیں باغی کا نام دینے میں اختلاف کیا ہے، پس بعض نے اس سے منع کیا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ (حضرت معاویہ پر) باغی کا اطلاق درست ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کو فرمایا تھا کہ : تجھے باغی گروہ قتل کرے گا، اور حضرت علی (رض) تحکیم میں بھی مصیب اور

درست تھے، خوارج کا خیال ہے کہ (تحکیم قبول کرکے) انہوں نے غلطی کی اور کفر کیا، کیونکہ باغیوں کے ساتھ جنگ واجب ہے، اللہ کا فرمان ہے "اگر دونوں گروہوں میں ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو اس کے ساتھ قتال کرو اس کے ساتھ جس نے بغاوت کی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے" (اور حضرت علی نے بجائے قتال کے تحکیم قبول کی_ناقل)، لیکن ہم (اس کے جواب میں_ناقل) کہتے ہیں کہ مقصود دفعِ شر اور تالیف قلوب ہے اور یہی حضرت علی نے کیا (اسی وجہ سے تحکیم قبول کی_ناقل) .

(مِنح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر، صفحہ 200، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت)

ملا علی قاری (رح) کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں :

- حضرت معاویہ (رض) مخطی تھے .
- اس فعل کی وجہ سے وہ فاسق نہیں ہوئے .
- اہل سنت میں اس بات پر اختلاف ہے کہ حضرت معاویہ (رض) پر "باغی" کے لفظ کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں، بعض نے اس سے منع کیا ہے .
- ملا علی قاری کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ ان پر "باغی" کا اطلاق درست ہے، اور جو باغی کا اطلاق نہیں کرتے وہ غلط ہیں .
- ان پر "باغی" کا اطلاق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار (رض) سے فرمایا تھا کہ "تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا" (اور انھیں حضرت معاویہ اور ان کے گروہ نے قتل کیا لہٰذا وہ باغی ہیں) اب سوال ہوتا تھا کہ اگر وہ واقعی باغی تھے تو قرآن کا حکم تو یہ ہے کہ باغیوں سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف نہ لوٹ آئیں، تو پھر حضرت علی (رض) نے (قتل عمار کے بعد) ان کے ساتھ جنگ کے بجائے تحکیم پر کیوں رضامندی قبول کی؟ جس کی وجہ سے خارجیوں نے حضرت علی (رض) کو غلط کہا؟ تو اس کا جواب ملا علی قاری نے یہ دیا ہے کہ "حضرت علی نے یہ کام شر کو دور کرنے اور تالیف قلب کے لئے کیا تھا. "

قارئین محترم! یہ ہیں ملا علی قاری (رح) کی کتب سے چند عبارات، اگر تو ملا علی قاری صرف اس حد تک رہتے کہ "حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں مجتہد تھے، اور میرے نزدیک حضرت علی کا اجتہاد درست اور حضرت معاویہ کا غلط تھا، یوں حضرت معاویہ مجتہد مخطی تھے" تو عبارت اتنی سخت نہ ہوتی، کہ بہت سے دوسرے علماء نے بھی اسے "اجتہادی خطا" لکھا ہے، (اگرچہ یہ الگ بحث ہے کہ کیا کسی مجتہد کے صواب اور خطاء کا قطعی فیصلہ اس دنیا میں ہو سکتا ہے یا نہیں)، لیکن ملا علی قاری نے اس سے تجاوز کیا ہے .

- انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کو ایسا باغی کہا ہے جس کے ساتھ جنگ کرنا حکم قرآنی ہے .
- انہوں نے انھیں "مجتہد مخطی" کے بجائے صرف "مخطی" لکھا ہے .
- انہوں نے ان اہل سنت کو غلط کہا ہے جو حضرت معاویہ کو باغی نہیں کہتے .
- ملا علی قاری نے کہا ہے کہ حضرت معاویہ پر حضرت علی کی اطاعت واجب تھی .
- انہوں نے حضرت معاویہ پر الزام لگایا ہے کہ "وہ خلافت کی طلب رکھتے تھے اس لئے حضرت علی سے جنگ کی ."
- انہوں نے حضرت معاویہ پر الزام لگایا ہے کہ "وہ حقیقت میں اندر سے باغی تھے، لیکن باہر باہر سے دکھلاوے کے لیے حضرت عثمان کے خون کے قصاص کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا" .
- انہوں نے حضرت معاویہ پر "قرآن وسنت کو ترک کرنے اور مہجور کرنے" کا الزام بھی لگایا.

ہمارے خیال میں یہ باتیں اگر واقعی ملا علی قاری نے ہی لکھی ہیں اور ان کی کتب میں بعد میں نہیں ڈالی گئیں تو، یہ ملا علی قاری کا اپنی حیثیت اور مرتبہ سے تجاوز ہے، ہم ان سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ حضرت! آپ یہ تو بتائیں کہ قرآن کی کس آیت کی خلاف ورزی ہوئی؟ کیا حضرت عثمان (رض) کا قصاص طلب کرنا یہ قرآن کی خلاف ورزی تھا؟ یا اگر حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہنا یہ قرآن کی خلاف ورزی تھی تو یہ "خلاف ورزی" صرف حضرت معاویہ (رض) نے ہی کی؟ آپ ذرا آگے ہمت کرتے اور لکھتے کہ اس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت جن میں غیر جانبدار رہنے والے بھی ہیں اور حضرات ام المؤمنین عائشہ، طلحہ

وزبیر بھی ہیں اور وہ تمام صحابہ جنہوں نے بیعت نہیں کی تھی، ان سب نے یہ قرآن کی خلاف ورزی کی.. آپ کا یہ تجاوز صرف حضرت معاویہ (رض) تک نہیں رہتا بلکہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت تک بھی جاتا ہے، پھر آپ یہ بھی بتادیتے کہ کس آیت میں انھیں یہ حکم تھا کہ "حضرت علی کی بیعت کرو"؟؟ لہٰذا ملا علی قاری کو ایک غیر صحابی ہوتے ہوے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایک ایسے صحابی پر "قرآن وسنت مہجور کرنے" کا الزام لگائیں جن کے بارے میں وہ خود اپنی اسی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ :

"وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ ; فَهُوَ مِنَ الْعُدُولِ الْفُضَلَاءِ، وَالصَّحَابَةِ الْأَخْيَارِ، وَالْحُرُوبُ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَهُمْ كَانَتْ لِكُلِّ طَائِفَةٍ شُبْهَةٌ اعْتَقَدَتْ تَصْوِيبَ أَنْفُسِهَا بِسَبَبِهَا، وَكُلُّهُمْ مُتَأَوِّلُونَ فِي حُرُوبِهَا، وَلَمْ يَخْرُجْ بِذَلِكَ أَحَدٌ مِنْهُمْ مِنَ الْعَدَالَةِ ; لِأَنَّهُمْ مُجْتَهِدُونَ اخْتَلَفُوا فِي مَسَائِلَ، كَمَا اخْتَلَفَ الْمُجْتَهِدُونَ بَعْدَهُمْ فِي مَسَائِلَ، وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذَلِكَ نَقْصُ أَحَدٍ مِنْهُمْ "

حضرت معاویہ عادل و فاضل اور بہترین صحابہ میں سے ہیں، اور جو جنگیں ان (صحابہ) کے درمیان ہوئیں، ان میں ہر فریق کو شبہ تھا کہ وہ درست ہیں، اور ہر ایک کی اس جنگ کے بارے میں اپنی تاویل تھی، اور اس وجہ سے ان میں سے کوئی بھی عدالت وانصاف سے باہر نہیں نکلا، کیونکہ وہ ایسے مجتہد تھے جنہوں نے چند مسائل میں اختلاف کیا بالکل اسی طرح جیسے ان کے بعد آنے والے مجتہدین میں اختلاف ہوا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے کسی کی تنقیص کی جائے .

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد 11، صفحہ 151، دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز اسی صفحے پر پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ:

وَالصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُولٌ مُطْلَقًا لِظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَإِجْمَاعِ مَنْ يُعْتَدُّ بِهِ

کتاب وسنت کی ظاہری نصوص کی رو سے اور اجماع کی رو سے تمام صحابہ مطلقاً عادل ہیں

لہٰذا اگر وہ حضرت معاویہ (رض) کو بھی "عادل صحابہ" میں شمار کرتے ہیں، اور انھیں "فضلاء اور اخیار" صحابہ میں گنتے ہیں، نیز انھیں دوسرے مجتہدین کی طرح ہی سمجھتے ہیں تو پھر انھیں "قرآن وسنت ترک کرنے والا"

اور "خلافت کے لیے لڑنے والا" اور باطن میں کچھ، ظاہر سے کچھ رکھنے والا قرار دینا حد سے تجاوز نہیں تو کیا ہے؟ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ملا علی قاری کی "تنقید" نہیں تو کیا ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کا اختلاف "خلافت" پر ہر گز نہیں تھا، کہ ملا علی قاری حضرت معاویہ کو "خلافت کی طلب ترک کرنے" کا مشورہ دے رہے ہیں.. نیز ملا علی قاری کو کوئی حق نہیں کہ وہ حضرت معاویہ (رض) کے باطن میں جھانکیں... اور نہ ہی یہ ان کا منصب ہے .

پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ یہی ملا علی قاری اپنی ایک کتاب میں یہ نصیحت بھی کرتے پائے جاتے ہیں کہ :

ولا نذكر الصحابة الا بخير

ہم تمام صحابہ کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کرتے ہیں

نیز اسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ:

"جو کچھ ان کے درمیان ہوا وہ ضد اور عناد کی وجہ سے نہ تھا

پھر یہ بھی لکھا کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے (یعنی جب ان کے درمیان ہونے والے اختلافات کا ذکر کیا جائے) تو رک جاؤ .

پھر اسی صفحے پر ملا علی قاری نے وہ حدیث بھی لکھی ہے کہ.

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے.

(دیکھیں: شرح الفقہ الاکبر (الروض الازہر) صفحہ 209، طبع دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت)

اب ہم ملا علی قاری کی کس بات کو درست سمجھیں؟ اس بات کو کہ حضرت معاویہ (رض) نے خلافت کی طلب اور خواہش میں جنگ کی، قرآن وسنت کو ترک کیا، وہ اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ تھے؟

یا اس بات پر کہ وہ ایک جلیل القدر اور بہترین صحابہ میں سے تھے، ان کا اختلاف ایسے ہی اجتہادی تھا جیسے دوسرے مجتہدین کا؟

جب صحابہ کے اختلاف کا ذکر کیا جائے تو رک جاؤ... اور تمام صحابہ عادل ہیں... وغیرہ؟؟

یا اس بات کو تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے؟.

ہم ملا علی قاری کی حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں تنقیصی عبارات کو ان کا تسامح اور ان کے بقول خود بہترین اور نجیب صحابی پر تنقید ہی سمجھتے ہیں... اللہ انھیں معاف فرمائے.. اور عین ممکن ہے کہ یہ تنقیصی عبارات ان کی کتب میں کسی نے بعد میں ڈال دی ہیں کیونکہ ان کی یہ عبارات انہی کی دوسری صحابہ کرام کے مشاجرات میں سکوت اختیار کرنے والی عبارات کے ساتھ متعارض ہیں.

لیکن ملا علی قاری کے نادان وکیل، فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ مفتی وقاص رفیع نے اس پر نہایت بے شرمی کے ساتھ جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں، مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں :

"اس میں شک ہی نہیں کہ حضرت معاویہ (رض) کو چاہئے تھا کہ وہ خلیفہ برحق یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور ناجائز خلافت کی طلب ترک کرکے بغاوت سے رجوع کرتے اور خلیفہ کی اطاعت کرتے، لیکن چوں کہ انہوں نے یہ سب کچھ نہیں کیا اس لیے فقہی اعتبار سے وہ باغی کہلائے"

(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 424)

قارئین محترم! حیرت ہے ایک ایسا آدمی جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت معاویہ (رض) کا مطالبہ "ناجائز خلافت" کے حصول کا نہیں تھا بلکہ "قصاص عثمان" کا تھا، وہ اپنے نام کے ساتھ بڑے دھڑلے سے "مفتی" لکھ رہا ہے اور بار بار "اہل سنت کا اجماع" اور "جمہور اہل سنت" کے الفاظ لکھتا ہے، کیا یہ مفتی موصوف بتا سکتے ہیں کہ واقعی "جمہور اہل سنت" کا یہی مسلک ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ جنگیں "طلب خلافت" کے لئے ہوئی تھیں؟؟؟ کہیں مفتی وقاص رفیع یہ بات لکھ کر رافضیوں اور رافضیت نوازوں کی خدمت تو نہیں کر رہے؟

مفتی موصوف کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام کی ایک بڑی اکثریت پر ملا علی قاری کو بچانے کے لیے "ناجائز خلافت کی طلب" کا الزام لگا رہے ہیں اور پھر کہتے بھی اپنے آپ کو "اہل سنت" اور "محب صحابہ" ہیں.. اگر یہ سنیت اور صحابہ کی محبت ہے تو پھر رافضیت اور سبائیت کس چیز کا نام ہے؟

پھر ان مفتی صاحب نے "بغاوت" کی عجیب تقسیم بھی کی ہے.. لکھتے ہیں "فقہی بغاوت"... ارے جناب! بغاوت کی تعریف تو فقہ ہی میں ہے، قرآن کریم یا حدیث میں تو بغاوت کی تعریف نہیں کی گئی، لہٰذا آپ "فقہی" اور "غیر فقہی" بغاوت کے فلسفے کیوں چھانٹ رہے ہیں؟؟ یہ فرمائیں کہ اگر حضرت معاویہ (رض) فقہی احکام کے اعتبار سے باغی کہلائے تو ہمیں یہ بھی بتا دیں کہ فقہی باغی کے احکام کیا ہیں؟ اور کیا صرف حضرت معاویہ (رض) ہی "فقہی باغی" ہووے ہیں یا جس جس پر آپ کی "فقہی بغاوت" کی تعریف لاگو ہوتی جائے گی وہ بھی "باغی" بنتا جائے گا؟؟؟ ذرا سوچ سمجھ کر جواب درکار ہے... یاد رکھیں.. "فقہ" کا دارو مدار "اصول فقہ" پر ہے... اور اصول افراد کو دیکھ کر لاگو نہیں ہوتے بلکہ اصول تو اصول ہوتے ہیں.. آپ "فقہی بغاوت" کی تعریف کریں اور پھر ہمیں موقع دیں کہ ہم آپ کو بتائیں کہ یہ تعریف صرف حضرت معاویہ (رض) پر ہی صادق آتی ہے یا اور لوگ بھی اس میں آتے ہیں؟؟

نیز اگر آپ کے نزدیک ایسے حاکم کی بیعت سے دور رہنا ہی بغاوت ہے جس پر مسلمانوں کی اکثریت متفق ہو چکی ہو تو بھی فرمائیں کیا یہ اصول صرف حضرت معاویہ (رض) پر ہی لاگو ہوگا؟؟ جبکہ حضرت علی (رض) کی تو اکثر صحابہ کرام کی بیعت بھی ثابت نہیں ہو سکتی... یا یہ اصول ہر جگہ لگے گا؟. (اچھی طرح دائیں بائیں دیکھ کر جواب دیں).

پھر مفتی موصوف نے ملا علی قاری کی عبارت کی ایک مضحکہ خیز تاویل بھی کی ہے جس میں اپنی ہی بات کو رد بھی کیا ہے.. لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عمار کی شہادت سے پہلے حضرت معاویہ جو حضرت علی کے ساتھ قصاص دم عثمان کی بناء پر لڑائی کر رہے تھے تو اس وقت تک بہت سے لوگوں کو کسی کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ ان دونوں میں سے کون حق پر ہے اور کون غلطی پر؟ لیکن جب حضرت عمار، حضرت معاویہ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہو گئے

تو یہ بات خوب اچھی طرح کھل کر سامنے آ گئی کہ حضرت معاویہ جو بظاہر ایک معقول تاویل کے سائے میں حضرت علی سے لڑائی کر رہے تھے باطن (حقیقت) میں وہی باغی ہیں اور غلطی پر ہیں " (دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 425)

قارئین محترم! توجہ فرمائیں، پہلے یہی مفتی موصوف یہ لکھ آئے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) کی یہ لڑائی "ناحق خلافت" کی طلب کے لیے تھی، اب یہ لکھ رہے کہ "وہ قصاص دم عثمان کی بناء پر لڑائی کر رہے تھے" ... کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ "جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا ... "

پھر لکھتے ہیں کہ "حضرت عمار (رض) کی شہادت سے پہلے بہت سے لوگوں کو (مراد وہ صحابہ ہیں جو غیر جانبدار رہے اور جنہوں نے حضرت علی رض کی بیعت نہیں کی تھی) یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ کون حق پر ہے؟؟

عرض ہے کہ، اگر آپ کے بقول حضرت علی (رض) کی بیعت تمام اہل حل وعقد نے کر لی تھی، اور یوں وہ خلیفہ برحق بن چکے تھے تو پھر ان لوگوں کو کیوں معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ کون حق پر ہے؟؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ اہل حل وعقد نے کسے خلیفہ بنایا ہے؟؟ پھر یہ فرمائیں کہ کیا حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد ان سب صحابہ کرام نے جو پہلے بیعت سے دور رہے تھے اور جنہوں نے حضرت علی (رض) کا ساتھ نہیں دیا تھا وہ سب کے سب حق کو جان کر حضرت علی (رض) کی بیعت میں آ گئے تھے؟؟؟ اگر آ گئے تھے تو ثبوت درکار ہے .. اور اگر نہیں آئے تھے تو فرمائیں کہ جلیل القدر صحابہ کرام نے شہادت حضرت عمار (رض) کے بعد بقول آپ کے حق واضح ہونے کے بعد بھی حق کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ اور حضرت علی (رض) کی بیعت کیوں نہ کی؟؟.

نوٹ: یہاں مفتی وقاص رفیع اور ان کا ہم نوا گروہ یہ فلسفہ بکھیرتا ہے کہ چونکہ اس وقت تمام صحابہ کرام صفین میں موجود نہیں تھے، کوئی کہاں تھا اور کوئی کہاں، اور اس وقت خبروں تک رسائی کے ایسے ذرائع نہ تھے کہ کئی سو میل دور ہونے والے واقعے کی خبر لمحوں میں مل جائے اس لیے ان تمام غیر جانبدار صحابہ کا حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انھیں

حضرت عمار (رض) کی شہادت کا علم ہو گیا تھا اور انھیں یقینی طور پر پتہ چل گیا تھا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون.

تو عرض ہے کہ چلیں، جنگ صفین ہوئی ماہ صفر 37 ہجری میں، اس کے بعد حضرت علی (رض) تقریباً ساڑھے تین سال زندہ رہے، آپ کی شہادت رمضان 40 ہجری میں ہوئی، کیا ان دور دراز رہنے والے صحابہ کرام کو اس سارے عرصے میں بھی یہ علم نہ ہوا کہ حضرت عمار (رض) کی شہادت حضرت معاویہ (رض) اور ان کے لشکر کے ہاتھوں ہوئی ہے اور یوں حضرت علی (رض) کا حق پر ہونا یقینی ہو گیا ہے لہٰذا ہمیں اب ان کی بیعت کر لینی چاہیے؟؟ ذرا یہ فرمائیں کہ اس ساڑھے تین سالہ عرصے میں غیر جانبدار صحابہ کرام میں سے کس کس نے حضرت علی (رض) کی بیعت کر لی تھی؟؟ یاد رہے، اکا دکا واقعات بیان کر کے مسئلہ حل نہیں ہوگا، کیونکہ بقول محمد بن سیرین، اس وقت تقریباً دس ہزار صحابہ تھے، جن میں تیس چالیس سے زیادہ کا کسی بھی طرف سے جنگ میں حصہ لینا ثابت نہیں... یوں تقریباً 99 فیصد صحابہ غیر جانبدار تھے.

آگے مفتی وقاص رفیع نے تمام حدود سے تجاوز کرتے ہوے لکھا ہے :

" باقی اس بات میں کیا شک ہے کہ حدیث عمار، معاویہ کے باغی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر ہی ہے (کیا اس حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمار کو قتل حضرت معاویہ نے کیا تھا؟، اس پر تو ہم بعد میں بات کریں گے_ناقل) پس اگر اس معاملہ میں غلطی سے کسی طرح قرآن وحدیث دونوں ہی (کیا حدیث قتل عمار قرآن ہے؟_ناقل) حضرت معاویہ سے مہجور ہو گئے تو اس میں حیرانگی والی کون سی بات ہے؟ اس لیے کہ حضرت معاویہ معصوم تو نہیں تھے کہ ان سے غلطی کا صدور ہی ممکن نہ ہوتا جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے غلطی کا صدور ممکن نہیں ہوتا، بلکہ وہ صحابی تھے اور صحابی سے بعض مرتبہ کسی ایسی غلطی کا صدور ہونا عین ممکن ہے کی جس کی قرآن وحدیث میں بالکل اجازت نہ ہو".. (صفحہ 425 – 426)

میرا مفتی موصوف سے سوال ہے کہ اگر آپ واقعی مفتی ہیں تو فرمائیں کہ "قرآن وحدیث کو ترک کرنے والا گناہگار ہوتا ہے یا مجتہد مخطی"؟؟؟ پھر یہ فرمائیں کہ اگر بقول آپ کے حضرت معاویہ (رض) سے غلطی سے قرآن وحدیث مہجور ہو گیا تھا تو انہوں نے اس سے توبہ کی یا نہیں؟ آپ یہ راگ الاپتے ہیں کہ جمہور اہل سنت

حضرت معاویہ (رض) کو "مجتہد مخطی" کہتے ہیں، اور مجتہد مخطی بھی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے.. تو یہ "قرآن وحدیث کو مہجور کرنا خطائے اجتہادی کی کونسی قسم ہے"؟؟؟؟آپ کے دل کے اندر جو ہے اسے باہر نکالیں.. نیز کیا حضرت معاویہ (رض) نے قصاص دم عثمان (رض) کا مطالبہ کرکے قرآن کو مہجور کیا تھا؟؟ یا بیعت نہ کرکے؟ وضاحت کریں.. نیز یہ فرمائیں کہ کیاآپ کی یہ بات کہ کسی بھی صحابی سے غلطی ہو سکتی ہے کیونکہ صحابی معصوم نہیں، یہ حضرت علی (رض) کو بھی شامل ہے یا وہ اس سے مستثنی ہیں؟؟اگر وہ بھی اس میں شامل ہیں تو فرمائیں کہ آپ کی طرح اگر کوئی آپ کا فریق مخالف یہ کہے کہ "میرے نزدیک حضرت علی (رض) نے باغی کے ساتھ قتال کے بجائے تحکیم قبول کرکے قرآن کو مہجور کیا" (جیساکہ خوارج کہتے تھے) تو آپ اس کا جواب کیا دیں گے؟؟؟ چلیں آپ جو بھی جواب دیں، وہ آگے سے کہے کہ "حضرت علی (رض) معصوم تو نہیں کہ ان سے غلطی سے قرآن کی خلاف ورزی نہ ہوسکے" تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟؟؟ ملا علی قاری تو اس کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکے، صرف یہ کہہ کر بات ختم کردی ہے کہ حضرت علی (رض) نے بجائے قتال کے تحکیم قبول کرکے ردشر اور تالیف قلب کیا ہے ...

پھر مفتی وقاص رفیع یاملا علی قاری.. قرآن کی وہ آیات کیوں نہیں پیش کرتے جن کی خلاف ورزی کاالزام وہ حضرت معاویہ (رض) پر لگاتے ہیں؟ وہ احادیث کیوں نہیں پیش کرتے جن کو ترک کرنے کاالزام وہ ان کو دیتے ہیں؟؟ رہی بات "حدیث قتل عمار" کی جس کی بنیاد پر یہ سارے الزام دہرائے جارہے ہیں تو اس پر مفصل بات ہم آگے کریں گے اور بتائیں گے کیا واقعی حضرت عمار (رض) کی شہادت حضرت معاویہ (رض) کے لشکر کے ہاتھوں ہوئی تھی؟؟ .

مفتی وقاص رفیع انتہائی ڈھٹائی سے لکھتے ہیں کہ:

"ملا علی قاری کا یہ لکھنا کہ انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہ کو مذکورہ بالا امور مرتکب سمجھا جائے" اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام اور پیچیدگی نہیں.. (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 426)

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر یہ عبارت واقعی ملا علی قاری کی ہی ہے اور کسی نے ان کی کتاب میں بعد میں داخل نہیں کی تو ملا علی قاری کا یہ لکھنا انصاف اعتدال سے کوسوں دور ہے اور ایک جلیل القدر صحابی پر سنگین الزام ہے، اور مفتی وقاص رفیع کا اسے درست لکھنا ان کے اندر چھپے بغض معاویہ (رض) کا اظہار ہے.. اور اس کتاب کے اصل خالق کی سبائی ذہنیت کا آئنیہ دار ہے... ورنہ اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک نہیں کہ وہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے بارے میں بے دھڑک ہو کر لکھے کہ "انہوں نے قرآن وسنت کو مہجور کر دیا تھا ..... "

اکابر کے نادان وکیل : (قسط : 9)

مفتی وقاص رفیع نے (جو اپنے آپ کو فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لکھتے ہیں) اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ 429 سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رح) کی چند عبارات پر اپنا نکتہ نظر بیان کیا ہے اور ان کے اقوال کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے، اس سے پہلے کہ ہم شیخ عبدالحق (رح) کی عبارات اور ان کے بارے میں مفتی وقاص رفیع کی تاویلات کا جائزہ لیں چند اہم باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں:

کوئی مصنف اگر اپنے کسی نظریہ یا کسی دعوے کے حق میں کسی بھی حدیث کی کتاب یا کتب تاریخ سے کوئی بھی روایت اپنے استدلال میں پیش کرتا ہے تو اسے یہ کہہ کر چھوٹ نہیں دی جاسکتی کہ "اس نے تو یہ بات فلاں کتاب سے نقل کی ہے اس لیے اگر یہ بات غلط یا غیر مستند ہے یا اس میں کسی صحابی کی تنقیص ہے تو اعتراض اس اصل مأخذ پر ہوتا ہے جہاں سے اس نے یہ بات نقل کی ہے"۔۔۔۔ (یہ بات مفتی وقاص رفیع اکثر دہراتے ہیں)۔۔

کیونکہ جس آدمی کو تھوڑا سا بھی حدیث اور اصول حدیث کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ کتب حدیث میں محدثین نے جو روایات جمع کی ہیں ان کی مکمل اسناد ذکر کی ہیں، اب یہ علماء اسماء الرجال وجرح وتعدیل اور محققین کا کام ہے کہ وہ ہر روایت کی اصول حدیث کی روشنی میں جانچ پڑتال کریں اور تحقیق کے بعد جو صحیح ہو اسے لے لیں اور جو ضعیف یا غیر مستند ہو اسے ترک کردیں، لہٰذا مثال کے طور پر اگر کوئی آدمی اپنے حق میں کسی موضوع حدیث سے استدلال کرے تو یہ اعتراض اسی پر آئے گا کہ اس نے ایک جھوٹی اور من گھڑت حدیث کا سہارا لیا،

یہ اسی کی غلطی شمار ہوگی، اس کا دامن یوں نہیں چھڑایا جاسکتا کہ "اس نے تو یہ حدیث فلاں کتاب سے نقل کی ہے، اگر یہ من گھڑت ہے تو اعتراض اس محدث پر آتا ہے جس نے اپنی کتاب میں یہ نقل کی"....

خود مفتی وقاص رفیع نے امام طبری پر اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ انہوں نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں انبیاء کرام اور صحابہ کرام کے بارے میں توہین آمیز روایت نقل کی ہیں، یہی بات لکھی ہے کہ:

"تمام متقدمین، مفسرین، محدثین اور مؤرخین کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ وہ ایک باب سے متعلق تمام احادیث و روایات ان کی سند کے تذکرے کا سہارا لے کر لاتے تھے، ان کی سند صحیح ہو یا نہ ہو، یا ان کی سند کے باطل ہونے کا انہیں علم بھی ہو اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا، اس لیے سند کا ذکر کرنا احادیث و روایات کے نقل کرنے سے مؤاخذہ سے انھیں بری کر دیتا تھا.."

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 220)

میں اس کی ایک مثال بھی پیش کرتا ہوں، جناب مودودی صاحب نے جب اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" لکھی تو اس پر بڑے بڑے علماء اہل سنت نے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس میں صحابہ کرام کی توہین و تنقیص کی گئی ہے... اس کتاب کے رد میں بہت سے علماء نے قلم بھی اٹھایا.... تو مودودی صاحب کے مدافعین کی طرف سے یہ جواب بھی دیا گیا کہ "مودودی صاحب نے اپنی کتاب میں زیادہ تر مواد تو پرانی کتب تاریخ طبری وغیرہ سے ہی نقل کیا ہے، اس لیے مودودی صاحب پر اعتراض کیوں؟" تو اس کا جواب الجواب یہی دیا گیا کہ مودودی صاحب کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آیا جو روایت میں نقل کر رہا ہوں یہ مستند بھی ہے یا نہیں؟ کہیں اس میں ابو مخنف و کلبی جیسے جھوٹے راوی تو نہیں؟؟ یہ انکی غلطی ہے...

تو عرض ہے کہ ایک ہوتا ہے صرف روایات جمع کرنا یا احادیث جمع کرنا، اور تحقیق دوسروں پر چھوڑ دینا کہ روایات کے اس انبار میں سے اب خود اصول و ضوابط کی روشنی میں صحیح و ضعیف اور درست و غلط کی تحقیق کرلو.

اور ایک ہوتا ہے کسی کا اپنے کسی دعوی یا نظریہ کے حق میں کسی روایت کو بطور دلیل و استشہاد پیش کرنا.

لہٰذا جو بھی کسی من گھڑت یا غیر مستند یا جھوٹی یا ضعیف روایت سے استدلال کرے اور اسے اپنے کسی نظریہ یا دعوے کے حق میں پیش کرے تو اس کی ساری ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے نہ کہ اس پر جس کی کتاب سے نقل کیا ہے.

اب آیئے دیکھتے ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رح) کی وہ عبارات کیا ہیں جن کی تاویل کرنے کی مفتی وقاص رفیع نے کوشش کی ہے.

لغت کی مشہور کتاب ہے "القاموس المحیط" اس کے مصنف معروف لغوی محمد بن یعقوب فیروز آبادی (رح) ہیں، انہوں نے ایک کتاب "سفر السعادۃ" کے نام سے لکھی، اس وقت میرے سامنے اس کتاب کا 1332 ہجری میں مصر سے چھپا نسخہ ہے، اس کتاب کے آخر میں "خاتمۃ الکتاب" کے عنوان سے مصنف نے ایسے بہت سے ابواب اور موضوعات کا ذکر کیا ہے جن کے بارے میں علامہ فیروز آبادی کے نزدیک "کوئی صحیح حدیث موجود نہیں اور کچھ بھی ثابت نہیں"..ان کے الفاظ ہیں:

"خاتمة الكتاب في الإشارة الى أبواب رُوي فيها أحاديث وليس منها شيء صحيح ولم يثبت منها عند جهابذة علماء الحديث..." (کتاب کے خاتمہ میں ان ابواب کی طرف اشارہ ہوگا جن کے بارے میں احادیث تو مروی ہیں لیکن ان میں کوئی چیز بھی صحیح نہیں، اور حدیث کے ماہر علماء کے نزدیک کوئی (حدیث) بھی ثابت نہیں)

(سفر السعادۃ، صفحہ 142 طبع مصر)

ان الفاظ پر غور کرنے سے یہی سمجھ آتی ہے کہ اس "خاتمۃ الکتاب" میں ان موضوعات کا ذکر ہوگا جن کے بارے میں مصنف کے خیال میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں اور علماء حدیث کے نزدیک ثابت ہی نہیں ...یعنی وہ یہاں "صحیح" کو "غلط" اور "غیر ثابت" کے مقابلے میں لکھ رہے ہیں یہ نہیں کہہ رہے کہ "صحیح حدیث تو نہیں لیکن حسن درجے کی احادیث موجود ہیں" کیونکہ حسن درجے کی حدیث کے بارے میں یہ کہنے کا کیا مطلب کہ "ان میں سے کوئی بھی چیز علماء حدیث کے نزدیک ثابت نہیں"؟؟؟

پھر مصنف نے کتاب کے آخر تک (یعنی صفحہ 142 سے 147 تک) بہت سے ایسے مواضیع گنوائے ہیں جن کے بارے میں ان کے خیال میں کوئی حدیث ثابت نہیں، اور بہت سی روایات کے بعد صاف لکھا ہے کہ "یہ موضوع ہے" اور یہ "جھوٹی" ہے وغیرہ، جو اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ اس باب میں وہ جن موضوعات کے بارے میں لکھ رہے ہیں کہ "اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں" اس سے مراد یہ نہیں کہ اصطلاحی صحیح نہیں ہاں حسن ہو سکتی ہے، ورنہ وہ بہت سی احادیث کے بارے میں موضوع اور کذب جیسے الفاظ نہ لکھتے .. بہر حال اسی "خاتمۃ الکتاب" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"وباب فضل معاوية ليس فيه حديث صحيح و باب فضل ابي حنيفة والشافعي وذمهم ليس فيه شيء صحيح وكل ما ذكر من ذلك فهو موضوع ومفترى"

(معاویہ کے فضائل کے باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، اور اسی طرح ابو حنیفہ اور شافعی کے فضائل کے باب اور ان کی مذمت میں بھی کچھ بھی صحیح نہیں ہے اور جو کچھ بھی اس بارے میں ذکر کیا جاتا ہے وہ سب من گھڑت اور افتراء ہے" (سفر السعادۃ، صفحہ 143)

اس عبارت کا سیاق و سباق پڑھ لیں، بلکہ یہ پورا "خاتمۃ الکتاب" پڑھ لیں، اس میں صرف یہ ایک بات نہیں لکھی بلکہ بہت سے اور موضوعات کی احادیث کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں اور کچھ بھی ثابت نہیں ... آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ "صحیح" سے مراد اصطلاحی "صحیح" (حدیث کی قسم) نہیں لے رہے بلکہ "موضوع" اور "من گھڑت" اور "ضعیف" کے مقابلے میں "صحیح" مراد لے رہے ہیں، نیز وہ "غیر صحیح" سے "غیر ثابت" مراد لے رہے ہیں...

اوپر منقول عربی عبارت میں بھی انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کے ساتھ ہی امام ابو حنیفہ (رح) اور امام شافعی (رح) کے مناقب یا ان کی مذمت کے بارے میں بھی احادیث کا ذکر کیا ہے پھر الفاظ لکھے ہیں کہ "جو بھی اس بارے میں احادیث ذکر کی جاتی ہیں وہ سب موضوع ہیں" ... یہ مزید تاکید ہے کہ انہوں نے "لم یصح" سے مراد اصطلاحی "صحیح" نہیں لیا بلکہ وہ اسے غیر ثابت اور جھوٹی احادیث کے مقابلے میں بھی لے

رہے ہیں ورنہ یہ ماننا ہوگا کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے مناقب یا مذمت میں حسن درجے کی احادیث تو ہیں البتہ صحیح حدیث نہیں.. اور یہ بات درست نہیں.

اب آگے چلیں، اسی کتاب "سفر السعادۃ" کی ایک شرح لکھی شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رح) نے، اس شرح میں شیخ دہلوی نے سفر السعادۃ میں علامہ فیروز آبادی کی کئی باتوں پر پکڑ بھی کی ہے، لیکن ان کی اس بات پر کہ "معاویہ کے فضائل کے باب میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں" اس پر نہ صرف یہ کہ کوئی پکڑ نہیں کی، بلکہ الٹا اس کی تائید کی کہ ہاں بات ایسے ہی ہے.. یہ تک نہیں لکھا کہ "اگر اس سے مراد اصطلاحی صحیح نہ ہونا ہے تو درست ہے، لیکن اگر مراد ضعیف یا موضوع کے مقابلے میں صحیح ہے تو یہ بات درست نہیں"... چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی کی اسی بات کے بارے میں، علامہ عبدالعزیز فرہاروی (صاحب نبراس، شرح شرح العقائد) لکھتے ہیں:

"ولم ينصف الشيخ عبد الحق الدهلوي في شرح سفر السعادة فإنه أقر كلام المصنف ولم يتعقبه كتعقبه على سائر تعصباته" (شیخ عبدالحق دہلوی نے شرح سفر السعادۃ میں انصاف نہیں کیا، انہوں نے الٹا مصنف (سفر السعادۃ) کی بات کی تائید کردی ہے اور ان کی اس بات پر ایسے پکڑ نہیں کی جیسے ان کے دوسرے تعصّبات پر کی ہے)

(النابیۃ عن طعن امیر المؤمنین معاویۃ).

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ "شیخ عبدالحق دہلوی نے مصنف سفر السعادۃ کی اس بات کی تائید کرکے انصاف نہیں کیا"... تو اس میں کون سا آسمان گر گیا؟ اور جو یہ کہتا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کے فضائل میں کوئی حدیث بھی ثابت اور صحیح نہیں وہ غلطی پر ہے..

نیز یہ بات بھی الگ موضوع ہے کہ کیا واقعی حضرت معاویہ (رض) کے مناقب میں تمام احادیث "حسن" یا اس سے نچلے درجے کی ہیں یا کسی نے ان میں سے کسی حدیث کو اصطلاحی "صحیح" بھی کہا ہے... یہ بات پھر کبھی.

اب مفتی وقاص رفیع کا جواب ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

"علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب سر آنکھوں پر (انہوں نے جواب نہیں دیا بلکہ شیخ عبدالحق پر نقد کیا ہے_ناقل) تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کتابوں میں جو یہ منقول ہے کہ ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں تو یہ قول صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں بلکہ دوسرے کئی اہل علم کا ہے"

(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 435)

پھر مفتی وقاص رفیع نے امام نسائی کا ایک واقعہ بلا سند صرف ایک کتاب "بستان المحدثین" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر فرمایا کہ حضرت معاویہ (رض) کے فضائل ہی کہاں ہیں؟ اور کچھ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان کے مناقب میں کوئی صحیح روایت ثابت نہیں سوائے **لا أشبع الله بطنه** کے.. (مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ) یہیں سے عوام الناس نے ان پر تشیع کا الزام جڑ دیا اور انھیں ضربیں لگائیں جن کی وجہ سے وہ نیم جان ہو گئے....

یعنی مفتی صاحب یہ ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ اگر شیخ عبدالحق دہلوی نے یہ بات لکھی ہے تو ایسی بات تو امام نسائی نے بھی کہی ہے (امام نسائی کا یہ واقعہ کس حد تک درست اور مستند ہے اس بارے میں اسی وقت بات کی جا سکتی ہے جب مفتی وقاص رفیع اس کی کوئی صحیح سند پیش فرمائیں گے)..

آگے مفتی صاحب نے دو تین صفحات یہ ثابت کرنے پر صرف کیے ہیں کہ جب محدثین یہ کہتے ہیں کہ "فلاں حدیث صحیح نہیں" تو اس سے مراد ہر وقت یہ نہیں ہوتا کہ یہ ضعیف یا غلط یا موضوع ہے، بلکہ اس سے مراد

"اصطلاحی صحیح" بھی ہو سکتی ہے جو کہ "حسن" کے مقابلے میں ہوتی ہے... لہٰذا اگر بعض لوگوں کی جانب سے حضرت معاویہ (رض) کی فضیلت کی روایات کے متعلق "عدم صحت" کا قول پایا گیا ہے تو وہ کوئی مضر نہیں.... لہٰذا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں یہ فرمانا کہ ان کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں اس سے وہ صحیح مراد نہیں کہ جس سے اس کا مفہوم مخالف لازم آتا ہے یعنی کہ موضوع اور من گھڑت، بلکہ مطلب یہ ہے کہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس سے وہ حسن احادیث مراد ہے جو ضعیف سے اوپر کی درجہ کی اور صحیح سے نیچے درجہ کی ہوتی ہیں، لہٰذا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے البتہ حسن درجہ کی احادیث ضرور موجود ہیں...

قارئین محترم! میں دعوے سے کہتا ہوں کہ مفتی وقاص رفیع نے "سفر السعادۃ" کے اس آخری باب "خاتمۃ الکتاب" کا مطالعہ نہیں کیا جس کی شرح میں شیخ عبدالحق یہ بات لکھ رہے ہیں، وہاں علامہ فیروز آبادی نے "صحیح" کو غلط اور غیر ثابت شدہ کے مقابلے میں ہی لیا ہے، کیونکہ اس باب میں جو بہت سے مواضیع انہوں نے ذکر کیے ہیں ان کے ساتھ کئی جگہ خود لکھا ہے کہ اس بارے میں صحیح حدیث کوئی نہیں بلکہ جو احادیث ہیں وہ من گھڑت اور افتراء ہیں.... لہٰذا مفتی وقاص رفیع کا یونہی تکے سے علامہ فیروز آبادی کے "لم یصح" کی یہ تاویل کرنا کہ اس سے مراد ہے کہ حسن درجے کی احادیث ضرور موجود ہیں" **توجیه القول بما لا یرضی به قائله**" (بات کہنے والے کی بات کا ایسا مطلب بیان کرنا جو اس کی مراد نہیں) ہے... مفتی صاحب پہلے "سفر السعادۃ" کا اس مقام سے مکمل مطالعہ کریں پھر بتائیں کہ کہ وہاں مذکور تمام موضوعات کے بارے میں وہ یہی تاویل کریں گے کہ اس بارے میں اصطلاحی صحیح حدیث تو موجود نہیں البتہ حسن درجے کی موجود ہیں؟؟؟

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے سامنے تو یقیناً یہ پورا باب تھا، اس میں مذکور تمام موضوعات تھے، انہوں نے جو اس بات کی تائید کی تو یقیناً اسی مفہوم کی تائید کی ہے جو سفر السعادۃ کے مصنف "فیروز آبادی" نے لیا

ہے... ذہن میں رہے کہ علامہ فیروز آبادی بطور "محدث" معروف نہیں بلکہ ان کی پہچان ماہر لغت کی ہے .. اس لیے حافظ ابن حجر یا امام احمد بن حنبل کی کسی حدیث کے بارے میں کہی گئی کسی بات پر ان کی بات کو قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ یہ لوگ اصطلاحات حدیث کے امام تھے..

لہٰذا میں مفتی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر مثلاً میں، (جو کہ حدیث کا امام تو کیا طالب علم بھی نہیں) آج لوگوں کے سامنے یہ کہوں کہ "فلاں مسئلے میں کوئی بھی صحیح حدیث موجود نہیں" تو سننے والے میری اس بات کا کیا مطلب لیں گے؟؟؟؟

لہٰذا اگر کسی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے سفر السعادۃ کے مصنف یا شیخ عبدالحق دہلوی نے اس صحیح سے مراد اصطلاحی صحیح لیا ہو، اس کا یہ جواب سفر السعادہ کی اس عبارت کے سیاق و سباق سے جوڑ نہیں کھاتا.

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رح) کی مزید عبارات پر بات اگلی قسط میں ان شاء اللہ

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 10)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ایک کتاب ہے "جذب القلوب الی دیار المحبوب"، اس وقت میرے سامنے اس کتاب کا 1916ء میں مطبع نولکشور کانپور سے چھپا ایڈیشن ہے.

اس کتاب میں "فضائل مدینۃ النبی" کے عنوان کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مسند احمد بن حنبل کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں زمانہ فتنہ کے کسی امیر کے مدینہ آنے اور حضرت جابر کے اس سے ڈر کر بھاگنے کا ذکر ہے... الی آخر الحدیث. (یاد رہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے لے کر حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) کی صلح تک کے زمانے کو زمانہ فتنہ کہا جاتا ہے، اس فتنہ سے مراد اردو والا فتنہ نہیں بلکہ یہ بمعنی آزمائش والے مشکل حالات کا زمانہ ہے، مسند احمد بن حنبل کی جس روایت کا حوالہ شیخ عبدالحق نے دیا ہے اس میں "أَنَّ أَمِيرًا مِنْ أُمَرَاءِ الْفِتْنَةِ قَدِمَ الْمَدِينَةَ" کے الفاظ ہیں جن کا مفہوم ہے کہ زمانہ فتنہ کے دوران جو مختلف علاقوں کے امراء تھے ان میں سے ایک امیر مدینہ آیا)...

نوٹ: مسند احمد کی یہ روایت منقطع ہے، کیونکہ حضرت جابر (رض) سے روایت کرنے والے ہیں "زید بن اسلم" اور ان کا سماع حضرت جابر (رض) سے ثابت نہیں.

بہر حال اس روایت کو بیان کرنے کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یہ قول لکھا ہے کہ:
"بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس امیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور جس سے ڈر کے حضرت جابر بھاگے وہ بُسر بن اِرطاۃ تھے"...

پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایک روایت ذکر کی ہے جس میں حضرت معاویہ (رض) کی طرف سے بُسر بن اِرطاۃ کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ بھیجنے اور حضرت جابر (رض) سمیت تمام مدینہ والوں سے زبردستی حضرت معاویہ (رض) کی بیعت کروانے اور اکثر اہل مدینہ کے بھاگ کر حرہ بنی سلیم میں چھپ جانے کا ذکر ہے، نیز یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت جابر (رض) نے ام المؤمنین ام سلمہ (رض) سے کہا کہ "یہ بیعت (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی) ہے تو "بیعت ضلال" (گمراہی کی یا گمراہی والی بیعت) اس میں فلاح کی امید نہیں لیکن اگر میں بیعت نہ کروں تو جان جانے کا خطرہ بھی ہے، تو حضرت ام سلمہ رض) نے انھیں یہ بیعت (بیعت ضلال) کرنے کی اجازت دے دی.... الی آخر الحکایۃ..

(دیکھیں: جذب القلوب فارسی، صفحہ 33و34)

اس غیر مستند اور نا قابل اعتماد تاریخی روایت کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یہاں بلا وجہ بیان کیا جس میں نہ صرف حضرت جابر (رض) کی تنقیص ہے کہ انہوں نے ڈر کر اور اس بڑھاپے میں "بیعت ضلال" (گمراہی کی بیعت) کی، اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ (رض) کے مشورے سے کی، نیز حضرت معاویہ (رض) پر بھی تنقید ہے کہ انہوں نے بسر بن اِرطاۃ کو (جنھیں امام ذھبی، حافظ ابن حجر نے بحوالہ ابن یونس اور امام دار قطنی وغیرہم نے صحابی لکھا ہے) مدینہ والوں سے زبردستی بیعت لینے کے لیے بھیجا اور پھر اس جیسی بے سر و پا روایات میں حضرت بسر بن اِرطاۃ کے فرضی مظالم کی جو داستان گھڑی گئی ان مظالم پر حضرت معاویہ (رض) کا کوئی ایکشن نہ لینا بھی بیان کیا جاتا ہے... جو کہ ایک اور طعن ہے.

اس روایت کو حافظ ابن کثیر نے اپنی کتاب "البدایۃ والنہایۃ" میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "وفي صحته عندي نظر" اس روایت کی صحت میں میرے نزدیک کلام ہے..

خود مفتی وقاص رفیع بھی تسلیم کرتے ہیں کہ:

"یہ اور اس جیسے دوسرے مشاجرات صحابہ سے متعلق واقعات نا قابل اعتماد اور غیر ثابت شدہ تاریخی روایات پر مبنی ہیں"

(مفتی وقاص کی کتاب کا صفحہ 443) .

لیکن مفتی وقاص کا باطن دیکھیں کہ وہ ایک طرف ایسی روایات کو غیر ثابت شدہ بھی لکھ رہے ہیں اور دوسری طرف حضرت بسر بن اِرطاۃ کے مظالم کا ڈھنڈھورا بھی پیٹ رہے ہیں.. لکھتے ہیں کہ :

"ہم بسر بن اِرطاۃ کے مظالم سے حضرت معاویہ (رض) کے صرف نظر کرنے میں ان کو معذور سمجھتے ہیں" (صفحہ 443) .. یعنی مفتی موصوف کے نزدیک اگرچہ یہ بسر بن اِرطاۃ کے مظالم کی داستان غیر ثابت شدہ اور ناقابل اعتماد ہے لیکن بسر بن اِرطاۃ نے مظالم کیے ضرور تھے ... ہاں حضرت معاویہ (رض) نے جو ان کے مظالم سے صرف نظر کیا اس میں حضرت معاویہ (رض) معذور تھے... کیا مفتی ایسے ہوتے ہیں؟

اور آگے دیکھیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا دفاع کچھ یوں کرتے ہیں کہ :

"پس ثابت ہوا کہ ان مشکوک اور ناقابل اعتماد تاریخی روایات و واقعات کی بناء پر کوئی بھی صحابی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مذکورہ احادیث کی وعید میں ہرگز شامل نہیں" (صفحہ 443) ..

کتنی عجیب بات ہے کہ ان غیر ثابت شدہ روایات سے حضرت بسر بن اِرطاۃ کے مظالم تو مفتی وقاص رفیع کے نزدیک ضرور ثابت ہوتے ہیں... لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی جب اس بے سر و پا روایت کو اپنی کتاب میں ایک حدیث کی تشریح کے طور پر لکھیں تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں؟؟؟ کیا شیخ صاحب جیسے عالم فاضل محدث کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ روایت غیر ثابت شدہ اور غیر مستند ہے جبکہ آج کے مفتی وقاص رفیع کو یہ بات معلوم ہو گئی؟؟؟

پھر مفتی وقاص رفیع نے حضرت بسر بن اِرطاۃ کی صحابیت کی بحث چھیڑی ہے، لیکن خود یہ لکھ دیا ہے کہ :

"جہاں تک بسر بن اِرطاۃ کے صحابی اور عدم صحابی ہونے کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء نے انھیں صحابہ کی جماعت میں شامل کیا ہے جب کہ بعض دوسرے علماء نے اس سے صحابیت کی نفی کی ہے"..

لہٰذا ہم اس پر کوئی مزید بات نہیں کرتے ... اگر تو یہ صحابی تھے جیسا کہ امام دار قطنی وامام ذہبی وابن حجر وغیرہم سے منقول ہے تو پھر اس غیر ثابت شدہ روایت میں جن صحابہ کی تنقیص پائی جاتی ہے ان میں ایک اور صحابی کا اضافہ بھی ہو جائے گا.

اب آگے چلیں،

شیخ عبدالحق دہلوی کی ایک اور کتاب ہے "ما ثبت بالسنة في أيام السنة" ، اس میں ایک جگہ شیخ صاحب نے لکھا ہے کہ :

"استلحق معاوية زياد بن سمية وهو أول قضية غيّر فيها حكم النبي في الاسلام"

حضرت معاویہ نے زیاد بن سمیہ کا استلحاق کیا (یعنی اسے اپنے والد کی اولاد میں شمار کیا) اور یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو تبدیل کیا گیا.

اس پر مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنہ 43 ہجری میں زیاد کا استلحاق کرکے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی نفی کی تھی اور اس کو تبدیل کر دیا تھا، لیکن ایسا آپ نے اپنی ذاتی خواہشات یا سیاسی اغراض کے لیے ہر گز نہیں کیا تھا بلکہ یہ آپ کی اجتہادی غلطی تھی جس کے نتیجے میں یہ عمل آپ کی ذات سے صادر ہوا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب : صفحہ 447)

نوٹ : مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ فرمان نبوی کی نفی کرنا اور اسے تبدیل کرنا "اجتہادی غلطی" کی کون سی قسم ہے؟ بڑے آرام سے تبرا کرکے آخر میں کہہ دیا جاتا ہے کہ ہاں انہوں نے قرآن وحدیث کو مہجور (ترک) کر دیا، فرمان نبوی کی نفی کی اور اسے تبدیل کر دیا... لیکن یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی .... لہٰذا ہم تو حضرت

معاویہ (رض) کو صرف "مجتہد مخطی" کہتے ہیں، پھر نہ جانے ہمیں کیوں "ناقدین معاویہ" کہا جاتا ہے ؟؟

....

پھر دو تین صفحات بعد دوبارہ لکھتے ہیں:

"شیخ عبدالحق نے جو یہ لکھا ہے کہ .... امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کا استلحاق کیا اور اسلام میں یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے احکامات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی (تبدیلی) کی گئی، تو وہ اپنی جگہ بالکل صحیح اور سچ ہے اور کسی طرح بھی اس کی نفی نہیں کی جاسکتی" (صفحہ 455)

تعجب در تعجب ہے کہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا فاضل کہلانے والے یہ نئے نویلے مفتی صاحب اپنی کتاب میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کے حوالے بھی جا بجا دیتے ہیں، کاش انہوں نے ان کی کتاب "حضرت معاویہ (رض) اور تاریخی حقائق" کے صفحات 46 تا 56 طبع مکتبہ معارف القرآن ہی پڑھ لیے ہوتے، مولانا نے وہاں مودودی صاحب کے ایسے ہی الزام کا جو مفتی وقاص رفیع نے لگایا ہے مفصل جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے ہرگز کسی فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی نہیں کی اور جنہوں نے یہ الزام لگایا ہے وہ غلط ہیں... تفصیل کا یہ مقام نہیں، میری گزارش تمام قارئین سے بھی ہے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی اس کتاب کے ان صفحات کا ضرور مطالعہ کریں اور مفتی وقاص رفیع کی ایک جلیل القدر صحابی کے بارے میں اس جارحانہ زبان درازی کی حقیقت جانیں... مفتی تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت ابوسفیان (رض) نے زیاد کی والدہ کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں اس وقت رائج نکاحوں میں سے ایک قسم کا نکاح کیا تھا، اور جب زیاد پیدا ہوا تو اس کی ماں نے خود بتایا کہ یہ ابوسفیان کی اولاد ہے، نیز حضرت ابوسفیان (رض) نے زمانہ جاہلیت میں خود زیاد کے بارے میں اپنی اولاد ہونے کا خفیہ اقرار بھی کیا تھا... اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے دس کے قریب گواہوں نے اس بات کی گواہی بھی دی تھی جن گواہوں میں چند جلیل القدر کے صحابہ کے نام بھی ہیں..

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تو لکھتے ہیں کہ:

"ہم پر اس واقعہ کی تمام تفصیلات پڑھنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے احترام شریعت کا غیر معمولی تاثر قائم ہوا ہے (حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق، صفحہ 54)

اور مولانا نے آخر میں مودودی صاحب کو ایک نصیحت بھی کی ہے کہ:

"ہمیں یہ توقع رکھنا بے محل نہیں کہ مولانا مودودی صاحب بھی مجموعی صورت حال سے واقف ہونے کے بعد اپنے اس اعتراض سے رجوع کر لیں گے" (صفحہ 56)

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ان مفتی وقاص رفیع صاحب کو "مفتی" کی سند کس نے دی ہے؟ جنہوں نے تاریخ ابن خلدون، الاصابۃ اور الاستیعاب جیسی بڑی کتب تو شاید کسی وجہ سے نہ پڑھی ہوں، لیکن مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی وہ کتاب بھی مکمل نہیں پڑھی جس کے حوالے وہ خود اپنی کتاب میں دیتے ہیں؟؟؟ یا مفتی صاحب کے باطن کے اندر جو "بغضِ حضرت معاویہ" تشریف فرما ہے اس سے مجبور ہو کر وہ بے دھڑک یہ لکھ دیتے ہیں کہ:

"اس میں شک نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنہ 43 ہجری میں زیاد کا استلحاق کر کے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کی تھی اور اس کو تبدیل کر دیا تھا"

کہاں ہیں وہ وکلاء صحابہ و مناظرین اہل سنت جو مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" پر فتوے لگاتے ہیں؟؟ وہ بتائیں کہ کیا مفتی وقاص رفیع نے وہی زبان نہیں بولی؟؟

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مزید عبارات پر بات آئندہ قسط میں ان شاء اللہ)

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 11)

نوٹ: قارئین محترم! اس قسط میں آپ کو میری تحریر میں چند سخت الفاظ پڑھنے کو ملیں گے، اس کی وجہ مفتی وقاص رفیع کا چند جلیل القدر صحابہ کرام کے بارے میں اپنی کتاب کے اس مقام پر کیا گیا رافضی تبرا ہے جو اس مفتی نے کیا ہے، لہٰذا میں پیشگی معذرت چاہتا ہوں.

مفتی وقاص رفیع (جو اپنے آپ کو فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لکھتے ہیں) نے اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ نمبر 455 پر ایک عنوان باندھا ہے:

"لوگوں میں فتنہ و فساد پھیلانے والے دو آدمی"

اور پھر اس عنوان کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اپنی کتاب میں نقل کردہ ایک روایت بحوالہ کتاب "حضرت معاویہ کے ناقدین" ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"لوگوں میں فتنہ و فساد کی آگ سلگانے والے صرف دو آدمی ہیں، جن میں سے ایک عمرو بن عاص (رض) ہیں جنہوں نے امیر معاویہ (رض) کو نیزوں پر قرآن کریم اٹھانے کا مشورہ دیا.. اور دوسرے شخص مغیرہ بن شعبہ (رض) ہیں جو کوفہ میں امیر معاویہ (رض) کے گورنر تھے جن کو حضرت معاویہ (رض) نے لکھا کہ یہ خط ملتے ہی آپ اپنے آپ کو معزول سمجھیں اور فوراً ہمارے پاس (دمشق) آ جائیں، لیکن حضرت مغیرہ (رض) نے حکم کی تعمیل میں تعویق کی (یعنی اس حکم پر فوراً عمل درآمد نہ کیا بلکہ تاخیر کی_ناقل) جب تاخیر سے حضرت معاویہ (رض) کے دربار میں پہنچے تو سبب یہ بتایا کہ ایک معاملہ درپیش تھا جسے سلجھانے کی وجہ سے دیر ہو گئی، امیر معاویہ (رض) نے پوچھا کہ کیا معاملہ تھا؟ مغیرہ (رض) نے جواب دیا: "آپ کے بعد یزید

یزید کی بیعت لینے کے لیے زمین ہموار کر رہا تھا"، حضرت معاویہ (رض) نے پوچھا: کیا یہ کام تم نے پورا کرلیا؟ تو حضرت مغیرہ (رض) نے جواب دیا: "جی ہاں"، یہ سن کر امیر معاویہ (رض) نے کہا: اچھا اپنی گورنری پر واپس جاؤ، اور حسب سابق اپنے فرائض انجام دو، یہاں سے لوٹ کر حضرت مغیرہ (رض) جب اپنے احباب کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا بتاؤ کسی رہی؟ مغیرہ (رض) نے کہا: "میں نے معاویہ (رض) کے پاؤں اس ناواقفیت کے رکاب میں رکھ دیے ہیں جس میں قیامت تک وہ گرفتار رہیں گے" (دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 455و456)

قارئین محترم! اس بے سر و پا کہانی میں نہ صرف دو جلیل القدر صحابہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص اور بیعت رضوان میں شریک صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں بکواس ہے بلکہ حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں بھی یہ تاثر دیا گیا ہے کہ انہوں نے صرف اس لیے ایک معزول گورنر کی معزولی کے آرڈر واپس لے لیے کہ وہ آپ کے بیٹے یزید کے لیے بیعت کی راہ ہموار کر رہا تھا، نیز حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بکواس کی گئی ہے کہ انہوں نے واپس آ کر اپنے دوستوں سے فخریہ انداز میں کہا کہ "میں نے ایسا کام کیا ہے کہ اب قیامت تک حضرت معاویہ (رض) اس میں پھنسے رہیں گے".

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس روایت کی صحت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا کہ آیا اس کی کوئی صحیح سند بھی ہے یا نہیں؟ صرف اپنی کتاب میں نقل کردی.. جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک یہ کہانی درست تھی.. انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ اس افسانے میں تین جلیل القدر صحابہ کرام پر تبرا کیا جارہا ہے..

لیکن قربان جائیں رائے ونڈ کے اس مفتی پر، جو یہاں بھی وکیل صفائی بن کر آ رہا ہے، لکھتا ہے کہ:

"یہ روایت شیخ عبدالحق دہلوی کی اپنی ذاتی نہیں بلکہ انہوں نے یہ عبارت امام سیوطی کی کتاب "تاریخ الخلفاء" سے نقل کی ہے، نیز اس طرح کی ایک عبارت علامہ ذہبی نے بھی "تاریخ الاسلام" میں نقل کی ہے.. لہٰذا چاہیے یہ کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے پہلے تاریخ الخلفاء اور تاریخ الاسلام کے مصنفین کو ہدف تنقید بنایا جائے، اس کے بعد شیخ عبدالحق دہلوی کا نمبر آئے گا"

یعنی مفتی وقاص رفیع کی اس بات سے یہ نتیجہ نکلا کہ کوئی بھی مصنف اپنی کتاب میں اپنا کوئی دعوا ثابت کرنے کے لیے یا کسی بھی صحابی کو ہدف تنقید بنانے کے لیے سابقہ کسی بھی مصنف کی کسی کتاب سے کوئی بھی جھوٹی یا غیر مستند بات پیش کردے تو وہ بالکل بری الذمہ ہو جاتا ہے، اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، تو یوں مثلاً مودودی صاحب کی کتاب "خلافت وملوکیت" پر مفتی صاحب کے جن اکابرین نے اعتراضات کیے اور انھیں گستاخ صحابہ قرار دیا وہ سب غلط ثابت ہوتا ہے، کیونکہ مودودی صاحب نے صحابہ کرام پر جو بھی تنقید کی ہے اس کی بنیاد تاریخ طبری وغیرہ کی روایات پر ہی رکھی ہے... بلکہ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں اگر کسی نبی کے بارے میں بھی غیر محتاط طرز اپنایا ہے تو وہ بھی تفسیر طبری وغیرہ ہی سے لیا ہے، یوں مودودی صاحب بھی پاک صاف.. اگر کسی کو اعتراض کرنا ہے تو ان پر کرے جہاں سے مودودی صاحب نے روایت ذکر کی ہے.. بلکہ اگر آج کا کوئی بدعتی یا دوسرے باطل فرقے اپنی دلیل میں کوئی "موضوع" یا "ضعیف" حدیث پیش کریں تو ان پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا، بلکہ اعتراض اس محدث پر ہوگا جس نے اپنی کتاب میں وہ من گھڑت، جھوٹی یا ضعیف حدیث نقل کی ہے... کیوں مفتی صاحب! ایسا ہی ہے ناں؟؟ اگر ایسا ہی ہے تو بے شک شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کوئی قصور نہیں، اور اگر ایسی بات نہیں تو پھر شیخ عبدالحق دہلوی کا یہ روایت نقل کرنا اور اس پر کوئی تبصرہ نہ کرنا کہ یہ درست ہے یا نہیں.. یہی ثابت کرتا ہے کہ وہ اس روایت اور اس کے اندر موجود تین صحابیوں پر کیے گئے تبرے کو درست سمجھ کر ہی نقل کر رہے ہیں.

نوٹ: یاد رہے کہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اس روایت کی کوئی سند ذکر نہیں کی، امام ذہبی نے تاریخ الاسلام میں اس طرح لکھا ہے کہ "زحر بن حصن نے اپنے دادا حمید بن منہب سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حسن بصری سے یہ بات نقل کی"، جبکہ خود یہی امام ذہبی "زحر بن حصن" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "لا یُعرف" یہ حضرت خود مجہول ہیں، ان کا پتہ ہی نہیں کہ یہ کیسے تھے..

دیکھیں: میزان الاعتدال: راوی نمبر 2850 اور امام ذہبی کی ہی کتاب "المغنی فی الضعفاء" راوی نمبر: 2176، نیز اس زحر بن حصن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی وفات 204 ہجری میں ہوئی، جبکہ امام ذہبی کی ولادت 673 ہجری اور امام سیوطی کی ولادت 849 ہجری کی ہے، یوں "زحر بن حصن" اور ان دونوں کے درمیان کئی سو سال کا فاصلہ ہے، یہ درمیانی سند کہاں مذکور ہے؟ یوں یہ روایت ایک مجہول شخص کی ہے اور ہے بھی منقطع.

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ خود مفتی وقاص رفیع نے اپنی اسی زیر تبصرہ کتاب میں آگے ایک جگہ بقلم خود حسن بصری (رح) کی طرف منسوب تاریخ ابن عساکر کے حوالے سے مروی اسی روایت کی سند پر بات کرتے ہوے لکھا ہے کہ:

"اس کا بنیادی راوی زحر بن حصن ہے جس کے بارے میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ غیر معروف یعنی مجہول راوی ہے" (حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 580)

پھر مفتی وقاص رفیع نے "تہذیب الکمال" کا حوالہ بھی دیا ہے کہ یہ راوی مجہول راوی ہے... اور آخر میں خود نتیجہ نکالا ہے کہ:

"مذکورہ بالا تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ قدح صحابہ پر مشتمل زیر بحث مذکورہ بالا روایت نہ تو پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور نہ ہی اس کی نسبت معروف اور ہر دل عزیز مشہور تابعی حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف صحیح معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ روایت مجہول، نا قابل اعتبار اور درجہ احتجاج سے ساقط ہے، واللہ اعلم"
(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 580)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع بقلم خود تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ روایت "قدح صحابہ پر مشتمل ہے" اور پھر وہ خود اسے نا قابل اعتبار بھی لکھ رہے ہیں..

لیکن یہاں مفتی وقاص رفیع کو تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا دفاع کرنا ہے چاہے اس کے لیے دو جلیل القدر صحابہ کو "فسادی" ہی کہنا پڑے.. چنانچہ ملاحظہ فرمائیں اس مفتی کا ان صحابہ پر علی الاعلان تبرا... لکھتا ہے:

"اور اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت علی کو ناکام بنانے کی جو تدبیر (تحکیم) اختیار کی تھی وہ واقعتاً امت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب بنی تھی".....

(پھر مفتی وقاص رفیع اپنے حق میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی کتاب سے ایک اقتباس نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے)

"ان الفاظ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ تحکیم کی تجویز کو پیش کر رہے تھے ان کی نیتوں میں خلوص نہیں تھا (یعنی حضرت عمرو بن العاص اور دوسرے صحابہ کی نیتوں کو اب مفتی وقاص جیسا آج کا لونڈا ٹٹول رہا ہے_ناقل) اور وہ وقتی طور پر اس بہانہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے تھے، اور حضرت علی (رض) بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ تحکیم کی پیش کش نیک نیتی پر مبنی نہیں بلکہ خدع وفریب پر مبنی ہے (دیکھیں اس لونڈے کی صحابہ کرام کی طرف خدع وفریب کی نسبت_ناقل)"

آگے لکھتا ہے:

"نتیجہ اس کا بھی اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نکلا جس کا سب سے زیادہ الم ناک پہلو یہ تھا کہ اب تک مسلمانوں میں حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے حامیوں کی دو جماعتیں تھیں (اس مفتی کو علم ہی نہیں کہ سب سے بڑی جماعت تو ان صحابہ کی تھی جو غیر جانبدار رہے تھے_ناقل)، اب خوارج کے نام سے ایک اور فرقہ پیدا ہو گیا جو دونوں کا شدید مخالف اور دشمن تھا، اب ذرا تصور کیجیے! حضرت علی (رض) کو ناکام کرنے کی ایک تدبیر (تحکیم) جو فاتح اجنادین عمرو بن العاص (رض) کے دماغ نے سوچی تھی کس طرح امت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب ہوئی"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے صفحات 456 تا 458)

قارئین محترم! یہ ہے آج کا لونڈا جو اپنے آپ کو مفتی کہتا ہے، جس کا مبلغ علم یہ ہے کہ اسے یہ علم ہی نہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے فسادی وہ بلوائی اور فسادی تھے جنہوں نے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خلاف فساد برپا کیا اور انھیں شہید کیا... اور اس مفتی کو یہ علم تو ہوگا کہ یہ فسادی بعد میں کہاں رہے؟ اور کیا کیا گل کھلاتے رہے... یہی فسادی بعد میں "خوارج" کے نام سے ابھرے.. اور کیوں ابھرے؟ اس لیے کہ یہ چاہتے تھے کہ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے جب تک مسلمان آپس میں لڑ کر ختم نہ ہو جائیں.. اس لیے انہوں نے "تحکیم" یا صلح کی بات پسند نہ کی... مفتی وقاص رفیع بھی مجھے اسی سبائی پارٹی کا ایک فرد نظر آتا ہے.

میں تفصیل میں نہیں جاتا، ورنہ مفتی وقاص اور اس کے پیچھے ڈوریاں ہلانے والے پردہ نشینوں کو بتلاتا کہ ان کے "اجداد" عبداللہ بن سبأ کی ذریت نے امت میں کیا کیا فساد مچائے اور وہ کہاں پائے جاتے ہیں؟.

مفتی وقاص رفیع.. تیرے آباء واجداد کی چالوں پر پانی پھر گیا اس جنگ بندی سے، تیرے آباء واجداد نے جو آگ حضرت عثمان رض) کو شہید کرکے لگائی تھی (جنھیں تو باغی بھی تسلیم نہیں کرتا) وہ آگ پہلے جنگ جمل میں لگائی گئی، پھر جنگ صفین بھی انہی کا مچایا ہوا فساد تھا، حضرت عمرو بن العاص (رض) کی اس تدبیر نے چونکہ اس آگ کو اچانک بجھا دیا اس لیے تجھے اور تیرے آباء واجداد کو تکلیف ہوئی اور وہ چونکہ پہلے سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے صرف "حب علی" کا جھوٹا نعرہ لگا کر لشکر علوی میں شامل تھے.. اب جب ان کی چال دم توڑتی نظر آئی تو وہ اپنے منہ سے "حب علی" کا نقاب اتار کر میدان میں آ گئے..

ہمارے لیے تو یہ تدبیر یا جنگ بندی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم الشان پیشگوئی پورا ہونا کا پہلا زینہ ثابت ہوئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں فرمائی تھی کہ: اللہ میرے اس بیٹے کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح فرمائیں گے"... اگر جنگ جاری رہتی تو شاید یہ دو جماعتیں موجود ہی نہ رہتیں.

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 12)

قارئین محترم! انہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب "جذب القلوب فارسی" کا 1916 میں مطبع نولکشور لکھنؤ کا ایڈیشن میرے سامنے ہے، اس کے صفحہ نمبر 41و42 پر لکھتے ہیں کہ:

"ابن ابی خیثمۃ بسند صحیح رسانیدہ می گوید کہ اشیاخ مدینہ منورہ حدیث می کردند کہ معاویہ در حالت احتضار موت یزید پلید را پیش خود طلبیدہ گفت چنیں دانم ترا از اہل مدینہ منورہ روزی پیش خواہد آمد باید کہ علاج آں واقعہ بمسلم بن عقبہ کنی کہ ہیچکس را ناصح از وے دریں واقعہ نمی بینم چوں یزید پلید بعد از پدر بر سریر امارت نشستد بعد از وقوع واقعہ بر نہجی کہ مذکور شد ہم بر وصیت پدر عمل نمودہ.... الخ"

ترجمہ: ابن ابی خیثمہ صحیح روایت بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے بعض بزرگ بیان کرتے تھے کہ معاویہ نے اپنے آخری وقت یزید پلید کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو اہل مدینہ سے ایک سخت دن پیش آئے گا، تجھے چاہیے کہ اس کی تدبیر مسلم ابن عقبہ کے ذریعہ سے کرنا، اس لیے کہ میں اپنی رائے میں کسی اور شخص کو اس سے زیادہ نصیحت کرنے والا (یا اس لائق) خیال نہیں کرتا، چنانچہ باپ کے بعد یزید پلید تخت عمارت پر بیٹھا، جب واقعات اسی طرح پیش آئے جیسا کہ بیان ہوا تو اس (یزید) نے اپنے باپ کی نصیحت پر عمل کیا (اور مسلم بن عقبہ کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا_ناقل).

پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "واقدی" کی ایک کتاب سے یہ کہانی نقل کی ہے کہ:

"یزید پلید، مسرف (یعنی خون بہانے والے، مراد اس سے مسلم بن عقبہ ہیں_ناقل) کے پاس آیا جو کہ اس وقت فالج کے مرض میں مبتلا تھا اور بستر پر پڑا تھا، یزید نے اس سے کہا کہ اگر تو بیمار اور کمزور نہ ہوتا تو اس مہم کا والی اور حاکم میں تجھے بناتا، کیونکہ میرے والد نے مجھ کو اپنی مرض الموت میں یہ وصیت کی تھی کہ اگر اہل حجاز کی طرف سے تجھے لڑائی پیش آئے تو اس کا علاج مسلم بن عقبہ کے ذریعے کرنا، یہ سن کر مسرف (یعنی

مسلم بن عقبہ_ ناقل) اٹھ بیٹھا، اور کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کو خدا کی قسم اگر آپ اس کام کا میرے سوا کسی اور کو متولی بنائیں، کیونکہ اس کام میں اہل مدینہ کا حریف بننے کی میرے سوا کوئی طاقت نہیں رکھتا اور میں نے اس بارے میں ایک خواب بھی دیکھا ہے... الخ"

اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مسلم بن عقبہ کے مظالم کی ایک لمبی فہرست گنوائی ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں.

قارئین محترم!
سب سے پہلے یہ ذہن میں رکھیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ ابن ابی خیثمہ نے صحیح سند سے بیان کی ہے" اسی روایت کی ابتداء ان الفاظ سے ہے کہ "مدینہ کے بعض بزرگ بیان کرتے ہیں"... یہ بزرگ کون ہیں؟ کوئی پتہ نہیں، تو پھر ایسے مجہول لوگوں کی بیان کردہ کہانی "صحیح" کیسے ہو گئی؟؟ شیخ عبدالحق کا اس روایت کو "صحیح" لکھنا بھی محل نظر ہے، اور یہ کس کتاب سے انہوں نے لی ہے اس کا بھی کوئی ذکر نہیں.

پھر یہ افسانہ سنا کر کیا شیخ عبدالحق یہ نہیں بتانا چاہتے کہ "مسلم بن عقبہ" نے اہل مدینہ پر جو مظالم ڈھائے (جن کی دوہائی شیخ عبدالحق صاحب نے اگلے صفحات پر افسانوی انداز میں دی ہے) وہ اس وجہ سے تھے کہ یزید کو اس کے والد (حضرت معاویہ) نے یہ وصیت کی تھی کہ جب بھی اہل مدینہ تمہارے خلاف اٹھیں تو ان کا علاج "مسلم بن عقبہ" کے ذریعہ کرنا.. کیا ان "چند مجہول مدینہ والوں" سے نقل کردہ افسانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مدینہ والوں پر جو مظالم (بقول شیخ عبدالحق) ڈھائے گئے اس کا سبب حضرت معاویہ کی اپنے بیٹے کو کی گئی وصیت تھی؟؟؟

پھر شیخ عبدالحق صاحب اس غیر مستند افسانے کو " صحیح روایت " بھی کہہ رہے ہیں یعنی وہ اس کی تائید کر رہے ہیں..

اس کے بعد مشہور زمانہ کذاب واقدی کی کتاب سے ایک دوسرا افسانہ بھی نقل کرتے ہیں.

لہٰذا یہ دونوں افسانے غیر مستند، مجہول راویوں اور واقدی جیسے کذاب کی کتاب سے منقول ہیں جس کی کتابوں کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ واقدی کی تمام کتابیں جھوٹ ہیں...

لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے وکیل صفائی مفتی وقاص رفیع کی منطق ملاحظہ ہو، وہ بجائے یہ ماننے کہ یہ افسانے ہی غیر مستند ہیں، الٹا لکھتے ہیں:

"اولاً تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت ان کے اپنے تجربہ، ذاتی مشاہدہ اور ایک حسن تدبیر کی بنیاد پر تھی، جس کے مستقبل میں رونما ہونے والے الم ناک اور دردناک نتائج سے قطعی اور یقینی طور پر وہ لاعلم اور بے خبر تھے..."

پھر آگے لکھتے ہیں:

"اور ثانیاً اس کا جواب یہ ہے کہ اگر واقعی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت نعوذ باللہ ایک غلط کام کے پورا کرنے کی، کی تھی سوال یہ ہے کہ یزید کو اتنا تو علم تھا کہ کسی گناہ کے کام کی وصیت کو پورا کرنا بجائے خود ایک بڑا گناہ ہے پھر اس نے اس وصیت پر عمل کیوں کیا؟ بلکہ یہ تو اس کا اپنا ایک فعل تھا جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برابر کا شریک اور حصہ دار بنانا بجائے خود ایک ظلم ہے" .....

"اس لیے واقعہ حرہ میں قتل و غارت، لوٹ مار اور عصمت دری کے جو جو سانحات رونما ہوئے ہیں ان تمام تر سانحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برابر کا شریک اور حصہ دار ٹھہرانا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں (ہاں اگر برابر کا نہ ٹھہرایا جائے بلکہ کم ٹھہرایا جائے تو مفتی صاحب کا کیا خیال ہے؟؟ یہ وضاحت انہوں نے نہیں کی_ناقل)... اس سے ثابت ہوا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر واقعہ کے نقل کرنے

میں کہ "یزید نے واقعہ حرہ میں مدینہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق تھا" کسی طرح کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 461و462)

قارئین محترم! پہلی بات یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ جو واقعہ حرہ اور مدینہ کو تاخت وتاراج کرنے کا ذکر ہوا ہے اس پر ہم پھر کبھی بات کریں گے کہ اس کا سبب کون لوگ بنے... اور یہ جو مدینہ میں مظالم کے افسانے بڑھا چڑھا کر پیش کیے جاتے ہیں ان میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ ہے..

سر دست ہم صرف مفتی وقاص رفیع کے اس دجل کو طشت از بام کرنا چاہتے ہیں کہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے یہ لکھا ہے کہ "یزید نے اپنے والد حضرت معاویہ (رض) کی وصیت کے عین مطابق اہل مدینہ کو تاخت وتاراج کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کو لشکر کا امیر بنایا تھا"..... اب فرض کریں اگر کوئی رافضی یہ سوال مفتی وقاص رفیع (نیم رافضی) سے کرے کہ یزید نے تو صرف اپنے والد کی وصیت پر عمل کیا تھا، اسے کیا علم تھا کہ مسلم بن عقبہ مدینہ کو تاخت وتاراج کردے گا تو آپ اسے کیا جواب دیں گے؟؟؟ کیا یہ بچگانہ راگ گائیں گے کہ:

"شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر واقعہ کے نقل کرنے میں کہ "یزید نے واقعہ حرہ میں مدینہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق تھا" کسی طرح کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا"؟؟؟

ہمارا اعتراض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہیں، بلکہ ان جھوٹے افسانوں کی بنیاد پر جھوٹے قصے کہانیاں بیان کرنے والوں پر ہے، ہمارا اعتراض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہیں بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے "مجہول لوگوں" اور واقدی جیسے "جھوٹوں" کی روایات کی بنیاد پر غلط نتیجے نکالنے پر ہے... اور ہمارا اعتراض

مفتی وقاص رفیع جیسے "سبائی" ذہنیت کے حامل علمی بونوں پر ہے جن کو اللہ یہ توفیق نہیں دیتے کہ وہ صاف لکھ دیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جن روایات کی بنیاد پر یہ افسانے لکھے ہیں وہ روایات ہی ناقابل اعتبار ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو ایسے افسانے ذکر نہیں کرنے چاہیے تھے...

مفتی وقاص رفیع کی طرف سے محمد بن عمر واقدی کی وکالت:

اوپر مذکور افسانہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "واقدی" کی ایک کتاب کے حوالے سے لکھا تھا، اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مفتی وقاص رفیع یہاں بھی حسب معمول اپنی وکالت یوں دکھاتے کہ وہ لکھتے: "شیخ عبدالحق نے تو یہ افسانہ واقدی کی کتاب سے نقل کیا ہے لہٰذا اگر کوئی اعتراض ہوتا ہے تو واقدی پر ہوتا ہے نہ کہ شیخ عبدالحق پر".

لیکن حیرت ہے مفتی وقاص جیسے علمی بونوں پر کہ انہوں نے واقدی جیسے غیر معتبر اور متروک آدمی کی وکالت شروع کردی جبکہ مفتی وقاص رفیع خود تسلیم بھی کرتے ہیں کہ:

"جن حضرات نے امام واقدی پر جرح کی ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور علمی حیثیت سے بھی وہ بلند ہیں" (اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے واقدی پر جرح کرنے والوں کے یہ نام خود گنوائے ہیں) : "امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام احمد، امام شافعی، یحییٰ بن معین، دار قطنی، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، ابوحاتم رازی، امام ابوزرعہ دمشقی، امام حاکم، وکیع بن جراح، ابن نمیر، علامہ ہیثمی، امام عقیلی، ابن عدی، ابن الاثیر الجزری وغیرہ حضرات"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 463)

نیز مفتی وقاص رفیع آگے یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جرح کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور علمی رتبے کے لحاظ سے بھی وہ بلند ہیں، اس لیے فن حدیث میں واقدی کے متعلق جرح کرنے والوں کا پلڑا بہر حال بھاری ہے" (صفحہ 465)

اب اگر مفتی وقاص رفیع واقعی "فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ" ہوتے، اور انہوں نے اصول حدیث کی کوئی چھوٹی سی کتاب بھی پڑھی ہوتی تو انھیں یہ معروف اصول یاد ہوتا کہ "جرح، تعدیل پر مقدم ہوتی ہے" (جس کی تشریح علماء اصول حدیث نے یہ کی ہے کہ وہ جرح جو مفسر ہو، وہ تعدیل پر مقدم ہوتی ہے) لہٰذا جب مفتی وقاص رفیع خود تسلیم کرتے ہیں کہ واقدی اکثر ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک جو مرتبے میں بھی بلند ہیں مجروح ہے تو پھر واقدی کی وکالت پر چار ورق سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟؟

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع کا دجل وفریب ملاحظہ ہو (سخت الفاظ پر معذرت، لیکن یہاں اس سے زیادہ مناسب الفاظ مجھے نہیں ملے جو میں لکھتا)، لکھتے ہیں:

"حاصل یہ ہے کہ واقدی مغازی اور تاریخ میں تو بلا شبہ امام ہیں، اور حدیث میں ضعیف ہیں، لیکن اس قدر بھی نہیں کہ ان کی روایت کو لینا درست ہی نہ ہو، بلکہ ان کی روایت کردہ حدیث لکھی اور بیان کی جاسکتی ہے.... پس ثابت ہوا کہ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ، سیرت، تاریخ، غزوات اور اسلامی واقعات میں بلا شک و شبہ امام اور کسی اختلاف کے بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہیں، البتہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں لیکن حدیث میں ان کے مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اور اسلام واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر سمجھا جائے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 466)

قارئین محترم! آیئے پہلے دیکھتے ہیں کہ ان واقدی صاحب کے بارے میں علماء جرح و تعدیل نے کن الفاظ کے ساتھ جرح کی ہے، مفتی وقاص رفیع نے یہ جرحیں جان بوجھ کر نہیں ذکر کیں:

- امام شافعی نے کہا کہ: واقدی کی تمام کتابیں (کذب) جھوٹ ہیں. (اس میں اس کی تمام کتابیں آتی ہیں)
- امام یحیٰی بن معین کہتے ہیں "لیس بشيء" یہ کچھ بھی نہیں.
- علی بن المدینی کہتے ہیں کہ "واقدی سے روایت نہ لی جائے، یہ روایت لینے کے لائق ہی نہیں."

- اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ "میرے نزدیک یہ جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا ".
- امام احمد بن حنبل کہتے ہیں یہ "کذاب" بڑا جھوٹا ہے .
- امام بخاری کہتے ہیں واقدی "متروك الحديث" ہے، اور میرے پاس اس کے لیے کہنے کو ایک حرف بھی نہیں .
- ابوزرعہ رازی کہتے ہیں "یہ ضعیف ہے "
- امام مسلم کہتے ہیں یہ "متروك الحديث" ہے .
- امام ابو داود کہتے ہیں کہ "میں اس کی حدیث نہیں لکھتا "
- امام نسائی کہتے ہیں کہ "اللہ کے رسول پر جھوٹ گھڑنے والے بڑے جھوٹے چار ہیں، ان میں سے ایک واقدی ہے "
- امام دار قطنی کہتے ہیں کہ "یہ ضعیف ہے "
- امام بیہقی کہتے ہیں کہ "یہ ضعیف ہے" یہ "حجت نہیں ہے "
- ابن جوزی کہتے ہیں کہ "امام احمد نے اسے کذاب اور امام بخاری نے اسے متروك الحديث کہا ہے "
- امام نووی لکھتے ہیں کہ "**ضعيف باتفاقهم**" یہ بالاتفاق ضعیف ہے .
- امام ذہبی نے لکھا کہ "**مجمعٌ على ضعفه**" اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے .

  نیز یہی امام ذہبی کہتے ہیں کہ: "**وقد وثقه غير واحد لكن لا عبرة بقولهم مع توافر من تركه**" کچھ لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ جنہوں نے اسے ترک کیا ہے وہ وافر تعداد میں ہیں .
- امام علائی کہتے ہیں کہ "**متروكٌ باتفاق لا يُحتج به**" اس کے ترک پر اتفاق ہے، اس سے دلیل نہ پکڑی جائے .

- ابن الملقن کہتے ہیں: "كذّاب ، قاله أحمد ، وزاد النسائي : وضّاع" امام احمد نے اسے بڑا جھوٹا کہا ہے، اور امام نسائی نے اسے "وضاع" حدیثیں گھڑنے والا کہا ہے.
- امام ہیثمی بھی اسے "کذاب" کہتے ہیں .
- امام بوصیری بھی اسے "کذاب" کہتے ہیں .
  مناوی نے بھی اسے "کذاب" کہا ہے .
- شیخ البانی نے بھی اسے "کذاب" لکھا ہے.

(نوٹ: ان تمام جرحوں کے حوالے دستیاب ہیں، طلب کرنے پر مل سکتے ہیں)

امام احمد بن حنبل نے تو اس پر "مفسر جرح کی ہے" ابو حاتم رازی نے ان کی جرح کے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں : " **قال أحمد بن حنبل: كان الواقدي يقلب الاحاديث يلقى حديث ابن اخى الزهري على معمر ونحو هذا، قال اسحاق ابن راهويه كما وصف وأشد لانه عندي ممن يضع الحديث**"

احمد بن حنبل نے فرمایا: واقدی احادیث کو الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا (یعنی احادیث کی سندوں کو) وہ زہری کے بھائی کے بیٹے کی حدیث کو معمر کے ساتھ جوڑ دیا کرتا تھا، اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ : ہاں بات ایسی ہی ہے جیسے امام احمد نے بیان کی، بلکہ اس سے بھی زیادہ سنگین ہے، وہ (واقدی) میرے نزدیک تو ان لوگوں میں سے جو حدیثیں گھڑا کرتے ہیں.

(الجرح والتعدیل، جلد 8 صفحہ 21، حیدآباد دکن)

اسی طرح امام یحی بن معین کی جرح بھی واقدی پر "مفسر" ہے، کہ وہ مجہول لوگوں سے منکر احادیث روایت کرتا تھا (**نظرنا في حديث الواقدي فوجدنا حديثه عن المدنيين عن شيوخ مجهولين احاديث مناكير فقلنا يحتمل ان تكون تلك الاحاديث المناكير منه ويحتمل ان تكون منهم، ثم نظرنا إلى حديثه عن ابن ابى ذئب ومعمر فانه**

يضبط حديثهم فوجدناه قد حدث عنهما بالمناكير فعلمنا انه منه فتركنا حديثه)
(الجرح والتعدیل، جلد 8 صفحہ 21، حیدآباد دکن)

قارئین محترم! جب امام شافعی فرمائیں کہ "واقدی کی کتابیں جھوٹ ہیں" تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اگر واقدی کی کتاب کا نام لے کر اس کی کتاب سے یہ افسانہ نقل کیا ہے تو کیا یہ جھوٹ نہ ہوگا؟

جب امام احمد بن حنبل فرمائیں کہ یہ آدمی حدیث کی سندیں الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا اور کسی کی حدیث کسی دوسرے کے نام سے تیار کر دیا کرتا تھا... جب امام اسحاق بن راہویہ کہیں کہ "میرے نزدیک یہ جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا" امام علائی کہیں کہ "واقدی بالاتفاق متروک ہے" امام بخاری اسے "متروک" کہیں، امام نسائی اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں میں شمار کیں، امام نووی کہیں کہ "یہ بالاتفاق ضعیف ہے" امام ذہبی لکھیں کہ "**مجمع على ضعفه**" واقدی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے... تو مفتی وقاص رفیع نے یہ دجل کیوں دیا کہ:

"پس ثابت ہوا کہ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ، سیرت، تاریخ، غزوات اور اسلامی واقعات میں بلا شک و شبہ امام اور کسی اختلاف کے بغیر ایک مسلمہ شخصیت ہیں، البتہ فن حدیث کے محدثانہ معیار کے مطابق وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں لیکن حدیث میں ان کے مختلف فیہ ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ سیرت، تاریخ، مغازی اور اسلام واقعات میں بھی انہیں غیر معتبر سمجھا جائے"؟؟؟؟

کسی ایک معروف امام جرح و تعدیل نے یہ نہیں لکھا کہ "یہ حدیث میں تو کذاب و وضاع ہے لیکن تاریخ و مغازی کی روایات میں یہ قابل قبول اور ثقہ ہے"... جو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرتا ہو، اور جو حدیث کی سند بدل دیتا ہو اس کے بارے میں مفتی رائے ونڈ (وقاص رفیع) کا یہ لکھنا کہ یہ مغازی اور تاریخی روایات میں بالاتفاق امام اور سچا ہے.. یہ دھوکہ اور فریب ہے اور کچھ نہیں... نیز اس نئے نویلے مفتی کو یہ بھی علم نہیں کہ "جرح مفسر" کے مقابلے میں تعدیل قابل قبول نہیں ہوتی... ان مفتی صاحب کے "اکابرین" میں واقدی جیسا کذاب و وضاع بھی ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو یہ اپنے اکابر میں نہیں سمجھتے..... یا اِسفاہ.

یاد رہے کہ واقدی کی ولادت سنہ 130 ہجری کی ہے اور اس کی وفات 207 ہجری میں ہوئی، جبکہ جو افسانہ شیخ عبدالحق دہلوی نے واقدی کی کتاب کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ سنہ 63 ہجری کا ہے، یعنی واقدی کے پیدا ہونے سے تقریباً 67 سال پہلے کا، اور مفتی وقاص رفیع جو اپنے آپ کو مفتی بھی کہتا ہے اور فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ بھی وہ یہاں واقدی جیسے کذاب کی وکالت کر رہا ہے..

اگر متأخرین میں سے کسی اکا دکا لوگوں نے واقدی کی تعدیل بھی کی ہو تو وہ معتبر نہیں کہ اس پر جرح مفسر موجود ہے اور جرح بھی سخت ہے، نیز اس پر "کذب" کی جرح بھی ہے اور "وضع حدیث" کی بھی.. ایسے آدمی کی روایت قابل قبول نہیں چاہے وہ تاریخی روایت ہو یا حدیث کی.

اور مزے کی بات یہ کہ خود مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں "محدث عبدالرزاق الصنعانی" کے دفاع میں امام عقیلی کی محدث عبدالرزاق کے بارے میں اس جرح کا جواب امام ذہبی سے نقل کیا ہے جس میں امام عقیلی نے محدث عبدالرزاق کے بارے میں کہا تھا کہ "وہ اتنا بڑا جھوٹا ہے کہ محمد بن عمر واقدی اس سے سچا ہے"، یہاں مفتی وقاص رفیع نے امام ذہبی کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے "امام عقیلی کی مذکورہ جرح کا زبردست تعاقب کیا ہے" اور پھر مفتی وقاص رفیع نے امام ذہبی کی طویل عبارت مع اردو ترجمہ نقل کی ہے جس میں امام ذہبی کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ:

"(عبدالرزاق) پر وہ (یعنی امام عقیلی_ناقل) کذاب ہونے کی تہمت لگا رہا ہے (جی مفتی وقاص رفیع نے امام عقیلی کے بارے میں "لگا رہا ہے" سے ہی ترجمہ کیا ہے_ناقل) اور ان پر واقدی کو مقدم کر رہا ہے کہ جس کے ترک پر حفاظ حدیث کا اجماع ہے، پس وہ اپنی اس بات میں یقیناً اجماع کی مخالفت کر رہا ہے"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 190)

قارئین محترم! جہاں محدث عبدالرزاق صنعانی کا دفاع کرنا تھا، وہاں مفتی وقاص رفیع نے امام ذہبی کی یہ عبارت اپنے حق میں پیش کی ہے جس میں امام ذہبی نے لکھا ہے کہ "واقدی کے ترک پر حفاظ حدیث کا اجماع ہے"، وہاں مفتی وقاص رفیع نے امام ذہبی کی اس بات پر کوئی نوٹ کیوں نہیں لکھا؟؟

پھر مفتی وقاص کو میرا مشورہ ہے کہ وہ اپنی یہ غلط فہمی دور کرنے کے لیے کہ "واقدی حدیث میں تو ضعیف ہے لیکن تاریخ اور مغازی میں امام ہے" حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی کتاب "حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق" کا صفحہ نمبر 133 تا 140 پڑھ لیں، اس مضمون کا عنوان ہے "تاریخی روایات کا مسئلہ"..

مفتی جی کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی کا "تاریخ و مغازی میں امام" ہونے کا کیا مطلب ہے؟.

یہاں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رح) کی عبارات کی بحث ختم ہوتی ہے..

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 13)

اپنی کتاب کے صفحہ 470 سے مفتی وقاص رفیع نے شیخ ابوسعید المعروف ملا جیون (رح) صاحب نور الانوار شرح المنار کی بات شروع کی ہے، "نور الانوار" میں ملا جیون نے "جہلِ باطل" اور "سنت مشہورہ کی مخالفت" کی مثال ذکر کرتے ہوئے نہ صرف امام شافعی رحمہ اللہ کا ذکر کیا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی کر دیا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کی مخالفت میں فیصلہ صادر فرمایا.
یہ لکھنے کے بعد ملا جیون نے بھی لکھا کہ یہ بات اسلاف نے کہی ہے اس لئے میں نے ذکر کردی، اگر اسلاف نے نہ کہی ہوتی تو میں اس بات کی جرات نہ کرتا.

قارئین محترم! ملا جیون جس کتاب "المنار" کی شرح کر رہے ہیں اس کتاب میں بھی یہ مثالیں موجود نہیں ہیں، اور ملا جیون نے یہ مانتے ہوئے کہ ایک صحابی نیز فقہ و حدیث کے ایک معروف امام کی طرف "جہل باطل" اور "حدیث رسول کی صریح مخالفت" کی نسبت کرنے کی جسارت بہت بڑی بات ہے (کیونکہ یہ بے ادبی ہے) لیکن پھر بھی اسلاف کا نام لے کر انہوں نے یہ مثالیں نام لے کر ذکر کر دیں، حالانکہ اگر بالفرض کسی نے یہ بات پہلے کہی بھی تھی تو انھیں چاہیے تھا کہ وہ اسے ذکر ہی نہ کرتے یا یوں ذکر کرتے کہ بعض اسلاف نے یوں کہا ہے جو کہ ایک صحابی اور امام شافعی کی بے ادبی ہے، لیکن انہوں نے بلا وجہ اور بلا کسی تعلق کے یہ بات یہاں لکھ ماری.
خود مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے کہ:
"یہ مسئلہ صحابہ کرام کے درمیان مختلف فیہ چلا آرہا ہے اور اسی وجہ سے فقہاء میں بھی مختلف فیہ ہی رہا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس فعل کی نسبت حضرت معاویہ (رض) کی طرف صحیح ہے یا نہیں، تاہم اتنی بات ضرور

ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ، مجتہد فیہ اور صحابہ کرام کا معمول بہا ہونے کی وجہ سے "جہل باطل" یا "بدعت" کے زمرے میں کسی طرح بھی نہیں آتا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: 476)

غور فرمائیں! جب خود مفتی وقاص رفیع تسلیم کرتے ہیں کہ جس مسئلہ میں ملا جیون نے حضرت معاویہ (رض) اور امام شافعی (رح) کی طرف "جہل باطل" اور "حدیث کی صریح مخالفت" کی نسبت کی ہے وہ درست نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ صحابہ کرام کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے اور اسی طرح فقہاء کے درمیان بھی، اور یہ اجتہادی اختلاف ہے .. تو پھر مفتی وقاص رفیع کو یہ کہنے میں کیوں شرم آتی ہے کہ ملا جیون نے یہاں خوامخواہ حضرت معاویہ (رض) اور حضرت امام شافعی (رح) کی طرف "جہل باطل" کی نسبت جو کی ہے یہ درست نہیں اور ملا جیون کی غلطی یا تسامح ہے؟؟؟ اور اگر دیکھا جائے تو ان تمام صحابہ کرام اور فقہاء کی طرف بھی "جہل باطل" اور "حدیث کی مخالفت" کی نسبت ہے جن کا مفتی وقاص رفیع کے اپنے اقرار کے مطابق یہی مسلک ہے...

نیز مفتی موصوف آگے علامہ تفتازانی کی کتاب "التلویح علی التوضیح" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "انہوں نے بھی مبسوط کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بدعت ہے اور سب سے پہلا اس کے ساتھ فیصلہ حضرت معاویہ نے کیا" (مفتی رفیع کی کتاب: صفحہ 477) ... جبکہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے تو "توضیح" میں لکھی گئی بات کی تردید ان الفاظ کے ساتھ کی ہے کہ:

لَكِنَّ الْمَرْوِيَّ عَنْ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «قَضَى بِشَهَادَةِ شَاهِدٍ وَيَمِينِ صَاحِبِ الْحَقِّ» وَرُوِيَ عَنْهُ أَيْضًا «أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يَقْضُونَ بِشَهَادَةِ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ وَيَمِينِ الْمُدَّعِي» ، وَعَنْ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - أَنَّهُ كَانَ يَقْضِي بِالشَّاهِدِ، وَالْيَمِينِ فَعَلَى هَذَا لَا يَكُونُ الْعَمَلُ بِهِ مِنْ مُبْتَدَعَاتِ مُعَاوِيَةَ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ صاحب حق کے حق میں فیصلہ فرمایا، اور حضرت علی (رض) ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، عمر

وعثمان (رضی اللہ عنہم) یہ تمام ایک گواہ کی گواہی اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا کرتے تھے، اسی طرح حضرت علی (رض) سے خود یہ بات مروی ہے کہ آپ بھی ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا کرتے تھے، لہٰذا اس پر عمل کرنا حضرت معاویہ (رض) کی بدعات میں سے نہیں۔

(التلویح علی التوضیح، جلد 2 صفحہ 8 و 9 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

تو علامہ تفتازانی تو "توضیح" کی شرح "تلویح" میں صاحب توضیح کی بات کی تردید فرمارہے ہیں اور بتارہے ہیں کہ یہ عمل تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ سے ثابت ہے، اور اسے روایت کرنے والے بھی حضرت علی (رض) ہیں... اس لیے یہ کہنا کہ یہ عمل سب سے پہلے حضرت معاویہ (رض) نے کیا، درست نہیں.. لیکن مفتی وقاص رفیع انتہائی دجل کا ثبوت دیتے ہوئے علامہ تفتازانی کا نام لے کر تلویح کا حوالہ دے رہے ہیں لیکن علامہ تفتازانی کی یہ بات نقل نہیں کرتے بلکہ "توضیح" کی بات کو علامہ تفتازانی کی بات ظاہر کر رہے ہیں... آخر حقیقت بتائیں بھی کیوں؟ انھیں تو حضرت معاویہ (رض) کو بدعتی ثابت کرنا ہے اور ملا جیون اور صاحب توضیح کو معصوم بنانا ہے..

نوٹ: جمہور فقہاء کرام بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ "مالی امور" میں مدعی نے اگر ایک گواہ پیش کیا اور ساتھ قسم بھی اٹھالی تو اس کے حق میں فیصلہ ہو سکتا ہے، صرف احناف کے نزدیک ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ نہیں ہو سکتا.. اس کی مزید تفصیل علامہ وہبہ زحیلی (رح) کی کتاب "الفقه الاسلامی وأدلته" میں دیکھی جا سکتی ہے جہاں دونوں اطراف کے اقوال ہر ایک کے دلائل کے ساتھ موجود ہیں...

انہوں نے عربی الفاظ میں اسے یوں بیان کیا ہے:

القضاء بشاهد ويمين:

إذا أقام المدعي شاهداً، وعجز عن تقديم شاهد آخر وحلف مع شاهده، هل يقضى به بشاهده ويمينه؟

1 - قال الحنفية : لا يقضى بالشاهد الواحد مع اليمين في شيء..... (الى قوله)

2 - وقال جمهور الفقهاء : يقضى باليمين مع الشاهد في الأموال

(دیکھیں: الفقه الاسلامی وادلته للزحیلي، جلد6 صفحہ 526 – 527 دارالفکر، دمشق)

اگرچہ مجھے مفتی وقاص کے پیش کیے گئے حوالوں پر بات کرنے کی ہی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ اگر ایک غلط بات سو بندوں نے بھی کہیں سے نقل کردی ہے تو وہ غلط ہی رہے گی... لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مفتی وقاص رفیع کی علمی خیانت بھی ساتھ ساتھ بیان ہوتی رہے...

مفتی وقاص رفیع کی ایک خیانت تو آپ نے اوپر ملاحظہ فرمائی کہ انہوں نے علامہ تفتازانی کی "تلویح" کا حوالہ تو دیا لیکن ان کی وہ بات نہیں نقل کی جو انہوں نے صاحب "توضیح" کے رد میں لکھی ہے..

یہ بھی ذہن میں رہے کہ "زہری" کے حوالے سے روایت پیش کی جاتی ہے کہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ مدعی کے حق میں سب سے پہلے فیصلہ حضرت معاویہ (رض) نے کیا تھا... جبکہ "زہری" خود پیدا ہوئے 58 ہجری میں، یعنی جب حضرت معاویہ رض) کی وفات سنہ 60 ہجری میں ہوئی تو اس وقت زہری دو سال کے بچے تھے... تو ان کا قول (اگر ان تک صحیح سند سے بھی ثابت ہو) ایک ایسے دور کے بارے میں جس میں وہ موجود ہی نہ تھے کیسے مستند ہو سکتا ہے؟

اب آگے ایک اور خیانت ملاحظہ ہو.. مفتی موصوف نے سرخسی کی "مبسوط" کا حوالہ بھی ان الفاظ کے ساتھ دیا ہے:

"شمس الائمہ امام سرخسی لکھتے ہیں: أول من قضى به معاوية ..ترجمہ: (ایک گواہ اور قسم کے ساتھ) سب سے پہلے حضرت معاویہ نے فیصلہ دیا" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 477)

مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ایک بندہ جو اپنے آپ کو "مفتی" کہتا ہے وہ بھی ایسا دجل کر سکتا ہے؟ میں نے سرخسی کی "مبسوط" چھان ماری لیکن مجھے وہاں "ایک گواہ اور قسم" کی بحث میں حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں یہ بات کہیں نہیں ملی، اور جو عبارت مفتی وقاص رفیع نے پیش کی ہے وہ "باب القسامة" کی ہے اور وہاں "قَود" کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ صرف "قسم" ہوتی ہے نہ کہ "گواہی اور قسم"... مفتی وقاص رفیع

نے انتہائی خیانت کرتے ہوے اردو ترجمہ میں "ایک گواہ اور قسم کے ساتھ" کے الفاظ ڈالے ہیں.. اللہ انھیں ہدایت دے.

اب آگے دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی منطق، لکھتے ہیں:

"ان حوالہ جات سے ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ بعض اسلاف سے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں اس قسم کی بعض روایات واقعتاً منقول ہیں، تاہم اس سے یہ ہر گز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا مسلک بھی اس بارے میں یہی تھا جب کہ وہ خود اقرار کر رہے ہیں کہ "یہ سب کچھ ہم نے اس طرح نقل کیا جو ہمارے اسلاف نے فرمایا ہے اگرچہ ہم اس پر جرءت نہیں کرتے"....

نوٹ: یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی کو گالی دینا چاہتا ہو اور یوں کہے کہ "اس کے بارے میں فلاں فلاں آدمی یوں یوں کہتا ہے"..... اور ساتھ ہی کہہ دے کہ توبہ توبہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا، یہ تو فلاں فلاں کی بات میں نے نقل کی ہے...

(آگے لکھتے ہیں)

"لہٰذا اس تناظر میں ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بعض اسلاف کا مذکورہ بالا قول حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں صرف نقل کیا ہے جس کی وجہ سے انھیں حضرت معاویہ (رض) کا ناقد ہر گز نہیں ٹھہرایا جا سکتا اس لئے کہ حضرت معاویہ (رض) کے حق میں بعض اسلاف کے مذکورہ اقوال نقل کرنے میں ملا جیون کی حیثیت محض ایک ناقل کی ہے، خود ان کا اپنا نظریہ اور موقف اس بارے میں وہ نہیں ہے جو انہوں نے نقل کیا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 477و475)

جناب! انہوں نے نقل کیا اور "جہل باطل" کی مثال کے طور پر نقل کیا، جبکہ جن اسلاف کا وہ نام لیتے ہیں ان میں سے کسی نے بھی "جہل باطل" کی مثال حضرت معاویہ (رض) سے نہیں دی اس لیے ملاجیون اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں.. ہاں اگر مفتی وقاص رفیع کے نزدیک ملاجیون سے غلطی نہیں ہو سکتی تو اور بات ہے.

قارئین محترم! عربی کا ایک مقولہ ہے "فرّ من المطر وقام تحت المیزاب" (بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے جا کھڑا ہوا)، یہی حال ہے مفتی وقاص رفیع کا، وہ یہ تو تسلیم کر گئے کہ یہ بات تو واقعی حضرت معاویہ (رض) کے حق میں بے ادبی اور گستاخی ہے، اب ملاجیون کو بچاتے ہیں کہ انہوں نے تو صرف یہ بات نقل کی ہے، اور یہ ان کا نظریہ نہیں ہے... یعنی ثابت ہوا کہ جن حضرات نے یہ بات خود لکھی ہے اور جن کا یہ نظریہ ہے وہ سب حضرت معاویہ (رض) کے ناقد ہوئے .... ملاجیون کو بچاتے ہوے مفتی وقاص رفیع شمس الاسلام سرخسی، صاحب توضیح، صاحب انوار البروق، صاحب المحیط البرہانی وغیرہم کو "ناقدین معاویہ" تسلیم کر چکے.. اور ملاجیون کو یہ لکھ کر بچا چکے کہ "وہ تو صرف ناقل ہیں، لکھنے والے تو اور ہیں"..

نیز غور فرمائیں! صاحب تلویح "علامہ تفتازانی" نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ان سے پہلے خلفاء ثلاثہ کا مسلک بھی یہی لکھا ہے کہ "وہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کیا کرتے تھے"... تو اگر یہ "نعوذ باللہ" بقول ملاجیون "جہل باطل" ہے تو سوچیں بات صرف حضرت معاویہ (رض) تک رہے گی یا کہاں تک پہنچے گی؟

جب مفتی وقاص رفیع کو اس بات کا احساس ہوا تو انہوں نے یوں قلابازی کھائی:

"باقی رہے وہ اسلاف جو اس روایت کے اصل ناقل ہیں، تو انہوں نے بھی اصولا کوئی خلاف اسلام بات نہیں کہی، اس لیے کہ اہل سنت صحابہ کرام سے غلطی، لغزش، خطائے اجتہادی، صغیرہ وکبیرہ معصیت سبھی کا امکان مانتے ہیں" (صفحہ 478)

جی ہاں مفتی وقاص رفیع صاحب! اہل سنت صرف صحابہ کرام کے بارے میں ہی یہ امکان مانتے ہیں، لیکن ملا جیون، ملا علی قاری، ابوبکر جصاص، تفتازانی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہم کے بارے میں اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ یہ سب معصوم ہیں، یہ حضرت معاویہ (رض) کے ناقد نہیں ہو سکتے، انہوں نے جو بھی لکھا ہے وہ بالکل درست ہے، ان سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی.. اور نہ مفتی وقاص رفیع سے ہو سکتی ہے، اور ہاں تمام صحابہ کرام سے غلطی، لغزش بلکہ گناہ تک ہو سکتا ہے لیکن اگر یہی بات کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہہ دے تو اس پر ناصبی اور خارجی کے فتوے لگائے جائیں گے... شرم تم کو مگر نہیں آتی... غیر صحابیوں کی غلط بات کا تو دفاع کرتے ہو اور دلیل یہ دیتے ہو کہ صحابہ معصوم تھوڑی ہیں؟؟ اگر یہ "دیوبندیت" ہے تو پھر مودودیت اور رافضیت کس چیز کا نام ہے؟

آخر میں مفتی وقاص رفیع نے اپنے سارے کیے کرائے پر خود یوں پانی پھیر دیا کہ:

"ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ فی الواقع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا فیصلہ کا صدور ثابت نہ ہو اور ان کی طرف غلطی سے اس کی نسبت کر دی جائے تو واقعی یہ بالکل خلاف واقع بات اور ایک انتہائی ناروا جسارت کہلائی جائے گی لیکن یہ بھی تب ہے کہ سند پر بحث کی جائے" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 478)

تو مفتی وقاص رفیع! سند پر بحث کریں ناں اگر ہمت ہے تو، آپ نے "مبسوط" اور "توضیح" وغیرہ کے حوالے تو پیش کر دیے، وہاں تو اس بات کی سرے سے کوئی سند موجود ہی نہیں، اور جو زہری کی حوالے سے کسی نے ذکر کیا ہے تو میں نے بتا دیا کہ زہری نے تو حضرت معاویہ (رض) کا عہد پایا ہی نہیں، وہ تو حضرت معاویہ (رض) کی وفات کے وقت دو سال کے بچے تھے.. اب یا تو مفتی وقاص رفیع اس بات کی صحیح متصل سند پیش کریں کہ "سب سے پہلے ایک گواہ قسم کے ساتھ فیصلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا" (جیسا کہ دعوا کیا گیا ہے)، اور اگر کوئی سند نہ پیش کر سکیں تو تسلیم کریں کہ جس نے بھی یہ بات لکھی ہے یا نقل کی ہے اس نے غلطی کی ہے اور یہ حضرت معاویہ (رض) پر تنقید ہی ہے.....

اگر آپ سند پر بات کرنا چاہیں تو آئیں میدان میں، میں ان جمہور فقہاء کرام کے دلائل احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش کروں گا جو کہتے ہیں کہ "ایک گواہ اور قسم کے ساتھ مدعی کے حق میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے"...

آگے قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کی عبارت پر بات ہوگی، اور مفتی وقاص رفیع کے "اہل حل و عقد" کی تعریف کے بارے میں من گھڑت، جاہلانہ، اور دجل وفریب سے بھرپور فلسفے کا پوسٹ مارٹم ہوگا.... انتظار فرمایئے.

اکابر کے نادان وکیل : (قسط : 14)

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ 479 سے علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کی چند عبارات پر بحث شروع کی ہے.

قارئین محترم! جیسا کہ خود مفتی وقاص رفیع بار بار اپنی اس کتاب میں یہ بات دہراتے ہیں کہ "اہل سنت، صحابہ کرام سے غلطی، لغزش، صغیرہ وکبیرہ گناہ بلکہ معصیت سبھی کا امکان مانتے ہیں" .. اس سے مفتی وقاص رفیع کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ اگر کسی نے کسی صحابی کی طرف غلطی، گناہ یا معصیت کی نسبت کی بھی ہے تو اصولا یہ بات کوئی خلاف اسلام نہیں کہ صحابہ کرام معصوم نہیں...

تو ہم مفتی وقاص رفیع کی اسی منطق کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"اگر اس وجہ سے کہ صحابہ کرام معصوم نہیں، اور ان سے گناہ کبیرہ و صغیرہ اور معصیت کے کام ہونا ممکن ہے، ان کی غلطیاں نکالنا، اور یہ فیصلے کرنا کہ فلاں صحابی سے فلاں معصیت ہوئی، اور فلاں جگہ اس نے قرآن وسنت کو ترک کردیا، یہ مفتی وقاص کی نظر میں اصولا خلاف اسلام نہیں ... جبکہ صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالی نے "رضي الله عنهم ورضوا عنه" اور "وكلاً وعد الله الحسنى" جیسے اعلان بھی کر رکھے ہیں... اور کتب اسماء الرجال وجرح وتعدیل میں کسی صحابی پر جرح نہیں کی جاسکتی... تو پھر صحابہ کرام کے کئی سو سال بعد پیدا ہونے والے غیر صحابہ اکابرین سے تو بطریق اولی گناہ، معصیت اور خلاف قرآن وسنت افعال صادر ہو سکتے ہوں گے ... اور ان کے بارے میں اللہ نے "وکلا وعد اللہ الحسنی" جیسے وعدے بھی نہیں کیے, تو کیا وجہ ہے کہ مفتی وقاص رفیع صاحب اور ان کے ہمنوا غیر صحابہ اکابرین کے بارے میں تو یہ سننا بھی گوارا نہیں کرتے کہ ان کی فلاں عبارت میں حضرت معاویہ (رض) یا کسی اور صحابی کے بارے میں بے ادبی

یا تنقید پائی جاتی ہے؟... یہاں مفتی وقاص اور ہمنوا "اکابر کے گستاخ" کا فتویٰ لگاتے ہیں... یہ دورنگی کیوں؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ غیر صحابہ اکابرین سارے مل کر بھی صرف ایک چھوٹے صحابی کے درجے کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے...

لیکن ہم اس سے بھی ایک درجہ نیچے اتر کر مفتی وقاص رفیع اور ان کے ہمنواؤں سے کہتے ہیں کہ کم از کم جو پیمانہ تم نے اپنے غیر صحابہ اکابر کے لئے مقرر کر رکھا ہے وہ تو صحابی کے لیے قبول کرو... اگر تم سمجھتے ہو کہ صحابہ کرام کو کٹہرے میں کھڑا کرکے ان کے خلاف فیصلے کرنا درست ہے کہ صحابہ معصوم نہیں... تو پھر غیر صحابہ اکابرین سے اگر کوئی تسامح یا غلطی ہوئی ہے تو اسے غلطی اور تنقید بر صحابی تسلیم کرنے میں تمہیں اتنی کوفت کیوں ہوتی ہے؟؟ اگر کسی صحابی کو تمہارے نزدیک "طاغی" "باغی" "قرآن وسنت مہجور کرنے والا" "باطل پر" "فسادی" وغیرہ جیسے الفاظ کہنے سے اس صحابی کی شان مجروح نہیں ہوتی تو پھر کسی غیر صحابی کے لیے اس سے بہت چھوٹے لفظ "ناقدین" وغیرہ کہنے سے تمھاری نیندیں کیوں اڑ جاتی ہیں اور تم لوگ "ناصبی" "خارجی" کے فتوے کیوں لگانا شروع کردیتے ہو؟؟؟ یہ دورنگی چھوڑ دو اور یک رنگ ہو جاؤ... اگر ایک اصول کو مانتے ہو تو وہ اصول ہر جگہ لاگو کرو..

اب مثلاً قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کو ہی لے لیجئے، ان کا علم و فضل اپنی جگہ، ان کے مجاہدانہ کارنامے اپنی جگہ، لیکن کیا ان سے کہیں غلطی نہیں ہو سکتی؟؟ ضرور ہو سکتی ہے اور ہوئی ہے... ایک مثال میں یہاں پیش کرتا ہوں ..

انہوں نے تفسیر مظہری کہ نام سے ایک تفسیر بھی لکھی ہے، سورۃ النساء کی آیت 159 (وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا) کے تحت قاضی ثناء اللہ صاحب نے صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی ہے کہ انہوں نے "قبل موتہ" میں "ہ" کی ضمیر حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف لوٹائی ہے (جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں بھی اس کا ذکر ہے)، چنانچہ قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ ضمیر حضرت عیسی (ع) کی طرف لوٹانا ممنوع ہے، یہ حضرت ابوہریرہ (ض) کا اپنا زعم اور خیال ہے، کسی صحیح مرفوع حدیث میں یہ بات نہیں بیان ہوئی، یہ تفسیر صحیح نہیں ہو سکتی... الخ (تفسیر مظہری، تحت آیت مذکورہ)

اب یہاں ہم بصد احترام قاضی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ ایک صحابی رسول کی تفسیر کو جو کہ صحیح بخاری میں صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے یوں ایک دم "ممنوع" اور "**کیف یصح**" کے الفاظ سے بیان کریں..

اب اگر کوئی یہاں اس بات کو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب کا "تسامح" یا "غلطی" کہے تو اسے اکابر کا گستاخ کہنا چہ معنی دارد؟؟ کیا ان سے غلطی یا بے احتیاطی نہیں ہو سکتی؟؟ لیکن مفتی وقاص اینڈ کمپنی شاید یہاں بھی یہ ثابت کرنا شروع کردیں کہ قاضی ثناء للہ صاحب نے درست لکھا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے جو سمجھا ہے وہ غلط ہی ہے... اور وہ معصوم تھوڑی ہیں کہ ان سے اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی نہ ہوسکے.. واللہ اعلم.

انہی قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب (رح) کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے "السیف المسلول" جو کہ بنیادی طور پر اہل تشیع کے افکار و نظریات کے رد میں ہے، لیکن بعض مقامات پر بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت قاضی صاحب نے حد سے تجاوز کیا ہے... جس کی تفصیل یہ ہے:

ایک جگہ حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) کی صلح کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت معاویہ (رض) کی خلافت، خلفاء اربعہ (رض) کی خلافت کی طرح اہل حل و عقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی" (السیف المسلول، اردو ترجمہ، صفحہ 201، فاروقی کتب خانہ ملتان)

پھر اپنی اسی کتاب میں آگے چل کر ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی (رض) کی خلافت بر حق تھی، اور حضرت معاویہ (رض) باطل پر تھے"

(السیف المسلول، اردو ترجمہ، صفحہ 375)

یوں قاضی ثناء اللہ صاحب (رح) نے دو باتیں لکھیں، ایک یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو ان کی خلافت "خلفائے اربعہ کی طرح" اہل حل و عقد کے مشورے سے نہیں قائم ہوئی تھی (یعنی دوسرے لفظوں میں وہ زبردستی خلیفہ بن گئے تھے_ناقل)، اور دوسرا قاضی صاحب نے حضرت معاویہ (رض) کو "باطل" پر لکھا ہے (اجتہادی خطا وغیرہ نہیں کہا_ناقل) اور اسے اہل سنت کا مسلک بتایا ہے.

ہمارے خیال میں قاضی صاحب کی یہ دونوں باتیں درست نہیں، دوسری بات کا غلط ہونا تو واضح ہے کہ اہل سنت میں سے جو حضرات حضرت معاویہ (رض) کی خطا کے بھی قائل ہیں تو وہ صرف "خطائے اجتہادی" کے قائل ہیں، اور وہ حضرت علی و حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے اختلاف کو "حق و باطل" کا اختلاف نہیں کہتے بلکہ "اجتہادی اختلاف" کہتے ہیں ... جبکہ قاضی صاحب نے "باطل" کا لفظ لکھا ہے جو کہ اہل سنت کا مسلک نہیں .. "باطل" پر ایک اجر نہیں ملا کرتا، جبکہ جو اہل سنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "مجتہد مخطی" کہتے ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ انھیں بھی ایک اجر ملے گا... لہٰذا قاضی صاحب کی یہ بات تو اہل سنت کا مسلک نہیں، یہ قاضی صاحب کا تسامح ہی ہے.. معروف مفسر امام قرطبیؒ (متوفی 671 ہجری) لکھتے ہیں کہ:

لَا يَجُوزُ أَنْ يُنْسَبَ إِلَى أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ خَطَأٌ مَقْطُوعٌ بِهِ، إِذْ كَانُوا كُلَّهُمُ اجْتَهَدُوا فِيمَا فَعَلُوهُ وَأَرَادُوا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَهُمْ كُلُّهُمْ لَنَا أَئِمَّةٌ (صحابہ میں سے کسی ایک کی طرف بھی قطعی خطا کی نسبت کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ ان سب نے جو کیا اس میں اجتہاد کیا اور ان کی غرض اللہ عزوجل کی رضاء تھی، اور وہ سب ہمارے امام ہیں).

(تفسیر قرطبیؒ، جلد 16 صفحہ 321، القاہرۃ، فی تفسیر سورۃ الحجرات، آیت: 9)

ملاحظہ فرمائیں! امام قرطبیؒ تو "خطأ" (غلطی) کی بھی قطعی نسبت بھی کسی مجتہد صحابی کی طرف "ناجائز" بتلا رہے ہیں، اور قاضی ثناء اللہ صاحب "باطل" کی قطعی نسبت ایک مجتہد صحابی حضرت معاویہ (رض) کی طرف کر رہے ہیں..

مفتی وقاص رفیع اور ان کے ہمنواؤں کے لیے ان کے مقتدا اور قائد اہل سنت حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی ایک عبارت پیش کرکے آگے چلتا ہوں، لکھتے ہیں:

"... حضرت امیر معاویہ (رض) نے جو کچھ کیا اجتہاد پر مبنی ہے، اس کو خطأ تو کہہ سکتے ہیں لیکن باطل نہیں کہہ سکتے..."

(خارجی فتنہ صفحہ 295 – 296 جلد 1 طبع اول)

اب مجھے ڈر ہے کہ کہیں مفتی وقاص رفیع، قاضی مظہر حسین صاحب (رح) پر بھی قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کی گستاخی کا الزام نہ لگا دیں.

مفتی وقاص رفیع نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کا دفاع کرتے ہوئے صرف مولانا عبدالعزیز فرہاروی (رح) کی کتاب سے ایک عبارت نقل کی ہے کہ "انہوں نے اہل سنت کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف جو خروج کیا تھا وہ ایک ناحق خروج تھا لیکن چونکہ تھا ان کے اجتہاد شرعی کے نتیجہ میں اس لیے ان کے حق میں وہ معاف ہے".. (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 488)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع اپنی کتاب میں بار بار یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ "حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف خروج کیا تھا" .... (خروج کا مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف لشکر کشی کی تھی) .. یہ سراسر جھوٹ اور غلط ہے، نہ ہی جنگ جمل میں عائشہ وطلحہ وزبیر (رضی اللہ عنہم) نے حضرت علی (رض) کے خلاف کوئی لشکری کشی کی تھی اور نہ ہی جنگ صفین میں حضرت معاویہ (رض) یا اہل شام نے حضرت علی (رض) کے خلاف لشکر کشی کی تھی .... بلکہ

دونوں جگہ لشکر کشی حضرت علی (رض) کی طرف سے ہوئی تھی.. لہٰذا دنیا کا کوئی آدمی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف خروج یا لشکر کشی کی تھی... مفتی وقاص رفیع نہ جانے کسے دھوکہ دینا چاہتے ہیں.. تاریخ کے طالب علم کو وہ یہ دھوکہ نہیں دے سکتے.

دوسری بات کیا مولانا عبدالعزیز فرہاروی (رح) نے حضرت معاویہ (رض) کے لئے "باطل" کا لفظ بولا ہے؟؟ ہرگز نہیں... نیز یہ بات بھی غلط ہے کہ "اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی (رض) کے خلاف لڑنے والے سب غلط یا ناحق تھے".. بلکہ ابن حزم (رح) نے تو جمہور صحابہ اور جمہور اہل سنت کا مسلک یہ لکھا ہے کہ وہ ان جنگوں میں کسی بھی فریق کو "حق" اور "ناحق" کہنے کے بجائے توقف کرتے ہیں :

وَذهب سعد بن أبي وَقاص وَعبد الله بن عمر وَجُمْهُور الصَّحَابَة إِلَى الْوُقُوف فِي عَليّ وَأهل الْجمل وَأهل صفّين وَبِه يَقُول جُمْهُور أهل السّنة وَأَبُو بكر بن كيسَان .

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور جمہور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا موقف ہے کہ ہم جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں کے بارے میں توقف کرتے ہیں (یعنی ہم یہ فیصلہ نہیں دیتے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط_ناقل) اور جمہور اہل سنت اور ابو بکر بن کیسان کا یہی مسلک ہے.

(الفصل فی الملل والنحل، جلد 4 صفحہ 119 – 120، مکتبۃ الخانجی، مصر)

لیجئے! ابن حزم (رح) جو کہ سنہ 384 ہجری میں پیدا ہوئے اور جن کی وفات سنہ 456 ہجری میں ہوئی وہ تو اس وقت تک "جمہور صحابہ کرام اور جمہور اہل سنت" کا مسلک اس بارے میں "توقف" بتا رہے ہیں، نہ یہ کہ فلاں حق پر تھا اور فلاں باطل پر.

(اس بارے میں مزید حوالے وقت آنے پر پیش کئے جائیں گے)

لہٰذا قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رح) کا حضرت معاویہ (رض) کے لیے "باطل" کا لفظ لکھنا حد سے تجاوز ہے... جیسا کہ امام قرطبیؒ اور قاضی مظہر حسین صاحب کے حوالے سے بھی گزرا.

مفتی وقاص رفیع کا "اہل حل وعقد" کے بارے میں من گھڑت نظریہ

اب آتے ہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب (رح) کی اس بات کی طرف کہ:

"حضرت معاویہ (رض) کی خلافت، خلفاء اربعہ (رض) کی خلافت کی طرح اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی" (السیف المسلول، اردو ترجمہ، صفحہ 201، فاروقی کتب خانہ ملتان)

قاضی صاحب کی اس بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "پہلے چاروں خلفاء (رض) کو تو اہل حل وعقد نے مشورے سے خلیفہ بنایا تھا، لیکن حضرت معاویہ (رض) کی خلافت اہل حل وعقد کے مشورے اور مرضی سے نہیں ہوئی... تو یقیناً اس کا مطلب ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے زبردستی طاقت کے زور پر خلافت پر قبضہ کیا ہوگا...

مجھے یہاں امام احمد بن حنبل (رح) کا صحیح سند کے ساتھ منقول ایک قول یاد آرہا ہے، آپ کو ایک رقعہ آیا جس میں لکھا تھا کہ:

"مَا تَقُولُ رَحِمَكَ اللَّهُ فِيمَنْ قَالَ: لَا أَقُولُ إِنَّ مُعَاوِيَةَ كَاتِبُ الْوَحْيِ، وَلَا أَقُولُ إِنَّهُ خَالُ الْمُؤْمِنِينَ، فَإِنَّهُ أَخَذَهَا بِالسَّيْفِ غَصْبًا؟" آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے جو کہتا ہے کہ: میں حضرت معاویہ کو کاتب وحی اور خال المؤمنین نہیں مانتا، اس لیے کہ انہوں نے (خلافت) تلوار کے زور پر غصب کی تھی..

تو امام احمد بن حنبل (رح) نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"هَذَا قَوْلُ سَوْءٍ رَدِيءٌ، يُجَانَبُونَ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ، وَلَا يُجَالَسُونَ، وَنُبَيِّنُ أَمْرَهُمْ لِلنَّاسِ" یہ بری اور گھٹیا بات ہے، ایسے لوگوں سے الگ رہا جائے، ان کے ساتھ نشست و برخواست نہ کی جائے اور ہمیں لوگوں کے سامنے ایسے لوگوں کی حقیقت آشکار کرنی چاہئے.

(السنة لابي بكر الخلال، ج2 صفحہ 434، دار الرایۃ)

ملاحظہ فرمائیں! امام احمد بن حنبل (رح) ایسے لوگوں سے دور رہنے کا فرمارہے ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) نے بزور تلوار خلافت پر قبضہ کیا تھا... اب ظاہر ہے اگر بزور طاقت خلافت پر قبضہ نہیں کیا تھا تو پھر دوسری بات یہی ہے وہ اس وقت کے اصحاب حل و عقد کی مرضی اور مشورے سے خلیفہ بنے تھے.

مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

"خلیفہ یا اہل حل و عقد کا آزادانہ مشورے سے افضل ترین فرد کو خلافت سپرد کرنا (جبکہ وہ خود اس کا طالب نہ ہو) اور چیز ہے، اور کسی خلیفہ کا مسلمانوں کو خون ریزی سے بچانے کے لیے خلافت کے حصول پر مصر مخالف جماعت کو خلافت سپرد کر دینا دوسری چیز ہے"

آگے لکھتے ہیں:

"حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا قیام پہلی صورت کے مطابق ہوا تھا کہ سب سے پہلے اہل حل و عقد یا خلیفہ نے اپنی آزادانہ رائے سے کسی ایک خلیفہ کو خلافت کے لیے نامزد کیا اور پھر اس کے بعد اس کے ہاتھ پر تمام مسلمانوں نے بیعت کی، جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا قیام دوسری صورت کے مطابق ہوا تھا"

پھر آگے لکھتے ہیں:

"ہاں! ارباب حل و عقد کے اجتہاد اور مشورے کے بغیر حضرت معاویہ (رض) کے خلیفہ بننے سے آپ کی خلافت کا باطل ہونا ہر گز لازم نہیں آتا، اس لیے کہ جب حضرت حسن (رض) نے خلافت کی بعد ڈور آپ کے

حوالے کردی اور تمام مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو اس وقت آپ بلاشک وریب مسلمانوں کے ایک خلیفہ برحق منتخب ہوگئے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 483)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع کی کتاب سے اوپر نقل کیے گئے تینوں پیرے دوبارہ پڑھیں... میرا سوال مفتی وقاص رفیع سے یہ ہے کہ وہ ثابت کریں کہ:

کیا حضرت علی (رض) کو ان سے پہلے خلیفہ حضرت عثمان (رض) نے خلافت سپرد کی تھی؟

وہ کون سے اہل حل وعقد تھے جنہوں نے آزادانہ مشورے سے حضرت علی (رض) کو خلیفہ منتخب کیا تھا؟ ان کے نام لکھے جائیں اور کیا اس وقت اہل حل وعقد صرف وہی تھے یا کوئی اور بھی تھے؟

کیا یہ بات درست ہے کہ اس وقت زندہ صحابہ کرام کی اکثریت نے آخر دم تک حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی تھی؟ اگر یہ بات درست نہیں تو ثابت کریں کہ اس وقت موجود تمام صحابہ کرام نے حضرت علی (رض) کی بیعت کرلی تھی.

مفتی صاحب یہ بتائیں کہ حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ میں کونسی "مجلس شوری" موجود تھی جنہوں نے حضرت علی (رض) کو خلیفہ منتخب کیا؟

کیا یہ بات درست ہے کہ اس وقت قاتلین عثمان (رض) بھی مدینہ میں تھے جنہوں نے آگے بڑھ کر حضرت علی (رض) کی بیعت کی تھی؟ کیا مفتی وقاص رفیع ان قاتلوں اور باغیوں کو بھی "اہل حل وعقد" میں شمار کرتے ہیں؟؟.

مفتی وقاص رفیع نے حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد کے حالات کا نقشہ اپنے قلم سے کچھ یوں کھینچا ہے:

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی الم ناک شہادت کے بعد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد مقرر ہوئے، لیکن افسوس کہ آپ کا انتخاب ایک انتہائی پر آشوب اور ہنگامی دور میں ہوا، اور سوئے اتفاق کہ انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا کہ جن کے دامن دمِ عثمان (رض) کے داغ سے داغ دار تھے، اس لئے صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے آپ (رض) کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو دم عثمان (رض) کے قصاص کے حصول کی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا....الخ"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 44 – 45)

تو مفتی صاحب فرمائیں کہ ان کی مندرجہ بالا عبارت میں جن لوگوں کے ہاتھوں حضرت علی (رض) کا انتخاب ہوا، جسے مفتی وقاص رفیع "سوئے اتفاق" لکھ رہے ہیں، کیا وہ اہل حل وعقد تھے؟.

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی (رض) کو جن حالات میں اور جس طریقے سے خلافت سونپی گی وہ ان سے پہلے خلفاء ثلاثہ کی طرح ہر گز نہیں، نہ تو اس وقت کے تمام "اہل حل وعقد" ان کی خلافت پر متفق ہوئے، اور نہ ہی آپ (رض) کی خلافت اور بیعت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہوا.. اور نہ ہی خلیفہ ثالث حضرت عثمان (رض) نے آپ کو خلافت کے لیے نامزد کیا تھا..

پھر مفتی وقاص رفیع کا یہ اضافہ کرنا کہ "افضل ترین فرد" کو خلافت سونپی جائے، یہ بھی اہل سنت کا کوئی اصول نہیں، خلافت وحکومت کے لیے افضل ترین کو ہی منتخب کرنا کوئی ضروری نہیں.. لہٰذا مفتی وقاص رفیع کا یہ لکھنا کہ:

"اگر آزاد شورائی فیصلہ ہوتا تو پھر حضرت معاویہ (رض) سے افضل حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہم) وغیرہ کبار صحابہ کرام موجود تھے تو ان میں سے کوئی خلیفہ نامزد ہوتا" (صفحہ 486)

درست نہیں، نیز کیا مفتی وقاص رفیع یہ بتلا سکتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا انہوں نے جو یزید کی وفات کے بعد بعض علاقوں میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تھا وہ "اہل حل و

عقد" کے مشورے سے تھا یا نہیں؟ اور کیا اس وقت عبداللہ بن زبیر (رض) تمام موجود صحابہ کرام میں سب سے افضل تھے؟؟

میں مفتی وقاص رفیع کو مشورہ دوں گا کہ وہ مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کا "مجموعہ تفسیر آیات قرآن" (جو "تحفہ خلافت" کے عنوان سے شائع شدہ ہے) پڑھیں، مولانا لکھنوی نے لکھا ہے:
"خلیفہ کے لیے اپنے زمانے میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ مقاصد خلافت اس سے انجام پائیں" (تحفہ خلافت، صفحہ 79، طبع تحریک خدام اہل سنت جہلم)

بلکہ مولانا لکھنوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:
"بلکہ اگر دو شخص ہوں، ایک افضل اور دوسرا مفضول، لیکن مفضول میں مقاصد خلافت انجام دینے کی قابلیت افضل سے زیادہ ہو، تو ایسی صورت میں مفضول کو خلیفہ بنانا اولی ہوگا" (تحفہ خلافت، صفحہ 81)

پھر مفتی وقاص رفیع نے حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی خلافت کے بارے میں لکھا ہے کہ "ان کی خلافت اصلی شرعی خلیفہ کی نیابت تھی" (صفحہ 483)، تو مفتی صاحب فرمائیں کہ حضرت حسن (رض) کی یہ خلافت، حضرت علی (رض) کی نامزدگی سے ہوئی تھی؟ یا "اہل حل وعقد" کے مشورے سے؟ اور اگر اہل حل عقد کے مشورے سے ہوئی تھی تو وہ اہل حل وعقد کون کون تھے؟ اور کیا خلافت میں "نیابت" بھی کوئی چیز ہوتی ہے؟ اور کیا کوئی بھی خود کو کسی بھی خلیفہ کا نائب بنا سکتا ہے؟؟
اور سب سے آخر میں یہ بتائیں کہ "اصلی خلیفہ شرعی کا نائب" اگر اپنی "نیابت" سے دستبردار ہو جائے اور اپنی "خلافت" کسی دوسرے کے حوالے کر دے تو اس بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ دوسرے شخص کو وہی "خلافت و نیابت" منتقل ہو گی جو اس کے حوالے کی گئی یا دوسرے کے پاس جاتے ہی وہ "خلافت" "ملوکیت" تبدیل ہو جائے گی؟

جبکہ اگر دوسری طرف دیکھیں تو حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کی زندگی میں کبھی بھی اپنی خلافت کا دعوی نہیں کیا (جیسا کہ خود مفتی وقاص رفیع صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں)، اور حضرت علی (رض) کی بیعت و خلافت پر تمام صحابہ کرام کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا، لیکن حضرت علی (رض) کی شہادت کے بعد جب حضرت حسن (رض) نے اپنی خلافت سے دست برداری کے بعد حضرت معاویہ (رض) کی بیعت کرلی تو اس کے بعد تمام مسلمانوں کا حضرت معاویہ (رض) کا اتفاق ہوگیا جس میں یقینی طور پر اس وقت کے تمام اہل حل و عقد بھی تھے..

تو اس کے باوجود یہ کہنا کہ "حضرت معاویہ (رض) کی خلافت اہل حل و عقد کے مشورے سے نہیں ہوئی" درست نہیں... اور اگر کوئی اسی پر مصر ہے تو اسے ثابت کرنا ہوگا کہ حضرت علی (رض) کی خلافت پر تمام اہل حل و عقد کا اتفاق ہوگیا تھا.

لہٰذا اگر حضرت علی (رض) کی خلافت جن کی بیعت پر اس وقت کے اکثر صحابہ کا اتفاق نہیں ہوا تھا، (مفتی وقاص رفیع کی یہ غلط بیانی ہے کہ خلفاء اربعہ میں سے ہر ایک کی بیعت تمام مسلمانوں نے کرلی تھی، یہ بات صرف خلفاء ثلاثہ کے بارے میں صحیح ہو سکتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہیں) وہ اہل حل و عقد کی طرف سے دی گئی خلافت ہو سکتی ہے تو حضرت معاویہ (رض) کی خلافت کیوں نہیں ہو سکتی جن کی خلافت پر ایک وقت سب کا اتفاق ہوگیا تھا؟؟؟

واضح رہے کہ ان تمام باتوں کا مقصد نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شک پیدا کرنا یا ان کی خلافت پر اعتراض نہیں... بلکہ مفتی وقاص رفیع جیسوں کی غلطی فہمی دور کرنا مقصد ہے، اسے اسی تناظر میں لیا جائے.

"اہل حل عقد" کی بات چلی ہے تو میں مفتی وقاص رفیع کے لیے حضرت مولانا محمد نانوتوی (رح) کی ایک بات نقل کرتا ہوں، امید ہے مفتی صاحب کو سمجھ آجائے گی، آپ لکھتے ہیں:

"مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تینوں خلفاء کی خلافت کے زمانے میں اہل حل و عقد کا مصداق ایک شخص سے زیادہ نہ تھا، میرا مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح اور جنگ، تمام مسلمانوں کی صلح وجنگ تھی اور اسی طرح آپ کے خلفاء کی صلح وجنگ، ان کی خلافت پر تمام کے متفق ہو جانے کے بعد، تمام رعایا کی صلح وجنگ تھی، اور اس کے بعد یہ اتحاد (چوتھے خلیفہ کے زمانہ میں) نا اتفاقی میں بدل گیا، اور جماعتیں جدا جدا پیدا ہو گئیں تو اہل حل و عقد بھی بہت ہو گئے، ہر جماعت کا سردار اہل حل و عقد کے مفہوم کا مصداق بن گیا، اس وقت اہل حل و عقد میں سے ایک شخص کی بیعت، مطلق خلافت منعقد ہونے کا سبب تو ہو گی (نہ کہ عام خلافت کے منعقد ہونے کا) جو لوگ اس کے پیرو ہوئے خلیفہ کا اتباع ان پر لازم ہوگا، لیکن دوسرے اہل حل و عقد اور ان کے پیرو لوگ جو نہ کسی جماعت میں ہیں اور نہ کسی پارٹی میں ہیں، وہ لوگ اس بیعت کے لازم اور واجب ہونے سے آزاد ہوں گے، ہاں اگر تمام اہل حل و عقد بیعت و ارادت کا ہاتھ مسلمانوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں دے دیں تو تمام مسلمانوں کو خواہ کسی کے تابع ہوں یا نہ ہوں، اس شخص کی فرمانبرداری ضروری اور لازمی ہو گی"..

(اس کی مزید وضاحت کرتے ہوے آخر میں لکھتے ہیں)

"بالجملہ بیعت کا مطلق انعقاد تو ایک دو آدمیوں کی بیعت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور عام انعقاد تمام اہل حل وعقد کے متفق ہووے بغیر نہیں ہو سکتا، ہاں اگر اہل حل و عقد کی اہلیت ایک ہی شخص میں منحصر ہو جائے تو اس وقت خلافت کا عام ہونا ایک شخص کے ذریعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے"

(شہادۃِ امام حسین و کردارِ یزید، مترجم، از صفحہ 50 تا 53، شائع کردہ تحریک خدام اہل سنت لاہور)

اب نانوتوی صاحب (رح) کے اس ضابطے کی روشنی میں مفتی وقاص اور ان کے ہمنوا خود ہی غور کر لیں کہ وہ اپنے "اہل حل و عقد" نظریے میں کہاں کھڑے ہیں...

الغرض! قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تو بالکل اسی طرح "اہل حل و عقد" کے آزادانہ مشورے اور تمام مسلمانوں کے اس پر متفق ہونے میں خلفاء ثلاثہ (رض) ہی طرح شمار کرنا اور

حضرت معاویہ (رض) کی خلافت کے بارے میں جس پر کہ ایک وقت تمام اہل حل و عقد بلکہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو گیا تھا یہ لکھنا کہ "اس خلافت میں اہل حل و عقد کا مشورہ شامل نہیں تھا" درست نہیں.

ہاں اگر وہ یوں لکھتے کہ "حضرت معاویہ کی خلافت خلفاء ثلاثہ کی طرح اہل حل و عقد کے مشورے سے نہیں ہوئی تھی" تو بات کسی حد تک درست ہو سکتی تھی .

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 15)

اہم نوٹ: اس قسط میں مفتی وقاص رفیع کی ہفوات کے جواب میں سانحہ کربلا و واقعہ حرہ کے بارے میں بطور الزامی جواب چند باتیں آپ کو نظر آئیں گی، انہیں اسی تناظر میں پڑھا جائے، اور جو نوٹ میں نے ساتھ لکھے ہیں ان پر توجہ دی جائے.

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ 490 سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رح) کی چند عبارات پر بحث شروع کی ہے، لیکن چونکہ مفتی وقاص رفیع نے خود یہ لکھ دیا ہے کہ:

"حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں بعض قابل اعتراض اور موہم عبارات واقعی ایسی ضرور موجود ہیں کہ جن کے مطالعہ سے ایک منصف اور معتدل نظریات کا حامل شخص شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ عبارات حضرت شاہ صاحب کی اپنی ہیں؟ حالاں کہ اگر ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر سینہ تان کر صحابہ کرام کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں، یا پھر یہ عبارات ان کی تصانیف میں الحاقی ہیں اور ان سے حضرت شاہ صاحب کا دامن بالکل پاک و صاف ہے، ذیل میں اسی حقیقت کا سراغ لگانے کے لیے اس کا تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے..."

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 494)

قارئین محترم! جب خود "اکابر کے نادان وکیل" مفتی وقاص رفیع اقراری ہیں کہ "حضرت شاہ عبدالعزیز (رح) کی کتابوں میں بعض قابل اعتراض اور موہم عبارات واقعی ضرور موجود ہیں" تو ہمیں اس پر زیادہ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں..

مفتی وقاص رفیع نے اس بات پر سارا زور لگایا ہے کہ:
"ان کے بعد آنے والے متعدد علماء نے ان کی قابل اعتراض اور موہم عبارات کو الحاقی قرار دیا ہے" (الحاقی سے مراد ہے کہ شاہ صاحب کے بعد کسی اور نے ان کی کتابوں میں یہ عبارات ڈال دی ہیں_ ناقل)
(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 505 — 506)

اور پھر مفتی وقاص رفیع نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (رح) اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (رح) کے دو حوالے پیش کیے ہیں جن سے یہ ثابت کیا ہے کہ انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب (رح) کے "فتاوی عزیزیہ" کے بارے میں اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے کہ آیا یہ حضرت شاہ صاحب کے فتاویٰ ہیں بھی یا نہیں.
الغرض! مفتی وقاص رفیع نے خود تسلیم کیا ہے کہ اگر شاہ صاحب کی کتابوں میں موجود ان بعض "قابل اعتراضات" عبارات کو الحاقی تسلیم نہ کیا جائے تو یہ عبارات واقعی "قابل اعتراض" ہی ہیں... تو یہی بات تو قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے بھی "حضرت معاویہ (رض) کے ناقدین" میں لکھی تھی کہ:
"حضرت معاویہ (رض) سے متعلق فتاوی عزیزیہ اور تحفہ اثناعشریہ میں موجود بعض عبارات کو اگر الحاقی تسلیم نہ کیا جائے تو ان مقامات پر ان کا قلم یقیناً لغزش کا شکار ہو گیا ہے"
(ہاشمی صاحب کی یہ عبارت خود مفتی وقاص رفیع نے نقل کی ہے: صفحہ 491)

توجہ فرمائیں! ہاشمی صاحب نے بالکل وہی بات لکھی ہے جو مفتی وقاص رفیع نے تسلیم کی ہے کہ ایسی قابل اعتراض عبارات تو بہرحال شاہ عبدالعزیز صاحب (رح) کی کتابوں میں موجود ہیں، لیکن مفتی وقاص رفیع کے بقول وہ الحاقی ہیں... تو پھر مفتی وقاص رفیع اور ہاشمی صاحب کی بات میں کیا فرق ہوا؟؟ ہاشمی صاحب نے یہی تو لکھا تھا کہ "اگر یہ عبارات الحاقی نہ ہوں تو پھر یہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی قلم کی لغزش ہے" (یہاں بھی

"لغزش" لکھا ہے، اور یقیناً مفتی وقاص رفیع کے نزدیک حضرت شاہ عبدالعزیز (رح) صحابہ سے بڑھ کر تو نہ ہوں گے، اور جب مفتی وقاص رفیع بار بار یہ لکھتے ہیں کہ صحابہ سے تو معصیت اور گناہ کبیرہ تک ہو سکتے ہیں، تو حضرت شاہ صاحب کی طرف اگر "لغزش" کی نسبت کی گئی ہے تو اس میں مفتی وقاص رفیع کو چیں بجبیں ہونے کی ضرورت نہ تھی کہ شاہ صاحب کی توہین کر دی).

اس لیے ہم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رح) کی ان "قابل اعتراض" عبارات پر تفصیل سے بات نہیں کریں گے.. اور ہماری خواہش ہے کہ کاش یہ عبارات واقعی ان کی کتب میں "الحاقی" ہی ہوں..
لیکن چونکہ اس بحث میں مفتی وقاص رفیع نے ایک بار پھر اپنی "سبائیانہ" ذہنیت کا اظہار کیا ہے، اس پر چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں.

مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے:
"اس میں شک ہی کیا ہے جب حضرت علی المرتضی (رض) خلافت کے لیے نامزد ہوئے اور مسلمانوں نے آپ کی خلافت پر بیعت کر لی اور آپ باقاعدہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے تو حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں نے اپنی "خطائے اجتہادی" کے سبب آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کر کے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے بغاوت کا ارتکاب کر رکھا تھا اور خلیفہ برحق کی اطاعت چھوڑ رکھی تھی اور باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے".
(مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ: 492)

اب اس پر اعتراض ہوتا تھا کہ اگر حضرت معاویہ (رض) نے واقعی خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کر رکھا تھا تو جنگ صفین کے بعد حضرت علی (رض) نے خود باقاعدہ بعض علاقوں پر حضرت معاویہ (رض) کی ولایت کو قبول کر لیا تھا تو کیا ایک "امام برحق" نے ایک "باغی" کی حکومت کو بعض علاقوں پر گوارا کر لیا؟ تو اس کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہوئے مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے کہ:

"اور حضرت علی (رض) نے جو ان کی سلطنت کی وسعت کو گوارا کرلیا تھا تو وہ اس مصلحت کی بناء پر تاکہ مسلمانوں میں باہم مزید خون ریزی نہ ہوسکے، لیکن اس کے باوجود حضرت معاویہ (رض) ان کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوئے، تاآنکہ حضرت حسن (رض) نے خلافت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں تھمائی اور تمام مسلمانوں (بشمول اہل حل و عقد) نے آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرلی اور آپ باقاعدہ طور پر خلیفۃ المسلمین منتخب ہو گئے، اس لئے آپ موعودہ خلیفہ راشد نہیں ہیں کیوں کہ خلافت راشدہ موعودہ بہ نص قرآن صرف چار حضرات خلفائے راشدین ہی میں منحصر ہے اور حضرت معاویہ (رض) اس کے مصداق نہیں"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 492 – 493)

ان دو پیروں میں مفتی وقاص رفیع نے کئی دھوکے اور دجل دینے کی کوشش کی ہے.

پہلے انہوں نے لکھا کہ

"حضرت علی (رض) جب خلافت کے لیے نامزد ہوئے اور مسلمانوں نے آپ کی خلافت کی بیعت کرلی اور آپ باقاعدہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے تو حضرت معاویہ (رض) اور آپ کے ساتھیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرکے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے بغاوت کا ارتکاب کیا".

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی (رض) کی بیعت کسی "مجلس شوری" یا تمام اہل حل وعقد کے مشورے سے نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس وقت کی ہنگامی صورت حال یا "ایمرجنسی" کی وجہ سے اچانک مدینہ میں موجود چند حضرات نے آپ کی بیعت کی، اور ساتھ ہی اس وقت مدینہ پر قابض باغی اور قاتلین عثمان (رض) نے بھی آپ کی بیعت کی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ وہ باغی او قاتل لوگوں کو زبردستی حضرت علی (رض) کی بیعت پر مجبور کرتے تھے، خود مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 44 – 45 پر یہ لکھا ہے کہ:

" لیکن افسوس کہ آپ کا انتخاب ایک انتہائی پر آشوب اور ہنگامی دور میں ہوا، اور سوئے اتفاق کہ انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا کہ جن کے دامن دمِ عثمان (رض) کے داغ سے داغ دار تھے، اس لئے صحابہ کی ایک بڑی

جماعت نے آپ (رض) کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو دم عثمان (رض) کے قصاص کے حصول کی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا....الخ"

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت علی (رض) کی شہادت تک بھی تمام مسلمان آپ کی خلافت و بیعت پر متفق نہ ہوسکے تھے، اور اگر صرف اس وقت موجود صحابہ کرام کو بھی لیا جائے تو ان کی اکثریت جو کہ ان جنگوں میں غیر جانبدار" رہی تھی وہ بھی آپ کی بیعت سے الگ ہی رہے، اور جنہوں نے آپ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا وہ تو یقیناً آپ کی بیعت سے الگ ہی تھے.. یوں صحابہ کرام کی اکثریت جن میں سابقون اولون صحابہ بھی تھے حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے... یوں صحابہ کرام میں یہی اختلاف تھا کہ جس طریقے سے حضرت علی (رض) کو خلیفہ بنایا گیا ہے اور جس طرح سے آپ کی بیعت ہنگامی حالات میں چند لوگوں نے کی ہے تو اس سے آیا آپ "آئینی طور پر بھی متفقہ" خلیفہ بن گئے یا نہیں؟؟ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات یا آپ کی افضلیت پر کسی کو کوئی اختلاف نہ تھا)، اور یہ "آئینی" اختلاف آپ کی شہادت تک باقی رہا.. حضرت علی (رض) کا موقف تھا کہ میں باقاعدہ خلیفہ منتخب ہو چکا ہوں، جبکہ دوسروں کا خیال تھا کہ تمام اہل حل وعقد نے آپ کا انتخاب نہیں کیا اس لیے ہم پر آپ کی بیعت لازم نہیں (اور انہوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہم آپ کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہی نہیں یا آپ خلافت کے حقدار ہی نہیں، بلکہ یہ کہا کہ چونکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہمیں آپ کے لشکر میں آپ کے اردگرد نظر آتے ہیں، تو آپ ان سے قصاص لیں یا انھیں ہمارے حوالے کر دیں تو ہم آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں).

لہٰذا مفتی وقاص رفیع کا یہ کہنا کہ "آپ باقاعدہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے" صرف حضرت علی (رض) کے نکتہ نظر کی حد تک درست ہے، جبکہ اس وقت صحابہ کرام کی اکثریت کے نکتہ نظر کے مطابق یا کم از کم حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ہمنوا صحابہ کرام کی رائے میں آپ "باقاعدہ خلیفۃ المسلمین" نہیں بنے تھے.

(نوٹ: اس وقت صحابہ کرام کے ان دو نکتہائے نظر پر بحث کرنا مقصد نہیں کہ کس کی رائے درست تھی اور کس کی غلط.

اب آیئے مفتی وقاص رفیع کے "نظریہ بغاوت" کی طرف، میرا مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی سے ایک سوال ہے کہ:

"حضرت معاویہ (رض) نے اپنی زندگی میں صحابہ کرام کے مشورے سے اپنے بیٹے یزید کی "ولی عہدی" کے لیے بیعت لی، اس وقت سوائے چار یا پانچ صحابہ کرام کے کسی نے بھی اس بات سے اختلاف نہیں کیا تھا، پھر آپ (رض) کی وفات کے جب یزید کی خلافت کی بیعت ہوئی تو ان چار یا پانچ میں سے ایک (حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما) تو اس دنیا میں نہیں رہے تھے، باقی چار میں سے بھی حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) نے تو سب کا اتفاق ہے کہ بیعت کرلی تھی، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی روایت ملتی ہیں کہ آپ نے بھی بیعت کرلی تھی (آپ سے اس کے بعد یزید کی امارت کے خلاف کوئی بات نہیں ملتی)، صرف دو حضرات حضرت حسین (رض) اور حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) ہی ایسے بچے جنہوں نے یزید کی بیعت نہ کی تھی... اب مفتی وقاص رفیع فرمائیں کہ وہ بغاوت کا اصول یہاں لاگو کرنے کے لیے تیار ہیں؟؟

یزید کی امارت اس وقت موجود تمام اہل حل و عقد نے تسلیم کرلی، اور بقول حافظ ابن حجر (رح) "یزید پر لوگوں کا اجتماع" ہوگیا تھا.. اور بقول حافظ ابن کثیر (رح) حضرت معاویہ (رض) کی زندگی میں ہی "بايع له الناس في سائر الاقاليم الا ... الخ" سوائے پانچ حضرات کے تمام صوبوں کے لوگوں نے اس کی بیعت کرلی تھی... تو اب حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) اور حضرت حسین (رض) کا اس بیعت سے الگ رہنا یہ کہیں "فقہی" بغاوت میں تو نہیں آجاتا؟؟ یاد رہے سانحہ کربلا سے پہلے یزید کی فسق کی بات ہمیں کہیں نظر نہیں آتی.. اس لیے یہ جواب بے کار ہوگا کہ ان حضرات نے اس لیے بیعت نہ کی تھی کہ یزید فاسق و فاجر تھا، کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی کہیں بھی (نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اور نہ ہی جب یزید نے ان سے بیعت کرنے کا مدینہ اور مکہ کے گورنروں کے واسطے سے کہا) اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بیعت نہ کرنے کا سبب یزید کی ذات یا اس کا فسق و فجور ہے.

مفتی وقاص رفیع صاحب! یزید کی خلافت "اہل حل و عقد" کے مشورے سے ہوئی، آپ اس کا انکار نہیں کر سکتے، وہ خود خلافت کا طالب نہ تھا اور نہ اس نے حضرت معاویہ (رض) سے کہا تھا کہ مجھے اپنا جانشین بنائیں، بلکہ حضرت معاویہ (رض) اور دوسرے صحابہ نے بوجوہ یہ تجویز دی اور اس کو آگے بڑھایا... اس کی بیعت پر پہلے مرحلے میں صرف چار یا پانچ لوگوں نے اختلاف کیا اور بعد میں صرف دو رہ گئے... باقی تمام مسلمانوں نے اسے امیر و خلیفہ قبول کیا... اور ہاں یہاں اس کے خلاف "خروج" بھی پایا جاتا ہے... تو فرمائیں "فقہی بغاوت" کا آپ کا نظریہ و فلسفہ کیا کہتا ہے؟؟

نوٹ: قارئین محترم! اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ہم حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو ہرگز "باغی" نہیں کہتے نہ "فقہی" اور نہ کوئی اور... ہمارے خیال میں وہاں حضرت حسین (رض) کا اختلافی موقف یزید کی ذات کے حوالے سے تھا ہی نہیں بلکہ آپ نے اختلاف "طریق ولی عہدی" پر فرمایا تھا اور اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک اصولی اجتہادی موقف اپنایا تھا اور اس پر قائم بھی رہے تھے... ہم ان کے موقف کو اپنی جگہ درست ہی سمجھتے ہیں... کہ ہر مجتہد کو اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنا ہوتا ہے... (تفصیل پھر کبھی) لہٰذا ہمارے مفتی وقاص رفیع کے "فقہی بغاوت کے فلسفے" کو غلط ثابت کرنے کے لیے یزید کی خلافت و امارت کے ذکر کرنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم حضرت حسین (رض) کو باغی سمجھتے ہیں..

مفتی وقاص رفیع صاحب! مجھے یقین ہے کہ آپ یزید جیسے "متفقہ" امیر کی بیعت نہ کرنے والے ان دو حضرات کو یقیناً "باغی" نہیں مانتے ہوں گے.. اگرچہ ظاہری طور پر بغاوت کی فقہی تعریف میں یہ بغاوت ہی نظر آتی ہے... تو یہاں آپ جو تاویل کریں گے وہ تاویل حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں کیوں نہیں کرتے؟؟ جبکہ حضرت علی (رض) کی خلافت پر تو تمام اسلامی صوبوں کا اتفاق بھی نہ ہوا تھا اور کم و بیش آدھے صحابہ کرام نے آپ کی بیعت ہی نہ کی تھی، اور حضرت معاویہ (رض) نے تو حضرت علی (رض) کے خلاف اپنی طرف سے خروج اور لشکر کشی بھی نہیں کی تھی.. جبکہ فقہی بغاوت کی تعریف میں تو "امام کے خلاف خروج" بھی ایک شرط ہے.

نوٹ: یہاں اصول کی بات کر رہا ہوں، شخصیات کا تقابل نہیں کر رہا.

ممکن ہے آپ کہیں کہ فقہ میں بغاوت کہتے ہیں "امام حق" کی خلاف خروج کو، اور یزید "امام حق" نہ تھا.. تو عرض ہے کہ اس "امام حق" سے مراد "حق و باطل" یا "عادل و فاسق" والا "حق" مراد نہیں بلکہ وہ امام یا امیر مراد ہے جو اہل حل و عقد اور مسلمانوں کی اکثریت کے اتفاق سے امیر یا امام بنا ہو... اس کے مقابلے میں امام غیر حق وہ ہوگا جس کی امامت و امارت پر اہل حل و عقد اور مسلمانوں کی اکثریت نے مہر تائید نہ لگائی ہو..

اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ بقول امام نووی (رح) اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ فاسق امیر کے خلاف بھی خروج جائز نہیں "وأما الخروج عليهم وقتالهم فحرام باجماع المسلمين وان كانوا فسقة ظالمين" (شرح مسلم للنووي، ج12 ص229 طبع مصر)، نیز امام طحاوی (رح) نے "العقیدۃ الطحاویۃ" میں لکھا ہے کہ: وَلَا نَرَى الْخُرُوجَ عَلَى أَئِمَّتِنَا وَوُلَاةِ أُمُورِنَا وإن جاروا .. ہم اپنے ائمہ اور حاکموں کے خلاف خروج کو درست نہیں سمجھے اگرچہ وہ ظالم ہوں.. (متن العقیدۃ الطحاویۃ، ص68 المکتب الاسلامی بیروت)

مفتی وقاص رفیع صاحب! امام نووی اور امام طحاوی کی اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوے، اب ذرا ان لوگوں کے بارے میں بھی جنہوں نے "واقعہ حرہ" میں بیعت توڑی تھی اپنی "فقہی بغاوت" کے نظریے کی روشنی میں فتویٰ دیں کہ ان کا "فسخ بیعت" اور "خروج" کیا تھا؟؟؟

آپ حضرت معاویہ (رض) کو "فقہی) باغی بنانے پر تو ادھار کھائے بیٹھے ہیں، تو فقہی بغاوت کی تعریف جہاں جہاں بھی صادق آئے گی پھر ان سب جگہ آپ کے "فتوے" دم کیوں توڑ دیتے ہیں؟؟؟

آگے مفتی وقاص رفیع نے "قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ" کا ذکر کیا ہے اور یہ دعوی کیا ہے کہ نص کی رو سے صرف چار خلفاء ہی قرآن کے موعودہ ہیں، اور حضرت معاویہ (رض) اس کے مصداق نہیں بن سکتے..

ہمارا سوال ہے، یہ بات کہ "قرآن کی موعودہ خلافت صرف چار میں منحصر ہے" کس نص سے ثابت ہے؟ اور پھر "عبارۃ النص" سے ثابت ہے یا "اشارۃ النص" یا دلالۃ النص" یا "اشارۃ النص" سے ثابت ہے؟؟اس کی وضاحت کریں، اگر آپ کا اشارہ "آیت استخلاف" کی طرف ہے تو اس میں تو کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ "اس آیت میں جو وعدہ دیا گیا ہے یہ صرف چار کے لئے ہے".... اگر آپ کہتے ہیں کہ "منکم" میں "کم" کی ضمیر صرف ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو آیت کے نزول کے وقت موجود تھے، تو کیا یہ اصول ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی "ضمیر مخاطب" سے خطاب ہے وہ صرف ان لوگوں کے لیے جو قرآن کے نزول کے وقت موجود تھے؟؟؟

پھر ایسے مفسرین بھی ہیں جنہوں نے آیت استخلاف میں خطاب قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے مانا ہے...

پھر یہ بتائیں کہ کیا صحابہ کرام کو بھی یہ علم تھا کہ آیت استخلاف کی رو سے حضرت علی (رض) بھی قرآن کے موعود خلیفہ ہیں؟؟اگر معلوم تھا تو پھر صحابہ کی آدھی سے زیادہ جماعت نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کی تھی انہوں نے "نص قرآنی" کی جانتے بوجھتے مخالفت کی تھی کیا؟؟اور اگر انھیں یہ علم نہیں تھا کہ قرآن کی موعودہ خلافت میں حضرت علی (رض) شامل ہیں تو لازم آئے گا کہ اس نص سے صحابہ کرام وہ نتیجہ نہ نکال سکے جو بعد والوں نے نکالا... لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ "خلافت راشدہ موعودہ" اور "چار میں منحصر ہونے" کی اصطلاح دور صحابہ کے بعد کی ہے... صحابہ کرام کے زمانے کی نہیں...

پھر مفتی وقاص رفیع صاحب ذرا آیت استخلاف کو پورا پڑھیں، اور اچھی طرح اس پر غور کرکے بتائیں کہ آیا اس آیت میں مذکورہ خلافت کے جو اوصاف اللہ نے بیان فرمائے ہیں مثلاً "**ولیبدلنّھم من بعد خوفھم أمنا**" اور اگر ایک دوسری آیت کو بھی دیکھا جائے جسے "آیت تمکین" کہا جاتا ہے تو اس میں

"تمکین فی الأرض" کا ذکر بھی ہے تو یہ چیزیں حضرت علی (رض) کی خلافت میں پائی گئیں یا نہیں؟؟؟

لہٰذا مفتی وقاص رفیع صاحب! یہ "خلافت موعودہ" اور "حق چار یار" کی اصطلاحات کو نہ چھیڑیں تو بہتر ہے ... ہمارے نزدیک تو ہر صحابی "راشد" ہے اور ہر وہ مسلمان جس میں "آیت استخلاف" والی صفات پائی جائیں وہ اس آیت کے وعدہ میں شامل ہے.. (اس پر مزید بات آگے آئے گی).

آپ نے حضرت علی (رض) کی طرف سے حضرت معاویہ (رض) کی بعض علاقوں میں سلطنت کو گوارا کرنے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اس لیے گوارا کی گئی تاکہ مسلمانوں میں خون ریزی نہ ہوسکے ... نیز آپ نے لکھا ہے کہ "اس کے باوجود حضرت معاویہ، حضرت علی کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوے"..

تو عرض ہے کہ آپ مفتی ہیں، ذرا یہ فرمائیں کہ قرآن کریم کا "شرعی وفقہی باغیوں" کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہی ناں کہ "فقاتلوا التي تبغى حتى تفيء الى امر الله" کہ باغیوں کے ساتھ اس وقت تک قتال یعنی جنگ کرتے رہو جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف نہ لوٹ آئیں، آپ کے اکابرین یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) نے اپنی بیعت نہ کرنے والوں کے ساتھ جو جنگ کی تھی وہ اسی آیت کے حکم کے تحت کی تھی.. تو فرمائیں یہ آیت تو باغیوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ اور قتال کا حکم دے رہی ہے جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف نہ لوٹ آئیں ... اور آپ کے بقول حضرت علی (رض) نے نہ صرف یہ کہ جنگ روک دی وہ بھی حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد جب آپ کے بقول اس بات میں کوئی شبہ بھی نہ رہا کہ باغی کون ہے، بلکہ حضرت معاویہ (رض) کی سلطنت بھی بعض علاقوں پر گوارا کرلی ... جبکہ وہ بدستور آپ کے بقول "فقہی باغی" تھے فرمائیں کہ حضرت علی (رض) نے قرآنی حکم کو یہاں پورا کیا یا نہیں؟؟؟؟ کیا قرانی حکم میں یہ تھا کہ "خون ریزی سے بچنے کے لیے باغیوں کی حکومت وسلطنت بعض علاقوں پر تسلیم کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں"؟؟؟؟

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) کی نظر میں حضرت معاویہ (رض) کا یہ اختلاف اس قسم کی بغاوت تھی ہی نہیں جسے ثابت کرنے پر آپ یا آپ کے پیچھے چھپے پردہ نشین ادھار کھائے بیٹھے ہیں ... یہ وہ بغاوت ہے ہی

نہیں جسے آپ "فقہی بغاوت" کہتے ہیں... ورنہ حضرت علی (رض) ضرور قرآنی حکم کے مطابق اس وقت ان کے ساتھ قتال جاری رکھتے جب تک وہ آپ کی اطاعت میں نہ آ جاتے...

اور پھر حضرت حسن (رض) بھی ایسے باغیوں کے حق میں اپنی خلافت سے دست بردار نہ ہوتے...

آخر میں مفتی وقاص رفیع نے "مروان بن الحکم" کی صحابیت کی بحث چھیڑی ہے، جو اس ہمارا موضوع بحث نہیں.. لہٰذا ہم اس کو کسی اور وقت تک ادھار رکھتے ہیں.

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 16)

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ 519 سے بانیِ دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (رح) کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں چند عبارات پر بات شروع کی ہے...

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں ہر ایک بزرگ کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ "فلاں بزرگ معاندین وحاسدین کے نشانے پر"... یعنی جس بزرگ کے قلم سے کوئی عبارت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی و تنقیص پر مشتمل نکل گئی، اور اس پر کسی نے نقد کیا تو مفتی وقاص رفیع نے اسے اس بزرگ سے "عناد اور حسد" لکھا ہے... لیکن افسوس کہ جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک بار بھی یہ نہیں لکھا کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معاندین و ناقدین کے نشانے پر"... جبکہ تمام غیر صحابی اکابر ملکر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے... بہر حال آیئے دیکھتے ہیں مولانا محمد قاسم نانوتوی (رح) کی تحریرات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا تسامحات ہوئے:

میرے سامنے اس وقت مولانا نانوتوی (رح) کی کتاب "ہدیۃ الشیعہ" مطبوعہ "نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور" ہے، اس میں مولانا نانوتوی (رح) آیت استخلاف پر بحث کرتے ہوے ایک جگہ لکھتے ہیں:
"باقی رہے امیر معاویہ، ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی، تمکین ملک و سلطنت تھی چنانچہ واقفان فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفاء اربعہ کے اطوار و انداز اور امیر معاویہ کے اطوار و انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا، اُن کی گزران فقیرانہ و زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ کا طور ملوک سا تھا اس لیے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں، خلفاء میں نہیں گنتے، ملوک میں شمار کرتے ہیں، لیکن ملوک

ملوک میں بھی فرق ہے، ایک نوشیروان تھا، ایک چنگیز خان، سو یہ ہر چند ملوک میں سے تھے لیکن اس کے یہ معنی ہیں کہ خلفاء راشدین کے مقابلے میں دنیا دار معلوم ہوتے تھے جیسے حضرت سلیمان اور انبیاء کے مقابلے میں مالدار معلوم ہوتے ہیں نہ یہ کہ ظلم و ستم کے روادار تھے، غرباء کے حق میں ستمگار تھے، ان کا حلم، اور رعایا پروری اور دلجوئی خلائق شہرہ آفاق ہے..." (ہدیۃ الشیعہ، صفحہ 67)

یاد رہے کہ اس سے کچھ سطریں پہلے اسی صفحے پر مولانا نانوتوی (رح) حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں لکھ چکے ہیں کہ:

"ہر چند حضرت سبط اکبر امام ہمام، امام حسن رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین میں معدود ہیں مگر ان کو جو خلافت پہنچی وہ اس وعدہ (یعنی آیت استخلاف میں کیا گیا وعدہ_ ناقل) کے سبب نہیں پہنچی" (صفحہ مذکورہ)

حضرت نانوتوی کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ:

وہ اگرچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو آیت استخلاف کا مصداق نہیں سمجھتے لیکن اس کے باوجود انہیں "خلفاء راشدین" میں شمار کرتے ہیں، اگرچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو تمکین حاصل نہ ہوئی (خود یہیں مولانا نانوتوی نے ہی لکھا ہے کہ: ان کی خلافت کو تمکین اور جماؤ لازم نہ ہوا").

لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ "اہل سنت انھیں (خلفاء راشدین تو درکنار) صرف "خلفاء" میں بھی نہیں گنتے، بلکہ ملوک میں شمار کرتے ہیں.. یعنی حضرت حسن (رض) باوجودیکہ آیت استخلاف کا مصداق نہیں ہو سکتے، اور ان کی شش ماہی خلافت پر اس وقت کے مسلمانوں کا اتفاق بھی نہ ہو سکا، انھیں بقول مولانا نانوتوی "تمکین" بھی حاصل نہ ہوئی لیکن پھر بھی وہ "خلفاء راشدین" میں شمار ہوتے ہیں، لیکن حضرت معاویہ (رض) جن کی خلافت پر آخر کار تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو گیا اور انھیں تمکین بھی حاصل ہو گئی انھیں مولانا نانوتوی کے نزدیک "صرف خلیفہ" بھی نہیں کہا جا سکتا.

پھر حضرت معاویہ (رض) کو جو تمکین حاصل ہوئی، اس کے بارے میں مولانا نانوتوی نے لکھا ہے کہ : "وہ دین کی تمکین نہ تھی (دین کی تمکین کا مطلب ہے دین کا مضبوط ہونا اور نظام حکومت کا دین کے مطابق چلنا_ ناقل) بلکہ جو تمکین انھیں حاصل ہوئی وہ دنیا یعنی حکومت وسلطنت کی تمکین تھی.

پھر مولانا نانوتوی (رح) نے حضرت معاویہ (رض) کی مثال ایک غیر مسلم بادشاہ "نوشیروان" سے دی ہے ..

پھر اس کی مزید تشریح یوں کی ہے کہ "ان کے ملوک میں شمار ہونے کا مطلب ہے کہ وہ خلفاء راشدین کے مقابلے میں دنیادار معلوم ہوتے تھے.

پھر ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ظلم وستم کے روادار نہ تھے، غرباء کے حق میں ستمگار نہ تھے، ان کا حلم، اور رعایا پروری اور دلجوئی خلائق شہرہ آفاق ہے... (لیکن اس کے باوجود مولانا نانوتوی کے نزدیک ان کے دور میں تمکین دین نہ تھی).

قارئین محترم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ : سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر جو ان لوگوں کا جن کا زمانہ اس سے ملا ہے، پھر ان لوگوں کا جو اس سے ملے ہیں (او کما قال علیہ السلام)، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا زمانہ اس امت کے بہترین زمانوں میں سے ہے، اور حضرات خلفاء اربعہ و حضرت حسن وحضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) ان سب کے دور اسی بہترین زمانے کا حصہ ہیں، پھر نہ جانے مولانا نانوتوی کے قلم سے یہ کیسے نکل گیا کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دین کو تمکین حاصل نہ تھی"؟؟؟ جبکہ وہ زمانہ بھی صحابہ کا ہی شمار ہوتا ہے.

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بھی مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں قریش میں سے "بارہ" ایسے "خلیفوں" کی خبر دی ہے جن کے دور میں دین اسلام غالب اور مضبوط رہے گا، ظاہر ہے ان میں "آٹھ" خلیفے، خلفاء اربعہ کے علاوہ ہی ہیں ... اور جن شارحین نے

بھی یہ بارہ خلیفہ گنوائے ہیں انہوں نے ان میں حضرت معاویہ (رض) کو بھی شمار کیا ہے ... یوں حدیث نبوی کی رو سے حضرت معاویہ (رض) ان بارہ خلفاء میں شمار ہوتے ہیں جن کے دور میں دین اسلام غالب اور مضبوط رہا.... اور یہی تمکین دین ہے..

لہٰذا مولانا نانوتوی (رح) کی یہ بات یقینا محل نظر ہے، پھر وہ ایک طرف آیت استخلاف کا مصداق صرف خلفاء اربعہ کو شمار کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف پانچویں خلیفہ حضرت حسن (رض) کو بھی "خلفاء راشدین" میں شمار کرتے ہیں لیکن حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ انہیں "خلفاء راشدین" میں شمار تو دور کی بات، صرف "خلفاء" میں بھی شمار نہیں کیا جاتا....

مفتی وقاص رفیع کی لایعنی اور دور از کار تاویل

مولانا نانوتوی کی اس بات کے تاویل مفتی وقاص رفیع نے یوں کی ہے کہ :

"حضرت نانوتوی (رح) کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرات خلفاء راشدین کی تمکین کی بہ نسبت حضرت معاویہ کی تمکین، تمکین ملک و سلطنت تھی، نہ کہ بعد میں آنے والے ملوک و سلاطین کی بہ نسبت، اس لیے کہ حضرات خلفاء راشدین احتیاط و تقوی اور احساس ذمہ داری کے جس معیار بلند پر فائز رہے تھے، حضرت معاویہ کے دور میں وہ معیار باقی نہیں رہا تھا .....(الی قولہ) ..... لہٰذا حضرات خلفاء راشدین اور حضرت معاویہ کے دور حکومت اور تمکین میں فرق تو بے شک تھا ہی لیکن یہ فرق تقوی وطہارت اور فسق وفجور کا نہ تھا بلکہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے بموجب تقوی واحتیاط اور رخصت ومباحات کا فرق تھا"

(حضرت امیر معاویہ اور عبارات اکابر، صفحہ 523 — 524)

غور فرمائیں! مفتی وقاص رفیع کے فلسفے پر، مولانا نانوتوی (رح) کے الفاظ سے یہ سمجھ آتی ہے کہ یہ فرق "تمکین دین" اور "تمکین حکومت و سلطنت و تمکین دنیا" کا تھا، جس کا صاف مطلب ہے کہ حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ کے دور میں "دین کی تمکین نہ تھی"... لیکن مفتی وقاص رفیع ہمیں تقوی واحتیاط اور عزیمت ورخصت کے فسلفے سمجھا رہے ہیں... وہ صاف کیوں نہیں بتاتے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں دین کی تمکین تھی یا نہیں؟؟؟ کیونکہ "رخصت و مباح" بھی دین کے اندر ہی ہوتا ہے، خلاف دین نہیں ہوتا..

پھر مفتی وقاص رفیع نے یہ نہیں بتایا کہ اگر حضرت حسن (رض) کے شش ماہی دور کو آیت استخلاف کا مصداق نہ ہوتے ہوئے بھی "خلافت راشدہ" کہا جاسکتا ہے تو حضرت معاویہ (رض) کی حکومت کو صرف "خلافت" کیوں نہیں کہا جاسکتا؟؟

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے کچھ علماء کے حوالے یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں کہ خلفاء اربعہ اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے عہد خلافت میں فرق تھا... لیکن وہ ایک بھی حوالہ ایسا نہیں پیش کرسکے جس میں کسی نے یہ فرق بیان کیا ہو کہ "خلفاء اربعہ کے دور میں تو تمکین دین حاصل تھی، لیکن حضرت معاویہ کے دور میں تمکین دین حاصل نہ تھی بلکہ صرف دنیوی حکومت کی تمکین حاصل تھی"...

نوٹ:

یوں تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (رح) نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ:

"تمکین دین اور تمکین فی الارض، حضرت علی (رض) کے زمانہ میں حاصل نہ ہوسکی" (دیکھیں: ازالۃ الخفاء مترجم اردو، ج2 ص572 قدیمی کتب خانہ کراچی)

تو کیا اگر شاہ صاحب دہلوی کی اس بات کی یہ تاویل کی جائے کہ: اس کا مطلب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ کی بنسبت حضرت علی (رض) کی تمکین، تمکین دین نہ تھی لیکن بعد والوں کی بنسبت وہ تمکین دین تھی" تو مفتی وقاص صاحب کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟؟ یا مفتی وقاص صاحب یہاں یہ کہیں گے کہ وہ شاہ صاحب دہلوی کی اس بات سے متفق نہیں؟

مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) نے یہ بھی لکھا ہے کہ :

"(آیت استخلاف میں مذکور) تینوں نعمتوں کا مجموعہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں نہیں پایا گیا، سنی شیعہ دونوں کا اس پر اتفاق ہے" (تحفہ خلافت، مجموعہ تفسیر آیات قرآنی، صفحہ 120، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت، جہلم) .

نیز لکھا:

"یہ بات باتفاق فریقین ثابت ہے کہ حضرت علی (رض) کو ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں ملا، لہٰذا ان کی خلافت اس آیت (یعنی آیت استخلاف_ناقل) کی موعودہ خلافت ہر گز نہیں ہو سکتی نہ وہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے موعود لہ کہے جا سکتے ہیں، پس قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ وقت نزول کے تمام مومنین صالحین سے یہ وعدہ متعلق مانا جائے اور حضرت خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو اس آیت کی موعودہ خلافت تسلیم کیا جائے"

(تحفہ خلافت، صفحہ 124، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت جہلم)

(نیز دیکھیں مناظرہ منٹگمری 1930 کی روداد، شائع شدہ ماہنامہ "مناقب، بھکر" بابت ماہ دسمبر 1991)

تو کیا اسے بنیاد بنا کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ آیت استخلاف میں مذکور تین نعمتوں کا مجموعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نہیں پایا گیا اس لیے آپ اس آیت کے مصداق نہیں ہو سکتے؟؟ یا مفتی وقاص رفیع یہاں مولانا لکھنوی کے ساتھ بھی اختلاف کریں گے؟؟؟؟

واضح رہے کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو، خلافت راشدہ ہی مانتے ہیں، اور آیت استخلاف کے مصداق میں ہی شمار کرتے ہیں، یہ حوالے صرف مفتی وقاص رفیع کے علم میں اضافے کے لیے پیش کیے ہیں تاکہ وہ کسی دوسرے پر پتھر پھینکنے سے پہلے اپنے گھر کی بھی خبر لے لیا کریں.

مفتی وقاص رفیع کا ایک دجل :

مفتی رفیع نے مولانا عبدالعزیز فرہاروی (رح) کی ایک عربی عبارت پیش کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ :وأما معاوية فهو ان لم يرتكب منكراً" جس کا سلیس ترجمہ ہے کہ : "جہاں تک حضرت معاویہ

کی بات ہے تو آپ نے اگرچہ کسی منکر بات (یا گناہ) کا ارتکاب نہیں کیا" .... لیکن مفتی وقاص رفیع نے یہاں اپنا "بغض معاویہ" ظاہر کیا ہے اور ترجمہ یوں کیا ہے "انہوں نے اگرچہ سرعام کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا" ... یہ لفظ "سرعام" مفتی وقاص رفیع نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے... جس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) نے منکر اور گناہ کا ارتکاب تو کیا لیکن "سرعام" نہیں کیا ... جبکہ مولانا فرھاروی کی جو عربی عبارت خود مفتی وقاص نے نقل کی ہے اس میں صرف "لم یرتکب منکراً" ہے ... وہاں ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا ترجمہ "سرعام" ہو..

مولانا نانوتوی (رح) کی ایک اور کتاب "اجوبہ اربعین" طبع مکتبہ ہاشمی میرٹھ انڈیا، میرے سامنے ہے، اس میں ایک جگہ مولانا لکھتے ہیں :

"اور یہ سچ ہے کہ سنی اصحاب اربعہ یعنی چار یار کو بترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین سمجھتے ہیں اور خلیفہ راشد اعتقاد کرتے ہیں، پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا" .... (آگے لکھتے ہیں) .... "اجی صاحب ! اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے ہیں، خلیفہ راشد نہیں سمجھتے، اگر کسی نے ان کو خلیفہ لکھ دیا تو اس سے خلیفہ راشد مراد نہیں .... (آگے لکھتے ہیں) .... اجی صاحب ! اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار یار ہی کو سمجھتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے جیسے اولاد کو ہر کوئی خلف کہتا ہے پر خلف رشید اس کو کہتے ہیں جو فرزند کامل ہو، ورنہ یا تو ناخلف ہے یا کوئی صفت بھلی بری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے، سو خلیفہ راشد تو چار یار ہی تھے اور یزید، ولید، عبدالملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے، اور حضرت امیر معاویہ (رض) اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ ناخلف ..... (آگے لکھتے ہیں) ..... بالجملہ اہل سنت خلیفہ سبھی کو کہہ دیا کرتے ہیں، اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں ..... ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی ایک تو خلیفہ راشد، یہ تو چار یار اور پانچویں چھ مہینے کے لیے حضرت امام حسن (رض) ہوگئے تھے، دوسرا خلیفہ غیر راشد، اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور

ملک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں، یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں ، ہاں عمر بن عبدالعزیز البتہ مروانیوں میں خلیفہ راشد ہوے ہیں"

(ملخصاً: اجوبہ اربعین، صفحات 4تا6، حصہ دوم، مطبع ہاشمی، میرٹھ)

اس عبارت میں مولانا نانوتوی نے پہلے تو یہ کہا کہ سنی صرف چار اصحاب کو خلیفہ راشد سمجھتے ہیں، اور حضرت معاویہ (رض) ،یزید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا..

پھر مولانا نانوتوی نے خلیفہ کی دو قسمیں کیں، ایک خلیفہ راشد اور ایک خلیفہ غیر راشد، اور یہاں حضرت حسن (رض) اور حضرت عمر بن عبد العزیز (رح) کو بھی خلفاء راشدین میں شمار کر دیا... اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ لفظ "راشد" بزرگی پر دلالت کرتا ہے... اور ساتھ ہی حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں صراحت کے ساتھ لکھا کہ وہ خلیفہ راشد نہیں...

اب سوال ہوتا ہے کہ اگر خلیفہ راشد صرف چار یار ہی ہیں تو پھر حضرت حسن (رض) اور حضرت عمر بن عبدالعزیز (رح) کو مولانا نے کس طرح خلفاء راشدین میں شمار کر دیا؟ کیا یہ دونوں آیت استخلاف کا مصداق ہیں؟ اور اگر یہ دونوں آیت استخلاف کا مصداق نہیں (جسے خلافت موعودہ کے لفظ سے بھی یاد کیا جاتا ہے) تو اگر اس کے باوجود ان دونوں کو خلیفہ راشد کہا جاسکتا ہے تو حضرت معاویہ (رض) کو کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ مولانا انھیں صرف "خلیفہ" کہنے پر بھی تیار نہیں؟؟

پھر مولانا نانوتوی نے لکھا ہے کہ "خلیفہ برحق صرف چار ہیں" . تو کیا حضرت معاویہ (رض) خلیفہ ناحق تھے؟؟ یہ لفظ بھی مناسب نہیں...

نوٹ: علامہ ابن خلدون نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"فهو من الخلفاء الراشدين" وہ خلفاء راشدین میں سے ہیں" (تاریخ ابن خلدون، ج2 ص650، دار الفکر بیروت)

مفتی وقاص رفیع کے مقتدا جناب قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے بھی لکھا ہے کہ:

"اور بنی امیہ میں تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین بھی ہیں اور حضرت امیر معاویہ (رض) بھی جو باتفاق اہل سنت حضرت حسن (رض) کی صلح کے بعد برحق خلیفہ ہیں، اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی ہوئے ہیں جن کو قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین کے بعد رشد و ہدایت کی بنا پر خلیفہ راشد کہا جاتا ہے "
(خارجی فتنہ، جلد 1 صفحہ 38)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

" گو دوسرے صحابی خلفاء بھی راشدین ہیں لیکن وہ قرآن کے موعودہ خلفاء نہیں ہیں" (خارجی فتنہ ج 1 صفحہ 648)

(نوٹ: اگرچہ قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کا اس بات پر اصرار کہ آیت استخلاف کی بناء پر صرف خلفاء اربعہ ہی کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے درست نہیں، کیونکہ بہت سے بڑے بڑے مفسرین نے اس آیت میں خطاب "عام امت" کے لیے لیا ہے، لیکن یہاں ہمارا مقصد قاضی صاحب کی کتاب کے حوالے پیش کرنے سے صرف یہ بتانا ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب بھی حضرت حسن و حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) اور حضرت عمر بن عبد العزیز (رح) کو بھی (چاہے کسی بھی حیثیت و معنی میں ہی سہی) خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں، نیز حضرت معاویہ (رض) کو حضرت حسن (رض) کی صلح کے بعد برحق خلیفہ مانتے ہیں)

لہٰذا مولانا نانوتوی کا یہ لکھنا کہ حضرت معاویہ (رض) کو سنیوں میں سے کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا، اور خلیفہ برحق صرف چار کو لکھنا محل نظر ہے... یہ مولانا کا تسامح ہے.

مفتی وقاص رفیع کی تاویل

یوں تو مفتی وقاص رفیع، جگہ جگہ صحابہ کرام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی صحابی سے فلاں معصیت ہو گئی، یا کسی بات میں قرآن وسنت مہجور ہو گیا تو اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے؟ صحابہ معصوم تو نہیں کہ ان

سے غلطی نہ ہوسکے... لیکن غیر صحابہ اکابرین سے اگر کہیں تسامح ہو گیا ہے یا تحریر میں کوئی بے احتیاطی ہو گئی ہے تو مفتی وقاص رفیع یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ ان سے بھی تسامح اور غلطی ہو سکتی ہے.. بلکہ وہ دور از کار تاویلات کرکے اس تسامح اور غلطی کو درست ثابت کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں.. چنانچہ یہاں مولانا نانوتوی کی مندرجہ بالا عبارت کی تاویل کچھ یوں کرتے ہیں کہ:

"خلافت راشدہ موعودہ بہ نص قرآن صرف مہاجرین اولین چار خلفاء ہی میں منحصر ہے، کوئی دوسرا خلیفہ اس میں شامل نہیں ہوسکتا" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 527)

قارئین محترم! اول تو مولانا نانوتوی نے لفظ "خلافت راشدہ" اور "خلافت غیر راشدہ" کا لکھا ہے، "خلافت موعودہ بہ نص قرآن" و "غیر موعودہ" کا نہیں لکھا، اس لیے مفتی وقاص رفیع کا یہاں "موعودہ بہ نص قرآن" کا اضافہ **توجیہ القائل بما لایرضی بہ قائلہ** کا مصداق ہے.

نوٹ: اجو بہ اربعین کا جو ایڈیشن پاکستان مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے شائع ہوا اس میں اصل کتاب میں بین القوسین (موعود علی منہاج النبوۃ) کے الفاظ بعد میں زیادہ کیے گئے ہیں، جو کہ مولانا نانوتوی کی اصل عبارت میں نہیں..

نیز اگر مولانا نانوتوی کی مراد یہاں "خلافت راشدہ" سے "خلافت موعودہ علی منہاج النبوۃ" ہی تھی تو پھر آپ نے حضرت حسن (رض) اور عمر بن عبد العزیز (رح) کو کس طرح خلفاء راشدین میں شمار کرلیا؟؟؟

مفتی وقاص رفیع نے یہاں یہ تاویل کرکے جان چھڑانے کی کوشش کی ہے کہ "تیس سالہ خلافت" والی حدیث کی رو سے بعض علماء نے حضرت حسن (رض) کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے، جبکہ بعض دوسروں نے آپ کو خلفاء راشدین میں شمار نہیں کیا بلکہ حکماً آپ کو خلیفہ راشد کہہ دیا ہے.. اور اس کے لیے جو مولانا عبد الشکور لکھنوی کا حوالہ دیا ہے وہ کچھ یوں ہے:

"بعض علماء کرام نے خلفاء راشدین میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کا اضافہ کیا ہے مگر میں نے باتباع جمہور حضرت علی (رض) پر خلافت راشدہ کو اس لیے ختم کردیا کہ حضرت امام حسن (رض) کی خلافت صرف چھ ماہ رہی، پھر

انہوں نے خود ہی خلافت کی باگ حضرت معاویہ (رض) کے ہاتھ میں دے دی اور خود بھی ان سے بیعت کرلی" (خلفاء راشدین بحوالہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب، صفحہ 530)

قارئین محترم! یہ حوالہ مفتی وقاص رفیع نے حضرت حسن (رض) کی خلافت کو "حکما خلافت راشدہ" کہنے پر پیش کیا ہے، جبکہ اسی عبارت میں حضرت حسن (رض) کے ساتھ ہی حضرت معاویہ (رض) کا بھی نام ہے ... تو کیا مفتی وقاص کو نہیں چاہیے تھا کہ وہ یوں لکھتے کہ: "بعض حضرات نے حضرت حسن اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں کو حکما خلیفہ راشد کہہ دیا ہے"؟؟؟ یہاں مفتی وقاص رفیع نے ڈنڈی کیوں ماری؟؟ اس کی وجہ مفتی وقاص رفیع کا وہی اندر چھپا بغض معاویہ (رض) ہی ہے۔

آگے مفتی وقاص رفیع نے قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی ایک عبارت بھی پیش کی ہے جس میں ہے کہ "آیت استخلاف (یعنی سورۃ النور کی آیت: **وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم ....الآية**) کا مصداق صرف خلفاء اربعہ ہیں، ان کے بعد کوئی بھی اس آیت کا مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا"

تو عرض ہے کہ حضرت قاضی مظہر صاحب (رح) کا یہ دعوی صرف بعض مفسرین کی رائے ہے، جبکہ بہت سے مفسرین نے اس آیت کریمہ میں خطاب صرف اس وقت موجود صحابہ کرام کو نہیں بلکہ پوری امت کو بتایا ہے، امام ابن عطیہ اندلسی، حافظ ابن کثیر، امام قرطبیؒ، علامہ آلوسی وغیرہم کی تفاسیر دیکھ لی جائیں... نیز مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی بیان القرآن میں اس آیت کے ترجمے میں اور پھر تشریح میں یہی لکھا ہے کہ یہ خطاب امت کو ہے... لہٰذا آیت استخلاف میں کیے گئے وعدے کا مصداق قطعی طور پر صرف چار کو قرار دینا صرف ایک تفسیر ہے، جبکہ دوسری تفاسیر اس کے برعکس ہیں... البتہ دونوں تفاسیر کی رو سے خلفاء اربعہ اس آیت کے مصداق میں ضرور داخل ہیں...

الغرض! مولانا نانوتوی (رح) کی عبارت میں مذکور "خلافت راشدہ" کو "خلافت موعودہ علی منہاج النبوۃ" سے مقید کرنا صرف ایک دور از کار تاویل ہے۔

اکابر کے نادان وکیل : (قسط: 17)

میرے سامنے اس وقت مولانا نانوتوی (رح) کا ایک فارسی مکتوب اردو ترجمے کے ساتھ موجود ہے، جس کا عنوان لکھا ہوا ہے "در تحقیق واثبات شہادت امام حسین (رض) وکردارِ یزید"، اس کے مترجم کا نام لکھا ہے "پروفیسر مولانا انوار الحسن شیر کوٹی"، ناشر کا نام " تحریک خدام اہل سنت والجماعت، لاہور" لکھا ہے..اس رسالے کا "دیباچہ" تحریک خدام اہل سنت کے بانی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین (رح) کا لکھا ہوا ہے، نیز اس رسالے کے شروع میں حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کے یہ الفاظ جلی حروف میں لکھے ہیں کہ :

" تحریک خدام اہل سنت کے ایک نوجوان عالم قاری شیر محمد صاحب علوی سلمہ (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور) نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہ کا یہ محققانہ مکتوب کتابی صورت میں شائع کرکے ایک اہم دینی خدمت انجام دی ہے" (صفحہ 3) .

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتوی کا یہ فارسی مکتوب مع ترجمہ حضرت قاضی صاحب (رح) کی نظر سے گزرا تھا، اور پھر اپنے دیباچہ میں حضرت قاضی صاحب نے حضرت نانوتوی کی اسی مکتوب میں لکھی ایک ایسی عبارت کی اپنی طرف سے تاویل کرنے کی کوشش بھی کی ہے جس سے یہ سمجھ آتا تھا کہ حضرت نانوتوی، حضرت حسین (رض) سے اجتہادی غلطی صادر ہونے کے امکان کے قائل ہیں... تو حضرت قاضی صاحب نے اس عبارت پر اپنا تبصرہ کیا ہے (جو اس وقت ہمارا موضوع نہیں) اس وقت صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اس مکتوب کو بمع ترجمہ حضرت قاضی صاحب (رح) نے ضرور پڑھا ہوگا، اس کے بعد اس پر دیباچہ بھی لکھا، اور

اس مکتوب کو کتابی صورت میں شائع کرنے والے کی تعریف بھی فرمائی اور مولانا نانوتوی (رح) کی ایک عبارت جو قاضی صاحب کے نزدیک قابل اشکال تھی اس سے پیدا ہونے والے اشکال کو رفع کرنے کی بھی کوشش فرمائی ... لیکن اس وقت ہماری زیر بحث عبارت پر نہ حضرت قاضی صاحب (رح) نے کوئی تبصرہ فرمایا اور نہ اس کی کوئی تاویل کی.

(یہ سب باتیں میں نے بطور خاص اس لیے ذکر کی ہیں کہ یہ آپ کے ذہن میں رہیں، جب مفتی وقاص رفیع اس عبارت کا دفاع کرتے ہوئے ساری غلطی مترجم جناب پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی کے کھاتے میں ڈالیں گے تو وہاں میں پھر اس طرف واپس آؤں گا)

تو سب سے پہلے مولانا نانوتوی کے اس مکتوب کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں، مولانا زیر عنوان "حضرت امیر معاویہ (رض) در بارہ خلافت" اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ "حضرت امیر معاویہ (رض) کا خلافت کے متعلق نظریہ یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو، گو اس سے افضل ہوں تو دوسروں سے اس کو خلیفہ بنانا افضل ہے، اس بات پر نظر رکھتے ہوئے انہوں نے یزید کو دوسروں سے افضل جانا اور اگر بالفرض افضل نہ بھی جانا تو اس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا جیسا کہ گذشتہ مقدمات میں معلوم ہو گیا کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب، لیکن اتنی بات کے باعث ترک افضل کا گناہ ان پر نہیں تھوپا جا سکتا کے امیر معاویہ (رض) کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں" ..... اس کے بعد آگے مولانا کے فارسی الفاظ ہیں:

"وایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از اجلۂ صحابہ نمی شماریم کہ بنسبت ترک افضل و اولی ہم دریں چنیں امور معذرۃ نمائیم"

ان کا اردو ترجمہ مولانا پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی نے یوں کیا ہے:

"اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے کہ افضل و اولی کو ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں"

(مکتوب در تحقیق اثبات شہادت امام حسین (رض) و کردارِ یزید، صفحہ 77 – 78)

پھر اسی کے نیچے حاشیہ میں مولانا نانوتوی کے ان الفاظ میں تخفیف کرنے کی غرض سے یہی مولانا پروفیسر شیر کوٹی صاحب لکھتے ہیں کہ :

"یعنی چونکہ حضرت امیر معاویہ (رض) حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالی عنہم کی طرح کے ایسے صحابہ میں نہ تھے کہ یزید کو اپنا جانشین بنانے پر ان کی طرف سے ہم معذرت پیش کریں . مترجم" (حاشیہ صفحہ 78)

قارئین محترم ! مولانا نانوتوی (رح) کے اس مکتوب کی یہ مکمل فارسی عبارت کسی بھی فارسی دان سے پڑھا لیں، اس کا سیاق و سباق پڑھ کر وہ کہے گا کہ اس کا صحیح اور درست ترجمہ و مفہوم وہی ہے جو مولانا شیر کوٹی نے کیا ہے کہ "اگر بالفرض یہ بھی تسلیم کرلیں کہ حضرت معاویہ (رض) نے یزید کو اپنا جانشین بنا کر ایک غیر افضل اور غیر اولی کام کیا تو ہمیں ان کی طرف سے اس پر معذرت پیش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم انہیں جلیل القدر صحابہ میں سے نہیں سمجھتے"....

فارسی عبارت کا یہی ترجمہ درست بن رہا ہے... الا یہ کہ مولانا نانوتوی کے فارسی مکتوب میں یہ عبارت یوں نہ ہو یا کسی نے تبدیل کردی ہو تو الگ بات ہے.. لیکن جو فارسی عبارت یہاں منقول ہے اس کا مفہوم واضح ہے..

پھر جیسا کہ اوپر بیان ہوا، مترجم مولانا شیر کوٹی کے نزدیک بھی مولانا نانوتوی کے ان الفاظ سے سمجھ آنے والا مفہوم محل نظر تھا تو انہوں نے اس کی تاویل کرنے کے لئے حاشیے میں یہ لکھ دیا کہ اس کا مطلب ہے کہ حضرت معاویہ (رض) خلفاء اربعہ کی طرح کے صحابہ میں سے نہ تھے.... جبکہ مولانا نانوتوی نے مطلقاً لکھا ہے کہ "ہم حضرت معاویہ (رض) کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے"..

مولانا نانوتوی کی اس بات سے ہم بصد ادب و احترام اختلاف کرتے ہیں، اور اسے ان کا تسامح گردانتے ہیں، انھیں یہ لفظ لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی، اور نہ یہاں ایک "غیر اولی" لیکن مباح کام کرنے پر معذرت پیش کرنے کی ہی سرے سے کوئی ضرورت ہی ہے جس کا احسان حضرت معاویہ (رض) پر جتایا جارہا ہے.

حضرت امیر معاویہ (رض) کے بارے میں شارح صحیح مسلم امام نووی (رح) لکھتے ہیں:

"وأما معاوية رضي الله عنه فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء.."معاویہ (رض) عادل، فاضل اور جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں.

(شرح النووی علی صحیح مسلم، جلد 15 صفحہ 149 طبع مصر)

حضرت ملا علی قاری (رح) نے بھی اسی سے ملتے جلتے الفاظ لکھے ہیں کہ:

"واما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة الأخيار"

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد 11 صفحہ 151 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (رح) نے بھی لکھا ہے کہ:

"اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ حضرت معاویہ (رض) صحابہ کرام میں سے ایک تھے اور صحابہ کے بھی جلیل القدر زمرہ میں سے تھے" (ازالۃ الخفاء مترجم اردو، جلد 1 صفحہ 571)

لیکن مفتی وقاص رفیع، بجائے اس کے کہ یہ تسلیم کرلیں کہ مولانا نانوتوی (رح) کے قلم سے یہاں تسامح ہو گیا... انہوں نے سارا بار مترجم مولانا پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی پر ڈال دیا ہے اور لکھا ہے:

"فاضل مترجم مولانا انوار الحسن شیر کوٹی سے دوران ترجمہ یہاں تھوڑا بہت تسامح اور سہو ہو گیا، اور اسی غلط فہمی کے نتیجے میں انہوں نے نیچے حاشیہ میں بھی غلطی کھالی، جس کی وجہ سے بات کہیں سے کہیں نکل گئی، اور مخالفین و معاندین پروفیسر طاہر ہاشمی وغیرہ نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف

پروپگنڈے کا بازار گرم کرکے انھیں حضرت معاویہ (رض) کا ناقد وگستاخ ٹھہرادیا" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 535)

قارئین محترم! ملاحظہ فرمائیں، جو مفتی وقاص رفیع حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں غیر صحابہ کی طرف سے لکھے گئے سخت سے سخت ناقدانہ الفاظ کا دفاع کرتے ہوے بار بار یہ لکھتے ہیں کہ "اگر حضرت معاویہ سے فلاں معصیت ہو گئی، یا ان سے قرآن وسنت مہجور ہو گیا تو اس میں غیر معمولی کیا بات ہے؟ صحابہ ہمارے نزدیک معصوم تو نہیں"، وہ مولانا نانوتوی (رح) کے بارے میں یہ سننے کے لیے بھی تیار نہیں کہ ان کی اس عبارت میں ان سے تسامح ہو گیا ہے... بلکہ مترجم پر جو کہ خود فاضل دیوبند ہیں یہ الزام لگا دیا کہ ان سے ترجمہ میں غلطی اور تسامح ہو گیا ہے... اور پھر اپنا غصہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب پر نکال دیا ہے کہ انہوں نے حضرت نانوتوی (رح) کو ناقدین حضرت معاویہ (رض) میں شمار کر دیا ہے... اور ان کو گستاخ ٹھہرادیا ہے (ہمارے علم کے مطابق قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے مولانا نانوتوی کے بارے میں گستاخ کا لفظ نہیں لکھا، ہاں اگر مفتی وقاص رفیع کے نزدیک کسی پر تنقید یا نقد کا مطلب اس کی گستاخی ہے تو الگ بات ہے)...

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ، بزعمِ خود فارسی عبارت کا "صحیح اور درست" ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"اور خلافت کے بارے میں حضرت امیر معاویہ (رض) کا مسلک یہ تھا کہ جس شخص کو انتظام مملکت کا سلیقہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہو (اگرچہ وہ دیگر امور میں اس سے افضل ہی کیوں نہ ہو) وہ دوسروں سے افضل ہے، اسی بات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ (رض) اس (یعنی یزید) کو دوسروں سے افضل جانتے تھے، اور اگر اس کو افضل نہ بھی جانتے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں (کہا جا سکتا) کہ انہوں نے افضل کو ترک کیا ہے (واجب کو ترک نہیں کیا)، چنانچہ گزشتہ مقدمات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے واجب نہیں ہے، لیکن اس (ترک افضل وترک اولی جیسے) قدرے (اور معمولی عمل کو (بہر حال ایسا) گناہ نہیں کہا جا سکتا کہ جس کے سبب ہم حضرت امیر معاویہ (رض) پر سب وشتم کرنے لگ جائیں اور اس حوالے

سے ہم حضرت امیر معاویہ (رض) کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہ کریں، بلکہ ترک اولی وافضل کی نسبت سے ہم اس جیسے (دیگر تمام) امور میں (ان کی طرف سے) معذرت پیش کرتے ہیں" (ترجمہ ختم)

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 535 – 536)

(ذہن میں رہے کہ اس ترجمہ میں بین القوسین جتنے بھی الفاظ ہیں یہ مفتی وقاص رفیع نے اپنی تشریحات ڈالی ہیں)

قارئین محترم! جس نے فارسی کی ابتدائی کتب بھی پڑھی ہوئی ہیں وہ مفتی وقاص رفیع کے اس ترجمے پر خوب ہنسے گا... مولانا نانوتوی نے فارسی کے اس پیراگراف میں دو بار "ایں طرف" کا لفظ لکھا ہے ایک بالکل شروع میں "ایں طرف مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دربارہ خلافت ....." اور دوسرا آخر میں "ایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رااز اجلہ صحابہ نمی شماریم...." مفتی وقاص رفیع نے پہلے "ایں طرف" کا تو ترجمہ تو کیا ہی نہیں اور دوسرے کا ترجمہ کیا ہے "اس حوالے سے" جو کہ سراسر دھوکہ ہے... ایں طرف" کا ترجمہ "اس حوالے سے" ہرگز نہیں... مفتی وقاص رفیع نے بات کا مطلب تبدیل کرنے کے لیے ترجمے میں اپنے الفاظ ڈال کر دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے... اس فارسی عبارت کا سیدھا اور سلیس ترجمہ یہی ہے کہ مولانا نانوتوی (رح) پہلے تو حضرت معاویہ (رض) کی طرف سے یہ جواب دے رہے ہیں کہ ان کے خیال میں یزید امور مملکت چلانے میں دوسروں سے افضل تھا، اور اگر بالفرض وہ اسے افضل نہیں بھی سمجھتے تھے تو پھر بھی انہوں نے اسے جانشین نامزد کرکے کسی واجب کو ترک نہیں کیا (کیونکہ سب سے افضل کو خلیفہ بنانا کوئی واجب نہیں، ہاں صرف بہتر ہے) تو امیر معاویہ (رض) نے زیادہ سے زیادہ ایک غیر اولی (لیکن جائز) کام ہی کیا.. جسے گناہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی وجہ سے آپ پر سب وشتم روا رکھا جائے..... اس کے بعد مولانا نانوتوی نے "ایں طرف" سے نئی بات شروع کی ہے کہ.... دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ ہم حضرت امیر معاویہ (رض) کوئی جلیل القدر صحابہ میں سے بھی شمار نہیں کرتے کہ ہم ان کے ایک غیر افضل اور غیر اولی کام کی اور اس جیسے دیگر امور کی معذرتیں پیش کرتے رہیں...

نیز جیسا کہ پہلے میں نے بیان کیا کہ مولانا نانوتوی (رح) کے اس فارسی خط مع مولانا شیر کوٹی (رح) کے اردو ترجمہ کا دیباچہ حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے لکھا ہے اگر یہ اردو ترجمہ غلط ہوتا تو وہ اس کا ذکر ضرور کرتے ... کیا مفتی وقاص رفیع، دیوبند کے دو فضلاء کرام (مولانا انوار الحسن شیر کوٹی اور قاضی مظہر حسین صاحب) سے زیادہ فارسی زبان کے فاضل ہیں؟؟؟ اور کیا وہ ان دو فضلاء دیوبند کے اردو ترجمہ کو غلط ثابت کرکے خود اپنے ان دو اکابر کی "گستاخی" کے مرتکب تو نہیں ہو گئے؟ کہ ان کے نزدیک اکابر کے کسی تسامح پر نقد کرنا اکابر کی گستاخی ہے؟ ذرا سوچیں ... صیاد خود اپنے ہی دام میں کیسے آ گیا، اور دوسروں کو اکابر کا گستاخ کہنے والا کیسے خود کو ان اکابرین سے بڑا "فارسی دان" بتا رہا ہے.

نوٹ: قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے مولانا عبدالرشید نعمانی کی علماء کی ایک مجلس میں کی گئی ایک بات پیش کی تھی جس میں مولانا عبدالرشید نعمانی نے بھی یہی کہا تھا کہ: "حضرت نانوتوی نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں کہ ان کے ہر قول و فعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں".... اس کے جواب میں مفتی وقاص رفیع نے مولانا عبدالرشید نعمانی کی طرف اس بات کی نسبت کا تو انکار نہیں کیا، صرف یہی لکھا ہے کہ:

"اس کا جواب یہ ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا خلاف تحقیق ہے، لگتا یوں ہے کہ مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحقیق انوار النجوم ترجمہ قاسم العلوم سے نقل کی ہے، جو اس کے مترجم مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے دوران ترجمہ سہواً و نسیاناً غلط ترجمانی کے نتیجہ میں واقع ہوئی ہے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 601)

یوں مفتی وقاص رفیع نے یہ ثابت کیا ہے کہ مولانا انوار الحسن شیر کوٹی، مولانا قاضی مظہر حسین کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالرشید نعمانی کو بھی ترجمہ کی اس غلطی کا علم نہ ہوا... اور فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ نے یہ غلطی پکڑ لی.

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 18)

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 537 سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (رح)، صفحہ نمبر 549 سے علامہ سید انور شاہ کشمیری (رح) اور صفحہ نمبر 581 سے مفتی محمد کفایۃ اللہ دہلوی (رح) کی چند عبارات پر بات کی ہے، آیئے ان عبارات کا جائزہ لیتے ہیں.

اس وقت میرے سامنے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (رح) کی ایک کتاب "ہدایۃ الشیعہ" مطبوعہ دار الاشاعت کراچی ہے، اس کے صفحہ 30 پر مولانا لکھتے ہیں:

"اور معاویہ (رض) کا محاربہ حضرت امیر (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ_ ناقل) کے ساتھ جو ہوا اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں، ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی، اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں، مگر معاویہ (رض) اس خطأ کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے...."

اس کے بعد اگلے صفحے پر لکھا کہ:

"اور سوا اس کے صدہا آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فسق وگناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا، اور حضرت امیر (رض) کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہ (رض) اور ان کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا، اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ لعن سے منع کرنے کی ہوتی" (صفحہ 31)

پھر اسی صفحے پر نہج البلاغہ سے حضرت علی (رض) کا ایک قول پیش کرکے لکھتے ہیں:

"حضرت امیر (رض) ان کو خود مسلمان بھائی فرماتے ہیں، ہاں البتہ اس میں بسبب شبہ وتاویل کجی آ گئی تھی اور یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا، نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے، سو اس

نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب (حضرت) معاویہ (رض) سے خطأ ہوئی مگر بتاویل، منقول ہے کہ حضرت معاویہ (رض) آخر عمر میں اس امارت اور اپنے عمل سے نادم ہوتے تھے، سو ندامت سے جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا..." (صفحہ 31)

قارئین محترم! سب سے پہلے یہ ذہن میں رکھیں کہ خود مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی یہ کہتے ہیں کہ
"جمہور اہل سنت کے نزدیک ان مشاجرات میں حضرت معاویہ (رض) اور ان حضرات صحابہ سے جنہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت کی نہ کی تھی اجتہادی خطأ ہوئی"
اور اہل سنت کا یہ بھی کہنا ہے کہ اجتہادی خطأ بھی حق کے دائرے میں ہی ہوتی ہے، حق سے خارج نہیں ہوتی، اسی لئے مجتہد مصیب کو اپنے اجتہاد کے دو اجر ملتے ہیں تو مجتہد مخطی کو بھی "گناہ" نہیں ملتا بلکہ ایک اجر ہی ملتا ہے، یوں "اجتہادی خطأ" گناہ نہیں ہوتی.
اب اوپر منقول مولانا گنگوہی (رح) کی تحریر کا بغور جائزہ لیں.. کیا اس سے یہ سمجھ نہیں آتا کہ:
مولانا گنگوہی یہ دعوی فرما رہے ہیں کہ اہل سنت میں سے کوئی بھی حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے مشاجرے میں حضرت معاویہ (رض) کے موقف کو "جائز" نہیں کہتا، بلکہ تمام انہیں (صرف) مخطی کہتے ہیں، لیکن ان کی یہ خطأ ایسی نہیں کہ جس سے وہ ایمان سے ہی نکل جائیں....
پھر اگلے پیرے میں آیات قرآنیہ کا حوالہ دے کر یہ لکھتے ہیں کہ: "فسق وگناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا"...
اس عبارت سے بظاہر تو یہی سمجھ آتا ہے کہ مولانا گنگوہی حضرت معاویہ (رض) کی جس "خطأ" کا ذکر کر رہے ہیں وہ ان کے نزدیک "گناہ کبیرہ یا فسق" تھی... جبھی تو یہ لکھا کہ: "فسق وگناہ کبیرہ سے مسلمان، کافر نہیں ہوتا"..
اور پھر آگے حضرت علی (رض) کا نہج البلاغہ کے حوالے سے ایک قول نقل کر کے لکھا کہ: "یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا، نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے"....اس سے بھی یہی سمجھ آ

رہا ہے کہ مولانا گنگوہی، حضرت معاویہ (رض) کی طرف جس خطأ کی نسبت کر رہے ہیں وہ "گناہ" تھی، جبھی تو یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ "گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا، لیکن وہ آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا"....

پھر آگے مولانا گنگوہی نے مزید یہ لکھا کہ: "منقول ہے کہ حضرت معاویہ (رض) آخر عمر میں اس امارت اور اپنے عمل سے نادم ہوتے تھے، سو ندامت سے جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا"....اس میں بھی یہ ذکر کیا کہ "جو کچھ گناہ ان سے ہوا"..

قارئین محترم! ہمیں حضرت مولانا گنگوہی (رح) کے علم و فضل کا اقرار ہے، ان کے مافی الضمیر میں صحابہ کرام کے بارے میں کیا جذبات تھے وہ ہم نہیں جانتے، لیکن ان کی اس تحریر سے بظاہر جو سمجھ آتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ حضرت معاویہ (رض) کی خطأ کو "اجتہادی خطأ" نہیں لکھ رہے بلکہ "گناہ" لکھ رہے ہیں (بلکہ گناہ کبیرہ اور فسق کے الفاظ دیکھ کر تو یہ سمجھ آتی ہے یہ گناہ فسق تک پہنچا تھا)... کیونکہ "اجتہادی خطأ" پر تو ایک اجر ملتا ہے ... وہ تو صغیرہ گناہ بھی نہیں ہوتی چہ جائے کہ کبیرہ گناہ... لہٰذا ہمارے خیال میں مولانا گنگوہی کے عقیدے کے بارے میں تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن یہاں الفاظ اور تعبیر کی حد تک ان سے ضرور تسامح ہوا ہے. اور بقول مفتی وقاص رفیع، جب صحابہ کرام سے گناہ اور معصیت ہو سکتی ہے، تو ان کے کئی سو سال بعد ہونے والے غیر صحابی ایک عالم و فاضل سے کیوں تسامح اور سہو نہیں ہو سکتا؟؟

نیز انہوں نے جو حضرت معاویہ (رض) کی آخری عمر میں ندامت کا ذکر کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انہوں نے توبہ کرلی ہوگی... تو پھر دوسری طرف ہمیں حضرت علی (رض) کے بھی ایسے اقوال ملتے ہیں جن میں آپ نے پشیمانی کا اظہار فرمایا، امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ:

"ایک وقت حضرت علی (رض) نے جو جنگ کی اس پر آپ ندامت فرماتے تھے"..) نیز لکھا کہ) "آپ نے صفین کی جنگ کے بعد اپنے بیٹے حضرت حسن (رض) سے فرمایا: "اے حسن! تمہارے باپ کو یہ اندازہ

نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا، کاش تمہارا باپ اس سے بیس سال پہلے وفات پاچکا ہوتا"... نیز لکھا کہ "جب آپ جنگ صفین سے واپس ہوے تو آپ فرماتے تھے کہ: "(اے لوگو!) معاویہ کی امارت کو برا نہ سمجھو، اگر تم نے اسے کھو دیا تو تم سر اپنے گردوں سے اڑتے ہوے دیکھوگے".

(منہاج السنۃ، جلد 6 صفحہ 209).

تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ حضرت علی (رض) سے نعوذ باللہ کوئی گناہ ہو گیا تھا؟؟ دراصل اگر ایسی ندامت حضرت معاویہ (رض) یا حضرت علی (رض) نے فرمائی تو وہ اس نقصان پر تھی جو اس جنگ میں دونوں طرف کے مسلمانوں کا ہوا..

لیکن آیئے دیکھیں کہ مفتی وقاص رفیع کا کیا کہنا ہے؟ غور سے پڑھیے لکھتے ہیں:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مفہوم:

"حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیعوں کے سوالات کے جوابات کے سلسلہ میں در اصل اس مسئلے پر گفتگو فرمارہے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے، اس ذیل میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت اگرچہ انہیں اور ان کے جملہ اصحاب کو حضرت علی (رض) اور ان کے اصحاب کے ساتھ جنگ لڑنے میں مجتہد مخطی مانتے ہیں لیکن اس خطائے اجتہادی کے سبب وہ ایمان سے نہیں نکل جاتے بلکہ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا ہو اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوتا"

(حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر، صفحہ 542)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع کے اس جواب کو ایک بار پھر پڑھیں... پہلی پانچ سطروں میں یہ لکھا ہے کہ "گنگوہی صاحب نے لکھا ہے کہ اہل سنت حضرت معاویہ اور ان کے اصحاب کو مجتہد مخطی مانتے ہیں اور خطائے

اجتہادی کے سبب کوئی ایمان سے نہیں نکل جاتا (ذہن میں رہے کہ گنگوہی صاحب نے "مجتہد مخطی" کا لفظ نہیں لکھا، یہ مفتی وقاص کا دھوکہ ہے، اور نہ ہی انہوں نے خطائے اجتہادی کا ذکر کیا ہے).

لیکن پھر یہی مفتی وقاص رفیع خود آخری سطر میں یہ لکھتے ہیں کہ:

"بلکہ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا ہو اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوتا"..

غور کریں! پہلے لکھا کہ گنگوہی صاحب تو یہ کہہ رہے ہیں کہ ان سے خطائے اجتہادی ہوئی تھی... اور پھر یہ لکھا کہ وہ لکھ رہے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ اور فسق کا ارتکاب کیا اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہوگا... کیا اجتہادی خطأ "گناہ کبیرہ اور فسق" ہو سکتی ہے؟؟

شاید مفتی وقاص رفیع نے جہاں سے "افتاء" کیا ہے وہاں "خطائے اجتہادی" اور "گناہ کبیرہ اور فسق" ایک ہی چیز ہیں... کسی نے درست ہی کہا ہے کہ:

دروغ گو را حافظہ نہ باشد.. جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:

"اس عبارت میں حضرت گنگوہی قدس سرہ اپنا مسلک یا اپنا موقف ہر گز بیان نہیں فرمارہے کہ معاذ اللہ! حضرت معاویہ (رض) اور ان کے جملہ اصحاب گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فاسق تھے، بلکہ علی سبیل التسلیم یہ کہہ رہے ہیں کہ بفرض محال اگر انھیں مرتکب گناہ کبیرہ اور فاسق مان بھی لیا جائے جب بھی ان پر کسی قسم کا لعن طعن کرنا جائز نہیں لأن الفاسق ليس بأهل اللعن" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 542)

قارئین محترم!

آپ ایک بار پھر حضرت گنگوہی کی عبارت پڑھیں.. اور پھر بتائیں کہ کیا وہاں کوئی ایسا لفظ ہے جس سے یہ سمجھ آئے کہ یہ بات "بفرض محال" لکھی گئی ہے؟؟ اور اگر بقول مفتی وقاص رفیع، گنگوہی صاحب نے یہ اپنا موقف نہیں لکھا تو کس کا موقف لکھا ہے؟؟ انہوں نے تو جو تمام اہل سنت کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ وہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (صرف) مخطی" کہتے ہیں یہ بھی محل نظر ہے اور درست نہیں... کیونکہ

سب سے بڑے اہل سنت تو صحابہ کرام ہیں، اور ظاہر ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف سے اتفاق رکھنے والے جو صحابہ کرام تھے، نیز وہ تمام صحابہ جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے تھے اور جن کی تعداد آدھے سے زیادہ تھی (بلکہ بقول محمد بن سیرین اس وقت موجود صحابہ کرام کی دو تہائی سے زیادہ تھی) وہ اپنے موقف کو درست ہی سمجھتے تھے ... پھر حافظ ابن تیمیہ نے تو صاف لکھا ہے کہ بہت سے علماء اہل سنت حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) دونوں کو اپنی اپنی جگہ مجتہد مصیب ہی سمجھتے ہیں (منہاج السنۃ، جلد 4 صفحہ 447) ... تو گنگوہی صاحب کی یہ بات بھی ان کا تسامح ہی ہے. نیز انہوں نے صرف "مخطی" لکھا ہے، جب کہ جو اہل سنت حضرت معاویہ (رض) کی اجتہادی خطأ کے قائل ہیں وہ انھیں صرف "مخطی" نہیں بلکہ "مجتہد مخطی" کہتے ہیں. اور اجتہادی خطا گناہ نہیں، اگر گناہ ہوتی تو اس پر ایک اجر نہ ملتا.

اکابر کے نادان وکیل (قسط 19 چند اہم باتیں)

آئندہ اقساط سے پہلے چند نہایت اہم باتیں مستحضر کرنا ضروری ہے۔۔ پہلے وہ پڑھ لیں

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ "خلیفہ راشد" اور "خلافت موعودہ" کی آج ہمارے ہاں مشہور مفہوم کے ساتھ مخصوص اصطلاح صحابہ کرام کے درمیان رائج نہ تھی، یہ دور صحابہ کے بعد بنائی گئی۔۔۔ صحابہ کرام تو فرامین نبویہ کے مطابق اسی پر کاربند تھے کہ اگر تم پر کوئی حبشی غلام بھی امیر بنادیا جائے تو اس کی اطاعت کرنی ہے۔۔۔ اسی لئے اہل سنت کے اکابرین نے لکھا ہے کہ کسی فاسق مسلمان حاکم کے خلاف بھی خروج جائز نہیں۔ (امام نووی نے شرح مسلم میں اس پر اہل سنت کا اجماع لکھا ہے) یہ تو تھی اصولی بات۔۔

اب آیئے حضرت علی (رض) کی خلافت کی طرف۔ حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد جس قسم کے حالات ہوئے ان میں صحابہ تین گروہوں میں تقسیم ہوئے، ایک گروہ ان صحابہ کا جنہوں نے برضاء ورغبت حضرت علی (رض) کی بیعت کی اور ان کے ساتھ مل کر لڑائی میں بھی حصہ لیا۔۔۔ (صحابہ کا یہ گروہ قلیل تعداد میں تھا)

دوسرا گروہ وہ جنہوں نے حضرت علی (رض) کی سرے سے بیعت ہی نہ کی یا پہلے یہ سوچ کر بیعت کی کہ آپ قاتلین عثمان (رض) سے قصاص لیں گے، لیکن جب ان کی امید پوری نہ ہوئی تو حضرت علی (رض) کے ساتھ قصاصِ عثمان (رض) پر ان کی جنگ بھی ہوئی، جیسے حضرات طلحہ وزبیر وحضرت معاویہ وعمرو بن العاص وغیرہم (رضی اللہ عنھم اجمعین)۔

صحابہ کا تیسرا گروہ وہ تھا جس نے نہ حضرت علی (رض) کی بیعت کی اور نہ حضرت علی (رض) کی طرف سے یا ان کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا، بلکہ غیر جانبدار ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے۔۔ان کے پاس نبی کریم (ص) کی وہ احادیث بطور دلیل تھیں کہ "جب فتنہ برپا ہو تو الگ ہو کر بیٹھ جانا"۔ یہ گروہ اکثریت میں تھا جیسا کہ روایات سے ثابت ہوتا ہے (جیسے ابن سیرین کی روایت)۔

تو تصویر کچھ یوں بنتی ہے کہ صحابہ کرام کے تین میں سے دو گروہ حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کرتے۔ ان میں سے بڑی تعداد غیر جانبدار رہی اور کچھ نے باقاعدہ حضرت علی (رض) کے مقابلے میں جنگ میں بھی حصہ لیا۔۔۔اور ذہن میں رہے کہ جنگ جمل وجنگ صفین دونوں میں لشکر کشی حضرت علی (رض) کی طرف سے ہوئی، یہ جھوٹ ہے کہ فریق مخالف نے ان کے خلاف خروج کیا۔ امام ابن تیمیہ نے صاف لکھا ہے کہ: "ولم یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداءً" حضرت معاویہ (رض) نے جنگ میں ابتداء نہیں کی تھی (منہاج السنہ، جلد 4 صفحہ 447)۔۔

یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی نہیں کرسکتا۔۔ کوئی یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ حضرت علی (رض) کی خلافت و بیعت پر اس وقت موجود تمام صحابہ کا اتفاق و اجماع ہوگیا تھا۔۔ بلکہ آدھے صحابہ کا اتفاق بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔۔ (یہ میں نہیں کہتا بلکہ اہل سنت کے اکابرین نے ہی لکھا ہے جیسے امام ابن تیمیہ وغیرہ)۔

حضرت مجدد الف ثانی (رح) نے لکھا ہے کہ: "اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں بلکہ صحابہ کی کم وبیش نصف جماعت اس معاملہ میں حضرت معاویہ کے شریک ہیں" (مکتوبات مترجم اردو، مکتوب نمبر 251)

اس کی وجہ یہی تھی کہ بیعت نہ کرنے والے صحابہ (جن کی تعداد اکثریت میں تھی اور جو گروہ غیر جانبدار اور محاربین دونوں پر مشتمل تھا) ان کے نزدیک چونکہ انہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کی اور وہ اپنے آپ کو بھی اہل حل وعقد سمجھتے تھے اس لئے ان کے خیال میں حضرت علی (رض) کی خلافت کا عام انعقاد نہیں ہوا تھا، اس لئے ان پر حضرت علی (رض) کی بیعت کرنا شرعا لازم نہیں تھا (وہ یہی سمجھتے تھے)۔

نتیجہ یہ کہ ان کے نزدیک جب حضرت علی (رض) کی خلافت ہی منعقد نہیں ہوئی تو ان کا اسے "خلافت راشدہ" سمجھنا تو بعد کی بات ہے۔۔ لہٰذا یہ سوال کہ انہوں نے ایک خلیفہ راشد کی بیعت نہ کرکے غلطی کی یا نہیں؟ یہاں نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے خیال میں حضرت علی (رض) کی خلافت کا انعقاد عام نہ ہوا تھا۔

لیکن جہاں تک حضرت علی (رض) کی ذات کا تعلق ہے، وہ سب ان کے ذاتی مناقب وفضائل کے قائل تھے، اور ان کے خلافت کی اہلیت کے بھی قائل تھے۔ وہ لوگ ان کے مد مقابل خلافت کا دعوی لے کر نہیں آئے تھے، حضرات ام المؤمنین عائشہ، طلحہ وزبیر، حضرت سعد واسامہ بن زید وعبد اللہ بن عمر وحضرت معاویہ وعمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم) اور ان جیسے بہت سے صحابہ میں سے کسی کا یہ دعوی نہ تھا کہ "حضرت علی (رض) خلافت کے اہل نہیں بلکہ ہمیں خلیفہ بنایا جائے" بلکہ اختلاف کی جڑ حضرت عثمان (رض) کے قاتلین کا حضرت علی (رض) کے لشکر میں ہونا اور ان کا حضرت علی (رض) پر بھی حاوی ہونا تھا، اختلاف قصاص عثمان (رض) پر تھا، انہوں نے یہی کہا تھا کہ آپ کے ارد گرد جو یہ قاتلین عثمان بیٹھے ہیں ان سے قصاص لیں یا انہیں ہمارے حوالے کردیں تو ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔۔ تفاصیل کا یہ موقع نہیں۔۔

الغرض! ان بیعت سے دور رہنے والے صحابہ کرام کے نزدیک حضرت علی (رض) کی بیعت وخلافت پر چونکہ تمام اہل حل وعقد کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے ان کی خلافت تمام مسلمانوں پر قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ صرف ان پر قائم ہوئی تھی جنہوں نے بیعت کرلی۔ اور صرف ان علاقوں میں منعقد ہوئی جن پر ان کا تسلط ہوا۔ ایسا نہیں ہوا کہ ان تمام صحابہ نے آپ کو خلیفہ تسلیم کرکے اور آپ کی برضاء ورغبت بیعت کرکے پھر آپ سے اختلاف یا لڑائی کی ہو

سو یہ جو کچھ لوگ دھوکے کے لیے یہ سوال کرتے ہیں کہ "آپ حضرت علی (رض) کو خلیفہ راشد کس دلیل سے مانتے ہیں؟ اور کیا وہ دلیل ان صحابہ کو معلوم نہیں تھی؟" (سوال کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جس دلیل سے خلیفہ راشد مناتے ہیں، وہی دلیل ان صحابہ کرام کے زمانے میں بھی موجود تھی جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی، تو اگر اس دلیل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ راشد ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ کیوں نہ مانا جائے کہ ان بیعت نہ کرنے والے صحابہ نے ایک

خلیفہ راشد کی بیعت نہ کرکے واقعی غلطی کی تھی) تو اس کا جواب یہی ہے کہ حضرت علی کو بطور ان کی ذات اور بطور صحابی "راشد" تو قرآن نے کہا ہے۔۔ اور یہ سب صحابہ کو کہا ہے۔ اور جن علاقوں میں ان کی خلافت متمکن ہوئی اور جنہوں نے ان کی بیعت کی ان سب کے لئے وہ بطور صحابی "خلیفہ راشد" ہی تھے اور جن صحابہ نے ان کی بیعت ہی نہ کی ان کے نزدیک تو ان کی خلافت مکمل طور پر منعقد ہی نہیں ہوئی تھی۔۔ لہٰذا ان کے نزدیک ان کی خلافت کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا تھا۔

یہ تو دور صحابہ کے بعد دوسرے علماء نے یہ تشریحات کیں کہ فلاں فلاں نص سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی (رض) کی خلافت مکمل طور پر منعقد ہو چکی تھی لہٰذا جنہوں نے بیعت نہ کی اور جو غیر جانبدار رہے ان پر بھی بیعت کرنا لازم تھا، لہٰذا وہ بیعت نہ کرکے باغی ہوئے ، لیکن ان بیعت نہ کرنے والے صحابہ کا یہ موقف نہ تھا۔ وہ جان بوجھ کر بھلا کیوں باغی بنتے؟؟

یہ "بغاوت" کا موضوع بھی بڑا دلچسپ ہے، اگر اصول کے مطابق چلا جائے تو پھر مسلمانوں کا ہر وہ حاکم جو مسلمان ہو چاہے فاسق ہو اور جس کی حکومت تمام علاقوں پر قائم ہو جائے اور مسلمانوں کی اکثریت اس کی بیعت کرلے تو اس کے خلاف خروج بغاوت ہی ہوتا ہے اور جائز نہیں ہوتا (امام نووی نے جمہور اہل سنت کا یہی مسلک بتایا ہے)۔ لیکن ہم یہ اصول حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کرنے والوں پر تو لاگو کرتے ہیں جبکہ حضرت علی (رض) کی خلافت مکمل طور پر منعقد و متمکن ہی نہیں ہوئی تھی، کئی بڑے علاقوں پر آپ کا تسلط ہوا ہی نہیں ہوا تھا۔ جمہور صحابہ جن کی بیعت سے الگ رہے اور جن کی خلافت پر ان کے زمانے میں اتفاق نہ ہو سکا لیکن اس دور کے بعد ہم یہ اصول بھول جاتے ہیں۔ بلکہ ہم حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہم) کو اس اصول سے باغی نہیں کہتے اور نہ ان کے خروج کو ناجائز کہتے ہیں۔۔ اسی لئے ناں کہ یہاں ان کا موقف وہی لیں گے جو ان کا تھا۔ اور وہ اپنی جگہ درست تھا چاہے جمہور صحابہ کے خلاف تھا وہاں ہمیں فقہ کے اصول لاگو نہیں کرنے، ہم یہی کہتے ہیں چونکہ ان حضرات نے یزید کی بیعت ہی نہ کی تھی اس لئے ان کی تحریک بغاوت نہیں تھی (تفصیل پھر کبھی)۔

امید ہے کہ آپ کو سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔

نیز یاد رکھیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔۔ نہ ہی جنگ جمل میں حضرت عائشہ وحضرات طلحہ وزبیر (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف لشکر کشی کی اور نہ ہی جنگ صفین میں حضرت معاویہ (رض) نے لشکر کشی میں پہل کی۔ جنگ جمل میں تو حضرت عائشہ (رض) اور ان کا لشکر غالباً مکہ سے عراق کی طرف جارہا تھا جبکہ حضرت علی (رض) اس وقت مدینہ میں تھے، اگر یہ حضرت علی (رض) کے خلاف خروج ہوتا تو اس طرف ہوتا جہاں وہ موجود تھے۔ جب حضرت علی (رض) کو پتہ چلا تو آپ ان کے خلاف کاروائی کے لئے اس سمت نکلے۔

اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی (رض) نے عراق سے شام کی طرف لشکر کشی فرمائی تھی، حضرت معاویہ (رض) نے عراق کی طرف لشکر کشی نہیں کی تھی، حضرت معاویہ (رض) تو تب سامنے آئے جب علوی لشکر شام کے قریب پہنچ چکا تھا۔

یہ بات اس لئے لکھی کہ کسی کو باغی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اس نے حاکم یا امیر کے خلاف خروج بھی کیا ہو۔۔ اور جنگ جمل وجنگ صفین میں دونوں مواقع پر لشکر کشی حضرت علی (رض) کی طرف سے ہوئی نہ کہ دوسری طرف سے۔۔

ہم غیر صحابہ کے لئے تو ہر صحابی "راشد" ہی ہے اور ان میں سے جن جن کی خلافت منعقد ہو گئی اور متمکن ہو گئی (چاہے بعض علاقوں میں) تو ہم اس حد تک ان کی خلافت کو "خلافت راشدہ" ہی مانتے ہیں۔

ہم "غیر صحابہ" تو صحابہ کرام کو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہمارے لئے تمام صحابہ کا احترام لازم ہے.

لیکن جو اختلاف صحابہ کے درمیان آپس میں ہوئے، وہاں ہمیں ان دونوں اطراف کے صحابہ کے موقف کو ان کی نظر سے دیکھنا ہے، وہاں ہم صحابہ سے بعد والوں کی یا اپنی تشریحات کو لاگو نہیں کریں گے۔

یہ چند باتیں پیش نظر رہیں تو مفتی وقاص رفیع کی اس سبائی مجلس کی آپ کو صحیح سمجھ آئے گی جو اس نے کتاب کے آخری صفحات میں پڑھی ہے۔۔

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 20)

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ نمبر 549 سے حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری (رح) کی چند عبارات پر بات شروع کی ہے، اس وقت میرے سامنے "صحیح بخاری" کا وہ نسخہ ہے جو دمشق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کے استاذ حدیث جناب ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا کی تحقیق اور بعض الفاظ کی مختصر شرح کے ساتھ "دار طوق النجاۃ" سے شائع شدہ ہے، اس کے ساتھ ہی میرے سامنے علامہ سید انور شاہ صاحب (رح) کی صحیح بخاری کی شرح "فیض الباری" کی جلد 4 کا صفحہ 494 و 495 طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت کھلا ہے.

صحیح بخاری کا باب ہے "باب ذکر معاویۃ رضی اللہ عنہ" اس میں امام بخاری (رح) یہ دو روایات لائے ہیں:

3764 - حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا المُعَافَى، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الأَسْوَدِ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ: أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ العِشَاءِ بِرَكْعَةٍ، وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ، فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: «دَعْهُ فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»

3765 - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: " هَلْ لَكَ فِي أَمِيرِ المُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةَ، فَإِنَّهُ مَا أَوْتَرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ؟ قَالَ: «أَصَابَ، إِنَّهُ فَقِيهٌ»

پہلی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھے، اس وقت ان کے پاس حضرت ابن عباس (رض) کا ایک غلام موجود تھا، اس نے آکر حضرت ابن

عباس (رض) سے اس بات کا ذکر کیا تو حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: ان کے متعلق کچھ نہ کہو، بے شک انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل رہی ہے..

محقق ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے ان الفاظ کی تشریح یوں کی ہے کہ:

"(دعه) اترك القول فيه والإنكار عليه. (صحب رسول الله) أي فهو عالم بدين الله تعالى وعارف بالفقه"

اس بات کو رہنے دو اور ان کے اس عمل کو غلط نہ سمجھو، کیونکہ وہ صحابی ہیں، اس لیے وہ اللہ کے دین کا خوب علم رکھتے ہیں اور فقہ کی معرفت رکھتے ہیں.

دوسری روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ امیر المؤمنین معاویہ (رض) کے اس عمل کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے ایک رکعت وتر پڑھے؟ تو حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: انہوں نے ٹھیک اور درست کام کیا، کیونکہ وہ فقیہ ہیں...

ڈاکٹر مصطفیٰ دیب اس کے نیچے لکھتے ہیں:

"(أصاب) وافق السنة. (فقيه) عالم في شرع الله عز وجل ويعرف الفقه في الدين"

"اصاب" کا مطلب ہے کہ انہوں نے سنت کے مطابق کام کیا، اور "فقیہ" کا مطلب ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کے جاننے والے اور دین کی فقہ کا علم رکھتے ہیں.

قارئین محترم! ان دونوں روایات کو آپ خود صحیح بخاری میں پڑھ سکتے ہیں، حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں **"دعه فانه قد صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم"** اور **"اصاب، إنه فقيه"** کے الفاظ سے حضرت معاویہ (رض) کے حق میں بیان دیا ہے نہ کہ ان کے خلاف... اور جس نے آکر آپ سے حضرت معاویہ (رض) کے اس عمل کی خبر دی اسے یہ سمجھا دیا کہ اس بات کو لے کر حضرت معاویہ (رض) پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں..

حافظ ابن حجر عسقلانی (رح) نے اس روایت کی شرح میں یوں لکھا ہے:

"وَقَوْلُهُ دَعْهُ أَيِ اتْرُكِ الْقَوْلَ فِيهِ وَالْإِنْكَارَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ أَيْ فَلَمْ يَفْعَلْ شَيْئًا إِلَّا بِمُسْتَنَدٍ وَفِي قَوْلِهِ فِي الرِّوَايَةِ الْأُخْرَى أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ مَا يُؤَيِّدُ ذَلِكَ"

حضرت ابن عباس (رض) نے جو "دعه" فرمایا، اس کا مطلب ہے کہ اس بات کو لے کر ان پر اعتراض نہ کرو کیونکہ وہ صحابی رسول ہیں .. یعنی انہوں نے جو بھی کیا ہے ضرور اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہو گی، دوسری روایت میں "اصاب انه فقيه" سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے... (فتح الباری، ج 7 ص 104 دار المعرفۃ بیروت)

قارئین محترم! علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری (رح) نے "فیض الباری" جلد 4 صفحہ 494 و 495 پر پہلے تو یہی دو روایات نقل کی ہیں (میرے سامنے فیض الباری کا جو نسخہ دار الکتب العلمیۃ بیروت کا ہے اس میں صحیح بخاری کی دوسری روایت میں موجود "اصاب" کے الفاظ نہیں ہیں، شاید طباعت کی غلطی سے رہ گئے ہوں کیونکہ آگے شرح میں اصاب کے الفاظ بھی موجود ہیں. واللہ اعلم)، اس کے بعد شاہ صاحب ان روایات کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قوله : اوتر معاوية بعد العشاء بركعة ..... الى قوله: دعه، فانه قد صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم. وفي رواية : (اصاب ، انه فقيه) . قلتُ: وليس فيه تصويب له، بل اغماض ونحو تسامح عنه. وعند الطحاوي: فقام معاوية ، فركع ركعة واحدة ، فقال ابن عباس: من أين ترى أخذها الحمار؟، وراجع تمام البحث في "كشف الستر" فان الكلمة شديدة"

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس (رض) کے اس قول "اصاب انه فقيه" میں حضرت معاویہ (رض) کی تصویب وتائید نہیں بلکہ چشم پوشی اور تسامح ہے (یعنی حضرت ابن عباس نے صرف پردہ پوشی کے لیے یہ الفاظ کہہ دیے_ناقل) ، اور (امام) طحاوی (رح) نے یوں روایت نقل کی ہے کہ : حضرت معاویہ (رض) کھڑے ہوے، تو انہوں نے ایک رکعت وتر نماز پڑھی، ابن عباس (رض) نے کہا: اس حمار (حمار، عربی میں گدھے کو کہتے ہیں_ناقل) نے یہ کہاں سے لے لی؟ بے شک یہ سخت کلمہ ہے. (حوالہ بالا)

قارئین محترم! میں گزارش کروں گا کہ آپ دوبارہ صحیح بخاری کی دونوں روایات کے الفاظ پر غور فرمائیں، ان میں آپ کو "دعه فانه صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم" اور "اصاب انه فقيه" کے الفاظ ہی ملیں گے ... وہاں کوئی ایسا اشارہ نہیں کہ حضرت ابن عباس (رض) نے یہ الفاظ صرف مخاطب کے سامنے حضرت معاویہ (رض) کی چشم پوشی اور ان کی عزت رکھنے کے لیے کہے ہوں، یا کسی خوف یا ڈر کی وجہ سے ایسا کہا ہو... لیکن حضرت شاہ صاحب جو اپنی رائے پیش فرما رہے ہیں اس میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس (رض) نے ایسا صرف چشم پوشی کرتے ہوئے اور تسامحاً فرمایا تھا، اور ساتھ ہی اپنی اس بات کی تائید میں طحاوی کی ایک روایت پیش کر دی جس میں حضرت ابن عباس (رض) کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ آپ نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں "حمار" (یعنی گدھے) کا لفظ بولا تھا.. حضرت شاہ صاحب نے یہاں خود یہ تسلیم کیا کہ یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن آپ نے ایک تو یہاں صحیح بخاری کی روایات کی شرح کرتے ہوئے بلاوجہ اور بلاضرورت طحاوی کی یہ روایت پیش فرمائی اور پھر اس پر کوئی تبصرہ بھی نہیں کیا کہ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ جس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک ترجیح اسی بات کو ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) نے ان الفاظ سے حضرت معاویہ (رض) کی تصویب و تائید نہیں فرمائی بلکہ صرف ان چشم پوشی کی ہے اور اپنی اس بات کی تائید میں شاہ صاحب نے طحاوی کی یہ "حمار" والی روایت ذکر کر دی ...

قارئین محترم! حضرت شاہ صاحب کا، حضرت ابن عباس (رض) کی بات کے بارے میں یہ فرمانا کہ یہ حضرت معاویہ (رض) کی تصویب نہیں ... یہ شاہ صاحب کا تسامح ہے.. اور مزے کی بات، خود مفتی وقاص رفیع نے اسی بحث میں یہ تسلیم کیا ہے کہ:

"حضرت ابن عباس (رض) کا سابقہ قول "اصاب معاوية" بالکل درست ہے، اور اس کے متعارض جو روایت لائی گئی ہے اگر وہ واقعی متعارض ہے تو وہ یقیناً صحیح نہیں" (حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر، صفحہ 558)

پھر اسی صفحے پر آگے لکھتے ہیں:

"اب اس چیز پر مندرجہ ذیل قرائن ذکر کیے جاتے ہیں کہ حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کے اس فعل "اوتر برکعة واحدة" کی تصویب کی ہے، یہ بالکل صحیح ہے اور دیگر کئی روایات اور واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے، یعنی حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کی تغلیط و تردید ہر گز نہیں کی تھی کہ وہ آپ کو سخت اور درشت الفاظ کہتے" (آگے مفتی وقاص نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں حضرت ابن عباس (رض) کے مختلف توصیفی اقوال خود ذکر کیے ہیں) (دیکھیں: مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 558 تا 561) .

قارئین محترم! یہ ہیں مفتی وقاص رفیع، جو اپنے آپ کو حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب (رح) کا وکیل دفاع بتاتے ہیں، دیکھیں کیسے صریح الفاظ میں لکھ رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ (رض) کی تصویب ہی فرمائی تھی.... جبکہ حضرت شاہ صاحب نے تو صاف لکھا ہے کہ: **ولیس فیه تصویب له**.... کہ حضرت ابن عباس (رض) کے الفاظ میں حضرت معاویہ (رض) کی تصویب ہر گز نہیں ..... تو ہم اب کس کی بات کو درست سمجھیں؟ حضرت شاہ صاحب کی رائے کو؟ یا ان کے (خود ساختہ وکیل) مفتی وقاص رفیع کی بات کو؟؟ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں ...اگر ہم شاہ صاحب کی بات کو درست سمجھتے ہیں تو ان کا (خود ساختہ وکیل) غلط ہوتا ہے، اور اگر وکیل صاحب کی بات کو لیتے ہیں تو یہ وکیل صاحب خود اپنے "اکابر" کے گستاخ و بے ادب" ثابت ہوتے ہیں...

اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ کیا مفتی وقاص رفیع نے حضرت شاہ صاحب (رح) کی اس بات کا کوئی جواب بھی دیا ہے یا نہیں؟ تو آیئے دیکھتے ہیں کیا جواب دیا ہے:

لکھتے ہیں: (جواب کا خلاصہ)

"حضرت شاہ صاحب کی کس عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ انہوں نے طحاوی کی توہین معاویہ (رض) پر مبنی روایت کو صحیح بخاری کے روایت کے مقابلہ میں راجح قرار دیا ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے تو صرف ایک موضوع پر دو مختلف روایات نقل فرمائی ہیں، ایک بخاری کی اور دوسری طحاوی کی، اور طحاوی کی روایت کے بارے میں فرمایا کہ : فان الكلمة شديدة" ترجمہ : کہ اس روایت میں لفظ حمار والا کلمہ سخت ہے، گویا اس عبارت میں تو حضرت صاحب نے طحاوی کی روایت کو مرجوح اور سخت کلمہ والی روایت کہہ دیا ہے اور بخاری کی روایت پر کوئی تبصرہ ہی نہیں فرمایا، کیا ایک ہی موضوع سے متعلق مختلف روایات نقل کرنا اور بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ صحیح اور راجح قرار دینا مبنی بر توہین ہوتا ہے"؟

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب : صفحہ 556)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع نے اپنے اس جواب میں ایک نہیں کئی دھوکے دیے ہیں، آپ پہلے پڑھ چکے ہیں صحیح بخاری کی روایت میں حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کی تصویب "اصاب انه فقيه" کے الفاظ سے فرمائی تھی، اس کے بارے میں حضرت شاہ صاحب (رح) نے صاف لکھا کہ "یہ تصویب نہیں ہے" ... اس کے فورا بعد شاہ صاحب نے طحاوی کی "حمار" والی روایت بظاہر اپنی اس رائے کے حق میں ہی لائی ہے تاکہ اس بات کو ترجیح دی جائے کہ یہ واقعی تصویب نہیں تھی .. آپ شاہ صاحب کی یہ پوری عبارت دوبارہ پڑھ لیں .. پھر شاہ صاحب نے اس روایت میں لفظ "حمار" کے بارے میں لکھا کہ یہ سخت کلمہ ہے .. یعنی "اصاب" سے بہت سخت ہے .. جس سے بظاہر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میری بات درست ہے کہ "اصاب" سے حضرت ابن عباس (رض) کی مراد حضرت معاویہ (رض) کی تصویب نہ تھی، ورنہ دوسری روایت میں اتنا سخت کلمہ "حمار" نہ فرماتے ...

مفتی وقاص رفیع صاحب نے خود طحاوی کی اس روایت کو "توہین معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی روایت" تسلیم کیا ہے ... تو کیا شاہ صاحب کا یہ تسامح نہیں کہ ایک تو انہوں نے بلاوجہ صحیح بخاری کی روایت میں لفظ "اصاب" کے بارے میں فرمایا کہ "یہ تصویب نہیں"، پھر بلا ضرورت طحاوی سے توہین حضرت معاویہ (رض) پر مبنی

(باقرار مفتی وقاص رفیع) روایت بھی پیش فرمادی اور صرف لفظ "حمار" کو سخت تو کہہ دیا لیکن اس روایت کے بارے میں کچھ نہ فرمایا... کیا یہ تمام اشارات اس طرف اشارہ نہیں کرتے کہ شاہ صاحب کے نزدیک راجح یہی ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کی تصویب نہیں فرمائی تھی؟؟؟ اور انہوں نے طحاوی کی روایت اس لیے نہیں ذکر کی کہ وہ اس موضوع پر تمام روایات نقل کرنا چاہتے تھے، بلکہ انہوں نے اپنے اس "تسامح پر مبنی" موقف کی تائید میں یہ روایت نقل فرمائی، ورنہ طحاوی شریف میں یہیں اور روایات بھی ہیں جن میں لفظ "حمار" نہیں، وہ شاہ صاحب نے نقل کیوں نہ فرمائیں؟ .

اور مفتی وقاص رفیع خود آگے "طحاوی" کی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :
"طحاوی شریف کی جس روایت میں حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کو لفظ "حمار" سے تعبیر کیا ہے اس روایت کا کوئی متابع نہیں، لہٰذا یہ روایت شاذ اور اہل فن کے نزدیک ناقابل قبول ہے" (پھر مفتی وقاص رفیع نے تین وجوہات اس روایت کے ناقابل قبول ہونے کی ذکر کی ہیں) (دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 561)
بلکہ اس سے پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ : "معلوم ہوا کہ اصل روایت میں یہ لفظ (یعنی حمار_ناقل) منقول نہیں بلکہ بعد میں کسی راوی نے اپنی جانب سے روایت میں اضافہ کردیا ہے" (حوالہ بالا)

اب میرا سوال ہے کہ اس بات کا انکشاف مفتی وقاص رفیع پر ہی ہوا کہ یہ "حمار" والی طحاوی کی روایت "شاذ" اور "اہل فن کے نزدیک ناقابل قبول" ہے؟؟ یا حضرت شاہ صاحب (رح) کو بھی اس کا علم تھا؟ مفتی وقاص رفیع اچھی طرح سوچ سمجھ کر اس کا جواب دیں.

یہاں مفتی وقاص رفیع نے ایک عنوان یہ بھی باندھا ہے:
"طحاوی شریف میں بعض قابل اعتراض عبارات کا علمی و تحقیقی جائزہ"

اس کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار میں بعض ایسی روایات نقل کی ہیں کہ جن میں حضرت معاویہ (رض) اور حضرت ابن عباس (رض) کے بارے میں بعض شنیع قسم کے الفاظ مذکور ہیں، مناسب معمول (صحیح لفظ "معلوم" ہے_ناقل) ہوتا ہے کہ پہلے ان روایات کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا جائے، اور پھر بفرض صحت روایات ہذا کی کوئی معقول اور مناسب توجیہ پیش کی جائے تاکہ الجھا ہوا معاملہ کسی طرح سلجھ جائے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 556)

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے امام طحاوی کی نقل کردہ روایات پر مفصل بحث کی ہے، جن میں سب سے اہم بات یہ ہمارے سامنے آئی کہ امام طحاوی (رح) نے حضرت ابن عباس (رض) کے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں اس قول کو کہ "اصاب انه فقيه" (انہوں نے درست کیا، وہ فقہ ہیں) کو "تقیہ" پر محمول کیا ہے.. یعنی امام طحاوی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس (رض) نے یہ الفاظ اس لیے بولے کہ وہ حضرت معاویہ (رض) کے دور خلافت میں تھے یعنی انہیں خوف تھا، اور وہ ان کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے...

ہماری رائے میں امام طحاوی (رح) کی یہ رائے نہ صرف حضرت معاویہ (رض) کے حق میں نامناسب ہے بلکہ حضرت ابن عباس (رض) کے حق میں بھی درست نہیں.... ہم اسے امام طحاوی (رح) کا تسامح نہ کہیں تو کیا کہیں؟.

مفتی وقاص رفیع نے آگے خوامخواہ کئی صفحات یہ بتانے کے لئے سیاہ کیے ہیں کہ حضرت سید انور شاہ صاحب (رح) نے جو حضرت ابن عباس (رض) کی بات "اصاب انه فقيه" کے بارے میں یہ فرمایا کہ "یہ حضرت ابن عباس نے چشم پوشی کے لیے اور تسامحاً" فرمایا تھا اس کا کیا مطلب ہے؟ نیز جو امام طحاوی (رح) نے اسے حضرت ابن عباس (رض) کا "تقیہ" لکھا ہے اس سے کیا مراد ہے...

چنانچہ حضرت شاہ صاحب کی بات کی توجیہ یوں کی ہے کہ:

"اس کا مطلب ہے کہ اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ فرمادیتے کہ حضرت معاویہ (رض) نے غلط کیا ہے تو اس سے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں طعن و تشنیع اور ہدف و تنقید کا نیا باب کھل جاتا، اس لیے حضرت ابن عباس (رض) نے سائل کو خاموش کرنے کی نیت سے "اغماض و تسامح" سے کام لیا اور حضرت معاویہ (رض) کے اس فعل کی بظاہر تصویب فرمائی اور اعتراض کرنے والے کو بتادیا کہ وہ ایک مجتہد اور فقیہ ہیں، انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ کام کیا ہے، گو کہ رکعات وتر کی تعداد کے بابت حضرت ابن عباس (رض) کا مذہب حضرت معاویہ (رض) سے یکسر مختلف ہے، اور حضرت معاویہ (رض) کا مذہب آپ کی نظر میں مرجوح ہے، لیکن اس سب کے باوجود حضرت ابن عباس (رض) نے اغماض و تسامح اور چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے حضرت معاویہ (رض) کی ذات بابرکات کو طعن و تشنیع اور قدح وملامت کا محل بننے سے محفوظ رکھا"
(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 566و567)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع نے شاید ایک ہی بات کو گھما پھرا کر بار بار لکھنے کا نام جواب رکھا ہوا ہے، وہ چونکہ چنانچہ کی بھول بھلیاں لکھ کر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جواب دے دیا... ان کی اس ساری عبارت کا دو لفظوں میں یہی تو مطلب ہے کہ: حضرت شاہ صاحب (رح) کی یہی رائے ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کی تصویب نہیں فرمائی (جبکہ صحیح بخاری میں "اصاب" کے واضح لفظ ہیں) بلکہ انھیں "طعن و تشنیع" سے بچانے کے لیے "بظاہر" تصویب فرمائی... یہ "بظاہر" کا لفظ بھی مفتی وقاص رفیع کی چالاکیوں میں سے ایک چالاکی ہے...

لیکن یہاں میرے ذہن میں ایک نکتہ آیا ہے..... مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے کہ "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نظر میں اگرچہ حضرت معاویہ (رض) کا یہ اجتہاد مرجوح تھا اور اس بارے میں آپ کا مذہب حضرت معاویہ (رض) سے یکسر مختلف تھا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کو طعن و تشنیع سے بچانے کی خاطر یہ الفاظ فرمائے کہ "اصاب" (انہوں نے درست کیا)... تو کیا مفتی وقاص رفیع

اینڈ کمپنی حضرت معاویہ (رض) اور حضرت علی (رض) کے مشاجرے میں بھی جسے وہ خود "اجتہادی" ہی تسلیم کرتے ہیں... حضرت ابن عباس (رض) کے نقش قدم پر چلتے ہوے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ "اصاب انہ فقیہ"؟؟ بات سمجھنے کی ہے... لیکن ان کی سمجھ میں آئے گی جن کے دل میں بغض معاویہ (رض) نہیں... اگر حضرت ابن عباس (رض) یہ جانتے ہوئے کہ (بقول مفتی وقاص رفیع) حضرت معاویہ (رض) کا ایک وتر پڑھنے کا یہ عمل میرے نزدیک درست نہیں، میرے اجتہاد کے خلاف ہے.. ان کے بارے میں "اصاب انہ فقیہ" فرما سکتے ہوں... کیا اس سے یہ مسئلہ نہیں نکل سکتا کہ "دونوں مجتہدوں کے بارے میں "اصاب" یا "مصیب" کہا جا سکتا ہے"؟؟ جیسے ظاہر ہے یہاں اگر واقعی بقول مفتی وقاص، حضرت ابن عباس (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کا اس مسئلہ میں اجتہاد ایک دوسرے سے یک سر مختلف تھا... اور یقینا مفتی وقاص رفیع کے نزدیک دونوں میں سے صرف ایک کا اجتہاد ہی درست ہوگا، دوسرے کا غلط ہوگا... اور مفتی وقاص رفیع کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) کا اجتہاد اس مسئلہ میں درست تھا.. تو اس کے باوجود حضرت ابن عباس (رض) کا حضرت معاویہ (رض) کو "اصاب" کہنا درست ہوگا یا غلط؟؟ چلیں فرض کرلیں طعن و تشنیع سے حضرت معاویہ (رض) کو بچانے کے لیے ہی سہی... تو کیا مفتی وقاص اینڈ کمپنی دوسرے "اجتہادی" مشاجرات میں حضرت معاویہ (رض) کو طعن و تشنیع سے بچانے کے لیے "اصاب" نہ سہی.. توقف و امساک ہی کا مسلک اختیار کر سکتے ہیں یا نہیں؟؟؟

آگے مفتی وقاص رفیع نے حضرت حسن بصری (رح) کی طرف منسوب ایک غیر مستند قول کے بارے میں پھر بحث شروع کی ہے، کیونکہ شاہ صاحب کشمیری (رح) نے اسی کتاب "فیض الباری" میں ایک جگہ حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کا ذکر کرتے ہوئے حضرت حسن بصری (رح) کی طرف منسوب یہ قول ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"وكان المغيرة من دهاة العرب ، حتى قال الحسن البصري : أفسد الناس اثنان

، المغیرۃ وعمرو بن العاص" (مغیرۃ "دہاتِ عرب" میں سے تھے، یہاں تک کہ حسن بصری نے کہا کہ: لوگوں میں سب زیادہ فساد مچانے والے دو ہیں، ایک مغیرہ بن شعبہ اور دوسرے عمرو بن العاص)

(فیض الباری، ج 4 ص 79 کتاب الشہادات، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور یہاں بھی شاہ صاحب نے اس پر کی تبصرہ نہیں فرمایا کہ آیا حسن بصری (رح) سے یہ قول ثابت بھی ہے یا نہیں؟؟؟

مفتی وقاص رفیع کو اس بات کا بھی غصہ ہے کہ اس بات کو لے کر بھی کیوں شاہ صاحب پر اعتراض کیا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ انہوں نے تو صرف حسن بصری (رح) کا قول نقل کیا ہے؟ اور انہوں نے اس روایت پر کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہ سمجھا..

(دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 570 ومابعد)

قارئین محترم! جب بھی کوئی مصنف کسی سیاق وسباق میں کوئی ایسی بات ذکر کرے کہ فلاں نے یہ بات کہی ہے اور اس پر کوئی تبصرہ کیے بغیر آگے چلے تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اسے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں، شاہ صاحب نے بھی حسن بصری (رح) کی طرف منسوب اس قول کو "حتی قال الحسن البصری ...." سے بیان کیا اور آگے چلے ... لہٰذا کم از کم ان کا اتنا تسامح تو ہے کہ انہوں نے اس غیر مستند قول کے بارے میں یہ بھی نہ لکھا کہ یہ سنداً صحیح نہیں، جبکہ اس قول میں دو جلیل القدر صحابہ کرام کی تنقیص ہے... خود مفتی وقاص رفیع نے حضرت حسن بصری (رح) کی طرف منسوب اس قول پر تفصیلی لکھا ہے اور اسکی سند کے ایک راوی "زحر بن حصن" کے "مجہول" ہونے کے حوالے پیش کرکے آخر میں نتیجہ نکالا ہے کہ:

"مذکورہ بالا تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ قدح صحابہ رضی اللہ عنہ پر مشتمل زیر بحث مذکورہ بالا روایت نہ تو پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور نہ ہی اس کی نسبت معروف اور ہر دل عزیز مشور تابعی حضرت امام حسن بصری (رح) کی طرف صحیح معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ روایت مجہول، نا قابل اعتبار اور درجہ احتجاج سے ساقط ہے، واللہ اعلم"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 580)

لہٰذا جب یہ روایت خود مفتی وقاص رفیع کی تحقیق کے مطابق نا قابل اعتبار ٹھہری تو پھر کیا حضرت شاہ صاحب کشمیری (رح) کا یہ تسامح نہیں کہ آپ نے یہ قول ذکر کر دیا جبکہ بقول مفتی وقاص رفیع بھی "اس روایت میں قدح صحابہ" ہے؟؟ اور پھر شاہ صاحب نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی؟؟ تو اگر کسی نے اسے شاہ صاحب کا تسامح اور سہو کہہ دیا تو اس پر مفتی وقاص رفیع "گستاخ اکابر" کی پھبتی کیوں کستے ہیں؟؟

مفتی وقاص رفیع کے مبلغ علم، جہالت اور "دجل" کا ایک نمونہ

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع نے یہاں ایک عنوان باندھا ہے: "تاکید المدح بما یشبہ الذم" اور اس کے نیچے دو پیراگراف یہ ثابت کرنے کے لیے لکھے ہیں کہ "یہ الفاظ تو شاہ صاحب نے حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کی تعریف اور مدح کے طور پر نقل کیے ہیں اور یہ بھی تعریف و مدح کی ایک قسم ہے کہ بظاہر الفاظ سے ذم اور برائی نظر آتی ہے لیکن در حقیقت وہ تعریف و توصیف ہوتی ہے.. ...آپ مفتی وقاص رفیع کی یہ تحریر پڑھیں اور ان کی ذہنی حالت زار کا اندازہ لگائیں، لکھتے ہیں:

"دہاۃ اصل میں کہتے ہیں چالاک اور ہوشیار آدمی کو جسے کوئی دوسرا شخص دھوکہ نہ دے سکے اور وہ اپنی ذہانت و زیرکی کے سبب کسی کے نرغے میں نہ آتا ہو (مفتی وقاص کو یہ بھی علم نہیں کہ دھاۃ... جمع ہے "داھیۃ" کی، جو کہ "دھاء" سے ہے، اور "دھاء" کہتے ہیں "عقل" کو یوں "داھیۃ" کہتے ہیں "عقل مند آدمی" کو، دیکھیں: لسان العرب: باب الدال المھملۃ، ج 14 ص 275 دار صادر بیروت_ناقل) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ لفظ نقل کیا ہے تو اس سے حضرت شاہ صاحب کا ان کی تعریف و توصیف کرنا اور ان کا مقام صحابیت بیان فرمانا مقصود ہے کہ وہ کوئی عام اور سادہ قسم کے آدمی نہیں تھے کہ دوران جنگ کسی کے دھوکے اور نرغے میں آجاتے بلکہ وہ تو جنگ کے جملہ امور اور اس کی خفیہ چالوں کے سمجھنے میں بڑے ہوشیار اور چالاک اور زیرک قسم کے آدمی تھے، اس ضمن میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بلکہ حضرت حسن بصری (رح) نے تو یہاں تک

کہہ دیا ہے کہ : لوگوں میں سب سے زیادہ فساد پھیلانے والے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں.....

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس قول کے نقل کرنے سے یہ مقصد ہر گز نہیں ہے کہ وہ ان دونوں حضرات کو مفسد اور فتنہ پرداز سمجھتے ہیں، بلکہ مقصد صرف ان کی ہوشیاری بتانا تھا، اس لیے انہوں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر دیا، اور چوں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبہ کے پیش نظر اس بات پر یقین کرنا خاص مشکل ہے (کہ انہوں نے ایسا فرمایا ہو_ناقل) اس لیے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (بجائے اس قول کی تردید کرنے یا یہ فرمانے کے کہ حضرت حسن بصری سے ایسی بات کا صدور مشکل ہے_ناقل) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں ان کی اس روایت پر تبصرہ کرنا کوئی ضروری خیال نہیں فرمایا" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 571)

قارئین محترم! آپ نے یہ دونوں پیراگراف پڑھے؟ آپ کو کچھ سمجھ آئی؟ مفتی وقاص رفیع ہمیں یہ منطق سمجھا رہے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب تو حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کی تعریف و توصیف فرما رہے ہیں، اور اسی تعریف و توصیف کو بیان فرماتے ہوے انہوں نے حضرت حسن بصری (رح) کا یہ قول لکھا ہے کہ : "لوگوں میں سب سے زیادہ فساد پھیلانے والے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں"... لاحول ولا قوۃ الا باللہ... اور پھر مفتی صاحب ساتھ یہ بھی سمجھانا چاہتے ہیں کہ "اس بات کا یقین کرنا کہ ایسی تعریف و توصیف حضرت حسن بصری جیسی بلند مرتبہ شخصیت سے صادر ہوئی ہو خاصا مشکل ہے" (اگر یہ تعریف و توصیف ہے تو پھر حضرت حسن بصری سے یہ الفاظ صادر ہونے کا یقین کیوں مشکل ہے؟_ناقل) اسی وجہ سے شاہ صاحب نے حضرت حسن بصری (رح) کے دفاع میں اس روایت پر کوئی تبصرہ کرنا ضروری خیال نہ کیا...

تو مفتی وقاص رفیع کی اس "مفتیانہ" منطق کا خلاصہ یہ نکلا کہ جن تنقیصی الفاظ کا حضرت حسن بصری (رح) کے بلند مرتبہ شخصیت سے صدور کا یقین کرنا ہی مشکل ہے، انہی الفاظ کو بیان کرکے حضرت شاہ صاحب (رح) نے حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) اور حضرت عمرو بن العاص (رض) کی تعریف و توصیف فرمائی ہے اور ان کا مقام صحابیت بیان فرمایا ہے.. بتائیں یہ حضرت شاہ صاحب کی وکالت ہے یا ان پر جرح ہے؟؟؟

پھر مفتی وقاص رفیع نے چونکہ اپنی کتاب میں شاہ صاحب (رح) کی عربی عبارت غلط نقل کی تھی کہ اصل لفظ ہیں "وكان المغيرة من دهاة العرب" (مغیرہ تو عرب کے عقل مند لوگوں میں سے ہیں)، لیکن مفتی وقاص نے "العرب" کی جگہ "الحرب" لکھ ڈالا، جس کا ترجمہ بنتا ہے "مغیرہ، جنگی امور کے بارے میں عقل و ہوشیاری والے تھے"، مفتی وقاص رفیع نے اسی غلطی کی بنیاد پر آگے یہ تشریح کی ہے کہ "شاہ صاحب نے جو یہ لفظ نقل کیا ہے اس سے حضرت شاہ صاحب کا ان کی تعریف و توصیف کرنا اور ان کا مقام صحابیت بیان فرمانا مقصود ہے کہ وہ کوئی عام اور سادہ قسم کے آدمی نہیں تھے کہ دوران جنگ کسی کے دھوکے اور نرغے میں آجاتے بلکہ وہ تو جنگ کے جملہ امور اور اس کی خفیہ چالوں کے سمجھنے میں بڑے ہوشیار اور چالاک اور زیرک قسم کے آدمی تھے"، جبکہ یہاں "جنگ" یا "حرب" کا کوئی ذکر اذکار سرے سے ہے ہی نہیں، مفتی وقاص رفیع نے "فیض الباری" دیکھی ہی نہیں اور پہلے "العرب" کو "الحرب" سے تبدیل کیا اور پھر "جنگی امور" کا ذکر لے بیٹھے ... ایسی عقل پر، ایسے علم پر، اور ایسی اکابر کی وکالت پر رونے کے سوا کیا ہی کیا جاسکتا ہے؟.

اہم نوٹ: قارئین محترم! یہاں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مفتی وقاص رفیع نے باقاعدہ تحقیق کے بعد حضرت حسن بصری (رح) کی طرف منسوب اس روایت کو مجہول راوی کی بیان کردہ اور ناقابل اعتماد لکھا ہے اور ثابت کیا ہے ... لیکن وہ کہتے ہیں نہ کہ "جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا" .. یہی مفتی وقاص رفیع اپنی اسی کتاب میں پہلے "شیخ عبدالحق محدث دہلوی" کی عبارات کی بحث میں ان کا دفاع کرتے ہوے یہ لکھ چکے ہیں: (شیخ عبدالحق دہلوی نے بھی حضرت حسن بصری (رح) کی طرف منسوب یہی قول اپنی کتاب میں نقل کیا تھا، جس پر اعتراض کیا گیا تھا)، وہاں مفتی وقاص نے لکھا تھا:

"اور اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت علی کو ناکام بنانے کی جو تدبیر (تحکیم) اختیار کی تھی وہ واقعتاً امت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب بنی تھی".....

(پھر مفتی وقاص رفیع نے اپنے حق میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی کتاب سے ایک اقتباس نقل کرنے کے بعد لکھا تھا)

"ان الفاظ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ تحکیم کی تجویز کو پیش کر رہے تھے ان کی نیتوں میں خلوص نہیں تھا (یعنی حضرت عمرو بن العاص اور دوسرے صحابہ کی نیتوں کو اب مفتی وقاص جیسا آج کا لونڈا ٹٹول رہا ہے_ناقل) اور وہ وقتی طور پر اس بہانہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے تھے، اور حضرت علی (رض) بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ تحکیم کی پیش کش نیک نیتی پر مبنی نہیں بلکہ خدع وفریب پر مبنی ہے (دیکھیں اس لونڈے کی صحابہ کرام کی طرف خدع وفریب کی نسبت_ناقل)"

آگے لکھا تھا:

"نتیجہ اس کا بھی اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نکلا جس کا سب سے زیادہ الم ناک پہلو یہ تھا کہ اب تک مسلمانوں میں حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے حامیوں کی دو جماعتیں تھیں (اس مفتی کو علم ہی نہیں کہ سب سے بڑی جماعت تو ان صحابہ کی تھی جو غیر جانبدار رہے تھے_ناقل)، اب خوارج کے نام سے ایک اور فرقہ پیدا ہو گیا جو دونوں کا شدید مخالف اور دشمن تھا، اب ذرا تصور کیجیے! حضرت علی (رض) کو ناکام کرنے کی ایک تدبیر (تحکیم) جو فاتح اجنادین عمرو بن العاص (رض) کے دماغ نے سوچی تھی کس طرح امت میں چند در چند فتنوں اور رخنوں کے پیدا ہونے کا سبب ہوئی"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب کے صفحات 456 تا 458)

مفتی وقاص کو چاہیے کہ وہ یہ شعر گنگنائیں:

اچھا تھا گھر کی آگ بجھانے میں مرتے ہم
افسوس! اپنی جان بچانے میں مر گئے

اکابر کے نادان وکیل : (قسط 21)

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ نمبر 581 سے حضرت مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (رح) کے ایک فتوے میں حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں لکھے گئے چند الفاظ پر بات شروع کی ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب (رح) کے پاس ایک استفتاء آیا جس میں چند دیگر امور کے علاوہ یہ سوال بھی کیا گیا کہ :

"حضرت معاویہ (رض) کی نسبت غصبِ خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت باوجود اس کے فسق و فجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں کس حد تک درست ہے" (کفایۃ المفتی، جلد 1 صفحہ 238، دار الاشاعت کراچی)

چنانچہ اس استفتاء کے مذکورہ سوال کے جواب میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب (رح) نے جو جواب تحریر فرمایا وہ یہ ہے:

"حضرت امیر معاویہ (رض) نے حضرت امام حسن (رض) سے صلح کرلی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے، انہوں نے یزید کے لیے بیعت لینے میں غلطی کی، کیونکہ یزید سے بہتر اور اولی وافضل افراد موجود تھے...."

(کفایت المفتی، جلد 1 صفحہ 238)

اس عبارت میں مفتی صاحب نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں صراحتاً لکھا ہے کہ "انہوں نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی"، (واضح رہے کہ لفظ صرف "غلطی" لکھا ہے، اجتہادی غلطی نہیں لکھا_ناقل).

قارئین محترم! مفتی صاحب کا یوں ایک جلیل القدر صحابی کی طرف "قطعی غلطی" کی نسبت کرنا محل نظر ہے، امام ابو عبداللہ محمد بن احمد القُرطبیؒ (م 671ھ) لکھتے ہیں

"لَا يَجُوزُ أَنْ يُنْسَبَ إِلَى أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ خَطَأٌ مَقْطُوعٌ بِهِ، إِذْ كَانُوا كُلَّهُمُ اجْتَهَدُوا فِيمَا فَعَلُوهُ وَأَرَادُوا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَهُمْ كُلُّهُمْ لَنَا أَئِمَّةٌ"

کسی صحابی کی طرف قطعی طور پر غلطی کی نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ ان سب نے جو کیا وہ اس میں مجتہد تھے اور ان کا ارادہ اللہ کی رضا تھی، وہ سب ہمارے امام ہیں.

(الجامع لأحکام القرآن للقرطبیؒ، ج 19، ص 382 و 383، مؤسسۃ الرسالۃ)

اور یہاں مفتی کفایت اللہ دہلوی (رح) جس چیز کو حضرت معاویہ (رض) کی غلطی لکھ رہے ہیں اس بات پر اُس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت نے ان کی رائے سے اتفاق کیا تھا، جتنے بھی تاریخی مصادر دیکھ لیں، آپ کو صرف چار (یا بعض جگہ پانچ) صحابہ کے بارے میں ہی یہ ملے گا کے انہوں نے ولی عہدی کی اس تجویز سے اختلاف کیا، کوئی چھٹا نام نہیں ملے گا، اور جب حضرت معاویہ (رض) کا انتقال ہو گیا اور یزید کی امارت کے لیے بیعت کا وقت آیا تو ان چار یا پانچ میں سے بھی ہمیں صرف دو (حضرت حسین و حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) ہی ایسے ملتے ہیں جو اپنے اختلاف پر قائم رہے... یوں جب مفتی کفایت اللہ صاحب (رح) یہ لکھتے ہیں کہ: "حضرت معاویہ (رض) نے یزید کی بیعت لینے میں غلطی کی" تو وہ تمام صحابہ کرام و تابعین بھی اس غلطی میں شامل ہو جاتے ہیں جو ولی عہدی کی تجویز کے مشورے میں حضرت معاویہ (رض) کے ساتھ شریک تھے، اور جنہوں نے ولی عہدی کی بیعت سے اختلاف نہ کیا اور جنہوں نے بعد میں یزید کی امارت کی بیعت کی.... حضرت مفتی صاحب (رح) کے فتوے کی زد میں یہ سب آتے ہیں، اور اس فتوے کی رو سے ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اس وقت موجود صحابہ کرام و تابعین کی اکثریت نے اس غلطی پر اتفاق کر لیا.

ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب (رح) کے یہ الفاظ جن میں انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کی طرف قطعی غلطی کی نسبت کی ہے، اس وقت کے جمہور صحابہ و تابعین کے حق میں مفتی صاحب کا تسامح ہے...

پھر مفتی صاحب نے اس غلطی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ "کیوں کہ یزید سے بہتر اور اولی و افضل افراد موجود تھے"، مفتی صاحب کی یہ بات بھی محل نظر ہے، کیونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ جو مرتبے میں سب سے افضل و اولی ہو اسے ہی امیر یا خلیفہ بنایا جائے، امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) لکھتے ہیں کہ:

"خلیفہ کے لیے اپنے زمانے میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ مقاصد خلافت اس سے انجام پائیں" (مجموعہ تفسیر آیات قرآنی، "تحفہ خلافت" صفحہ 79، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت جہلم)

نیز لکھتے ہیں:

"خلیفہ کے لیے اپنے زمانے میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ اگر دو شخص ہوں، ایک افضل دوسرا مفضول، لیکن مفضول میں مقاصد خلافت انجام دینے کی قابلیت افضل سے زیادہ ہو تو ایسی صورت میں مفضول کو خلیفہ بنانا اولی ہے"

(حوالہ بالا، صفحہ 80)

غور کریں! کبھی غیر افضل کو خلیفہ بنانا "اولی" بھی ہوتا ہے..

لہٰذا مفتی کفایت اللہ صاحب (رح) کی یہ وجہ بھی ان کی انفرادی رائے تو ہو سکتی ہے، اہل سنت کا یہ مسلک نہیں کہ خلیفہ صرف وہی بن سکتا ہے جو سب سے افضل و اولی ہو، اس لیے یزید کی ولی عہدی کو حضرت معاویہ (رض) کی "غلطی" بتانا درست نہیں، ہاں اگر مفتی صاحب نے اپنی رائے یہ دی ہوتی کہ "ان کی رائے میں یہ غیر اولی تھا" تو بات اور تھی، لیکن یہاں تو اسے صاف "غلطی" لکھا ہے. جو اس وقت کے جمہور صحابہ کرام کے موقف کے بھی خلاف ہے.

اب بجائے اس کے کہ مفتی وقاص رفیع، مفتی کفایت اللہ (رح) کے ان الفاظ کو "غیر محتاط" یا ان کا "تسامح" تسلیم کرتے، انہوں نے الٹا اس کی دور از کار تاویلیں شروع کر دیں، ملاحظہ ہوں:

سب سے پہلے مفتی وقاص رفیع نے یہ لکھا ہے کہ:

"تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس غلطی سے رائے، تدبیر، اور نتائج کی اجتہادی غلطی مراد ہے، جس پر بعض صحابہ و تابعین حضرات نے محض مسلمانوں کو باہمی افتراق و انتشار اور خانہ جنگی سے بچانے کے لیے ایک نیک مصلحت کے تحت یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 584)

میں اسے یہاں مفتی وقاص رفیع کا "دجل" ہی کہوں گا، وہ کس درجہ دھوکہ دہی کا ثبوت دے رہے ہیں کہ "بعض صحابہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی"، میرا مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی کو کھلا چیلنج ہے کہ جب حضرت معاویہ (رض) نے اپنی زندگی میں یزید کی ولی عہدی کی تجویز صحابہ کے سامنے رکھی تو مجھے چار یا پانچ کے سوا کسی ایک صحابی کا نام بتائیں جس نے ولی عہدی کی اس تجویز سے اختلاف کیا ہو اور یہ بیعت نہ کی ہو؟؟ دیدہ باید... حافظ ابن کثیر (رح) لکھتے ہیں:

"فَبَايَعَ لَهُ النَّاسُ فِي سَائِرِ الْأَقَالِيمِ، إِلَّا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ وَالْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَابْنَ عَبَّاسٍ"

(حضرت معاویہ (رض) نے جب اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینے کی تحریک شروع کی) تو تمام صوبوں میں تمام لوگوں نے اس کی بیعت کر لی سوائے ان پانچ حضرات کے، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حسین بن علی حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین) (البدایۃ والنہایۃ، جلد 11 صفحہ 307 دار ہجر للطباعۃ)

جناب مفتی وقاص رفیع صاحب! آپ کو ایسے جھوٹ زیب نہیں دیتے، اور پھر کیا آپ کو ان 99% فیصد صحابہ و تابعین نے خود یہ بتایا ہے کہ انہوں نے اس ولی عہدی کی بیعت پر اتفاق صرف خانہ جنگی کی وجہ سے کیا تھا؟؟؟ خدا کا خوف کریں، غیر صحابہ اکابر کے تسامحات اور غلطیوں کا دفاع کرتے ہوئے جھوٹ تو نہ بولیں..

اور قارئین محترم! جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا، یہاں آپ نے دیکھا کہ مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں کہ "بعض صحابہ نے یہ بیعت کرلی تھی"... اور پھر اسی صفحے پر اگلے پیراگراف میں لکھتے ہیں کہ:

"اس لیے بعض صحابہ نے یزید کی اس نامزدگی کی خوب کھل کر مخالفت کی"

(دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا صفحہ 584)

اب اگر مفتی وقاص رفیع کی پہلی بات درست ہے کہ "یزید کی ولی عہدی کی بیعت بعض صحابہ و تابعین نے کی تھی" تو یہاں مفتی موصوف لکھ رہے ہیں کہ "بعض صحابہ نے اس نامزدگی کی مخالفت کی"..... یعنی اس کی بیعت بھی بعض نے کی، اور مخالفت بھی بعض نے.... کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی.

اور یہاں یہ بات بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ جن چار یا پانچ حضرات صحابہ نے شروع میں یزید کی ولی عہدی کی تجویز کی مخالفت کی تھی انہوں نے بھی یزید کی ذات کی وجہ سے نہ کی تھی، بلکہ تاریخ کی کتب کھنگال لیں، ان کا اختلاف اس طریق ولی عہدی پر تھا نہ کہ یزید کی ذات پر... اور پھر حضرت معاویہ (رض) کی وفات کے بعد جب عملی طور پر یزید کی امارت کی بیعت ہوئی تو ان پانچ میں سے ایک حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رض) تو وفات پا چکے تھے، باقی چار میں سے حضرت عبداللہ بن عمر (رض) نے یزید کی بیعت کرلی تھی، اور حضرت عبداللہ بن عباس (رض) کے بارے میں بھی آتا ہے کہ انہوں نے بھی بیعت کرلی تھی، باقی صرف دو حضرات بچتے ہیں تمام صحابہ میں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، ان کے علاوہ کوئی تیسرا صحابی مفتی وقاص رفیع نہیں بتا سکتے جس نے یزید کی بیعت کی مخالفت کی ہو...

حافظ ابن حجر عسقلانی (رح) ایک جگہ حضرت عبداللہ بن عمر (رض) کے یزید کی بیعت کرنے کا ذکر کرتے ہوے لکھتے ہیں کہ:

" وَبَايَعَ لِابْنِهِ يَزِيدَ بَعْدَ مَوْتِ مُعَاوِيَةَ لِاجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلَيْهِ"

حضرت عبداللہ بن عمر (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے یزید کی بیعت کرلی کیونکہ اس پر لوگوں کا اتفاق ہو چکا تھا. (فتح الباری، جلد 13 صفحہ 195 المکتبۃ السلفیۃ)

لیجئے! حافظ ابن حجر تو یہ لکھ رہے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) کی وفات کے بعد یزید کی امارت پر لوگوں کا اجتماع ہو چکا تھا... اب مفتی وقاص رفیع کی مانیں یا ان اکابر کی؟؟ ذرا سوچ کر جواب دیں.

پھر دوبارہ مفتی وقاص رفیع نے اسی دجل کا ثبوت دیتے ہوے لکھا ہے کہ:

"باقی رہی بات ان بعض صحابہ و تابعین کی جنہوں نے یزید کی بیعت کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات نے محض مسلمانوں کو باہمی افتراق و انتشار اور خانہ جنگی سے بچانے کے لیے ایک نیک مصلحت کے تحت بحالات موجودہ یزید کی بیعت کی تھی"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 584)

یہاں پھر مفتی وقاص رفیع نے لفظ "بعض صحابہ" لکھا ہے، جبکہ وہ یا ان کے پیچھے بیٹھے پردہ نشین یزید کی ولی عہدی کی بیعت سے اختلاف کرنے والوں میں پانچ کے علاوہ کوئی چھٹا نام نہیں بتا سکتے، اور یزید کی امارت کی بیعت نہ کرنے والوں میں دو کے علاوہ کوئی تیسرا صحابی نہیں بتا سکتے... یہ ہمارا چیلنج ہے.. ہاں اگر مفتی وقاص رفیع کے نزدیک اس وقت صرف پانچ چھ صحابہ ہی زندہ تھے تو پھر یقینا "پانچ صحابہ" جمہور صحابہ ہی بنتے ہیں، اور پھر یزید کی امارت کی بیعت کے وقت اگر صرف تین صحابہ ہی زندہ تھے تو پھر یقینی طور پر "دو صحابی" جمہور ہی بنتے ہیں، لیکن اگر اس وقت صحابہ کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی، اور یقینی طور پر زیادہ تھی تو پھر مفتی وقاص رفیع کا یزید کی ولی عہدی کی بیعت کرنے والوں کو "بعض صحابہ" بتانا یقینا انتہائی درجے کا دجل و فریب ہے جو اس "سبائیت گزیدہ" گروہ کا خاصہ ہے.

پھر دھوکہ دہی دیکھیں کہ یہ راگ الاپا جاتا ہے کہ "ان صحابہ نے بیعت کی تھی انہوں نے صرف خانہ جنگی اور فتنہ سے بچنے کے لیے بیعت کی تھی"... میرا مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی سے سوال ہے کہ یہ بات آپ کو ان بیعت کرنے والا صحابہ کرام نے خود بتائی ہے کہ ہم اس بیعت سے متفق تو نہیں لیکن ہم صرف خانہ جنگی سے بچنے کے لیے بیعت کر رہے ہیں، یا یہ مفتی وقاص رفیع اور ان کے پیران و مرشدین کی اپنی رائے ہے؟؟؟ اگر

ان صحابہ کرام نے یہ خود فرمایا ہے تو ان سب کی زبان سے یہ بات ثابت کریں.. یا اپنی بات ان کے منہ میں ڈالنے کی کوشش نہ کریں.

قارئین محترم! ہماری بحث یہاں یزید کی ذات سے ہر گز نہیں، اور نہ ہی یہاں ہم اس پر بات کر رہے ہیں کہ وہ اچھا تھا یا برا، ہم نے یہ چند گزارشات صرف مفتی وقاص رفیع کی علمی خیانت بتانے کے لیے کر دی ہیں.

آگے مفتی وقاص رفیع نے دو تین ایسے حوالے پیش کیے ہیں کہ فلاں نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کے لیے افضل یہ تھا کہ وہ اس معاملے کو شوری کے سپرد کر دیتے.. لیکن اس بات کا مفتی کفایت اللہ صاحب (رح) کے فتوے میں لکھے الفاظ سے کیا تعلق؟؟؟ بفرض محال اگر ایک منٹ کے لیے یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت معاویہ (رض) نے ایک افضل و اولی کام کی جگہ غیر افضل لیکن ہر لحاظ سے جائز کام کیا تو کیا اسے "غلطی" کہا جائے گا؟؟ یا "غیر مستحسن وغیر اولی"؟؟ اور پھر ہماری رائے یہ ہے کہ اُس وقت کے حالات کے تناظر میں حضرت معاویہ (رض) نے ہر گز کوئی غیر اولی کام بھی نہیں کیا اور نہ یہ ان کی رائے کی غلطی تھی، اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کا سب سے افضل ہونا ضروری ہی نہیں، اور اس میں حضرت معاویہ (رض) کو اس وقت کے جمہور صحابہ و تابعین کی تائید بھی حاصل ہوئی تھی.

آخر میں مفتی وقاص رفیع پھر اپنی تکلیف کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ:

"پس ثابت ہوا کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا حضرت معاویہ (رض) کے اس اقدام کو غلط کہنا اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے، اس لیے کہ اہل سنت والجماعت صحابہ کرام کے بارے میں عصمت کا عقیدہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کے گناہ و معصیت کے صدور کے قائل ہیں، البتہ انھیں مغفور ضرور مانتے ہیں.. لیکن یہاں پر تو گناہ اور معصیت کا نام بھی نہیں بلکہ غلطی کا ذکر ہے، تو اس میں شک ہی کیا ہے کہ یہ حضرت معاویہ (رض) کی ایک اجتہادی غلطی تھی کہ انہوں نے یزید جیسے شخص کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، جس نے خلافت کو ملوکیت میں بدل دیا اور اس کے عہد میں ایسے بد ترین نتائج برآمد ہوئے کہ جن کا تصور کرنا بھی مشکل ہے، بالخصوص

واقعہ کربلا، جنگ حرہ اور کعبہ پر سنگ باری یہ ایسے واقعات ہیں کہ انہوں نے پوری دنیائے اسلا کو لرزہ براندام کر دیا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 585 – 586)

تو قارئین محترم! یہ ہیں مفتی وقاص رفیع کے اصلی اندر کے جذبات... میں اس پر کچھ زیادہ لکھنا نہیں چاہتا.. لیکن صرف مفتی وقاص رفیع کو آئینہ دکھانے کے لئے ان کی خدمت میں ایک استفتاء لکھتا ہوں... :

جی بالکل اہل سنت، صحابہ کرام کے بارے میں عصمت کا عقیدہ نہیں رکھتے، اور صحابہ کرام میں وہ چند چار پانچ حضرات بھی شامل ہیں جنہوں نے ولی عہدی کی اس تجویز سے اختلاف کیا تھا، اور وہ دو بھی ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت نہ کی بلکہ اس کے خلاف خروج کیا... تو مفتی صاحب! ذرا فتویٰ دیں اس شخص کے بارے میں جو کہے کہ: میرے نزدیک ولی عہدی کی اس تجویز سے اختلاف کرنے والوں سے اجتہادی غلطی ہوئی، اور اسی طرح حضرت حسین (رض) اور حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) سے بھی اجتہادی غلطی ہوئی... نیز حرہ کے واقعہ میں بیعت توڑ کر حاکم وقت کے خلاف خروج کرنے والوں سے بھی اجتہادی غلطی ہوئی... ان اجتہادی غلطیوں کی وجہ سے ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے پوری دنیائے اسلام کو لرزہ براندام کر دیا، اور کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہوا، ہم اسے صرف ان چند حضرات کی اجتہادی غلطی ہی کہتے ہیں کوئی معصیت یا گناہ نہیں کہتے، اور اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرام معصوم نہیں، ان سے تو گناہ بھی ہو سکتا ہے" .

تو فرمائیں مفتی وقاص رفیع صاحب! جمہور صحابہ سے ان چند اختلاف کرنے والے صحابہ کرام کی طرف اس بارے میں "اجتہادی غلطی" منسوب کرنے والوں پر آپ "یزیدی" یا "ناصبی" کا فتویٰ تو نہیں ٹھوکیں گے؟؟ اگر آپ اپنے آپے سے باہر ہو جائیں گے اور یقینا ہو جائیں گے تو فرمائیں کہ یہ جو آپ بار بار یہ آوازہ کستے ہیں کہ "اہل سنت کے نزدیک کوئی صحابی معصوم نہیں، اس لیے اگر کسی نے حضرت معاویہ کی طرف غلطی یا گناہ کی نسبت کر دی تو اس میں کیا غلط ہے" یہ قانون صرف حضرت معاویہ (رض) اور ان جمہور صحابہ کے لئے ہی ہے جنہوں نے یزید کی ولی عہدی سے اتفاق کیا، یا اس قانون کا اطلاق کوئی ان چار پانچ صحابہ پر بھی کر سکتا ہے جنہوں نے اختلاف کیا؟؟ یاد رکھیں! اصول سب کے لیے ہوتے ہیں.. بینوا توجروا .

مفتی وقاص رفیع نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ :

"اس میں شک ہی کیا ہے کہ یہ حضرت معاویہ (رض) کی ایک اجتہادی غلطی تھی کہ انہوں نے یزید جیسے شخص کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، جس نے خلافت کو ملوکیت میں بدل دیا"

تو ہم عرض کرتے ہیں کہ ، اسی یزید کے بیٹے "معاویہ ثانی" نے اپنے آپ کو خلافت سے الگ کرلیا اور مسلمانوں کی خلافت ان کے سپرد کردی تھی... یوں اگر حضرت معاویہ (رض) یا یزید بن معاویہ نے آپ کے بقول "خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کردیا تھا" تو انھیں حضرت معاویہ (رض) کے پوتے اور اسی یزید کے بیٹے نے اپنی ملوکیت کو واپس کردیا تھا.. اس کے بعد تمام مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اسے واپس خلافت میں تبدیل کرلیتے ..... لہٰذا خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کی قیامت تک کی ذمہ داری حضرت معاویہ (رض) یا یزید پر نہیں ڈال جاسکتی.. اور یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ "یزید بن معاویہ" نے کسی کو بھی اپنا جانشین یا ولی عہد مقرر نہیں کیا تھا، تفصیل کا یہ مقام نہیں..اب یہ مفتی وقاص تحقیق کرکے بتائیں کہ اس کے بعد مسلمان "امارت" کو واپس "خلافت" میں تبدیل کیوں نہ کرسکے؟.

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 22)

قارئین محترم! صحابہ کرام (رض) جس مقدس گروہ کا نام ہے وہ امت کے عام افراد امت کی طرح نہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان ایک خاص واسطہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص امتیازی مقام اور عام امت سے امتیاز رکھتے ہیں، یہ مقام وامتیاز ان کو قرآن وسنت کی نصوص وتصریحات سے عطا ہوا ہے اور اسی لئے امت کا اس پر اجماع ہے، اس کو تاریخ کی صحیح و سقیم روایات کے انبار میں گم نہیں کیا جاسکتا.

بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رح) "اگر کوئی روایت ذخیرہ احادیث میں بھی ان کے اس مقام و شان کو مجروح کرتی ہو تو وہ بھی قرآن وسنت کی نصوص صریحہ اور اجماع امت کے مقابلے میں مجروح و متروک ہوگی، تاریخی روایات کا تو کہنا ہی کیا ہے" (مقامِ صحابہ، ص 31).

اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت صحابہ کے تمام افراد مرتبہ و مقام اور فضیلت کے لحاظ سے برابر نہیں، سابقون اولون کا اپنا مقام ہے، بدری صحابہ کرام کی اپنی فضیلت ہے، عشرہ مبشرہ کا اپنا مرتبہ ہے، لیکن "مرتبہ صحابیت" میں تمام برابر ہیں، فرق مراتب اپنی جگہ لیکن قرآن وسنت میں صحابہ کرام کے جو عمومی فضائل و مناقب بیان ہوے ہیں ان میں ہر صحابی بلا امتیاز داخل ہے. "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" اور "وکلًا وعد اللہ الحسنی" جیسے الہی تمغے پوری جماعت صحابہ کے لیے ہیں.

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ قرآن وحدیث میں جہاں بھی صحابہ کرام کے کسی خاص گروہ یا طبقہ کی صحابہ کرام کی دوسری جماعت پر کسی فضیلت کا ذکر ہے تو اسے یوں نہیں بیان کیا گیا کہ "فلاں گروہ، فلاں گروہ سے کم تر ہے" بلکہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ "فلاں گروہ، دوسرے سے برتر ہے" مثلًا جہاں فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں اور قتال کرنے والوں اور فتح مکہ کے بعد خرچ کرنے اور قتال کرنے والوں کا ذکر ہے تو، پہلے گروہ کے بارے میں "اٰلئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا" کے الفاظ ہیں (کہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا، وہ بعد میں خرچ کرنے اور قتال کرنے والوں سے درجہ

میں بڑے ہیں)، اسے یوں نہیں بیان کیا کہ "بعد میں انفاق کرنے اور قتال کرنے والے، پہلے کرنے والوں سے درجے میں کم ہیں"، اور ساتھ ہی آگے "وکلاً وعد اللہ الحسنی" بھی فرمایا ہے کہ (اللہ نے اچھائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے) ... جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کہیں صحابہ کرام کے درمیان انفرادی مقام و مرتبہ بیان کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اسے یوں تعبیر کیا جائے گا کہ مثلاً "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، صحابہ کرام میں سب سے افضل ہیں"، تعبیر یوں نہ کی جائے کہ "تمام صحابہ کرام، حضرت ابو بکر سے کم درجے کے ہیں".

خاص طور پر غیر صحابہ کے لیے تو اس بات کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ صحابہ کرام کے مراتب بیان کرتے ہوے احتیاط برتیں اور ایسی تعبیرات نہ اختیار کریں جن کے الفاظ سے کسی بھی صحابی کی تنقیص نکل سکتی ہو، کہ ہم غیر صحابہ کو تو تمام صحابہ کرام کا احترام اور ذکر بالخیر کا حکم ہے.

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کبھی علم و فضل میں بڑی ہستی سے بھی لفظی تعبیرات کی حد تک ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جن کا مقصد شاید کسی صحابی کی تنقیص تو نہیں ہوتا، لیکن وہ الفاظ اور تعبیر بظاہر ایسی ہوتی ہے کہ اس سے تنقیص کا گمان ہوتا ہے، تسامحات کسی سے بھی ہو سکتے ہیں، اگر اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرام معصوم نہیں جن کو "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کی سند مل چکی تو غیر صحابہ اکابر و بزرگان سے تسامح اور غلطی کیوں نہیں ہو سکتی جن کے لیے تو اللہ نے ایسی کوئی سند بھی نہیں دی؟.

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 587 سے امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کی طرف منسوب چند عبارات پر بات شروع کی ہے، آیئے ان کا جائزہ لیتے ہیں.

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے بروایت مولانا محمد منظور نعمانی (رح) حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کا ایک قول بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ آپ نے حضرت علی مرتضی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوے ارشاد فرمایا:

"حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی بھی پہلی صف کے اکابر میں ہیں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سر کے تاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضی (رض) سے ان کی کیا نسبت، ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ (رض) کو جگہ مل جائے تو ان کے لئے سعادت اور باعث فخر ہے"

(امام اہل سنت کے مختصر حالات زندگی، بقلم قاضی مظہر حسین صاحب، تحفہ خلافت ، صفحہ 15 و 16 ، مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت جہلم)

ہمارے خیال میں کسی بھی دو صحابہ کے درمیان درجہ و مرتبہ کے بیان کے لیے ایسی تعبیر مناسب نہیں، کہ "فلاں صحابی کو تو اگر فلاں صحابی کی مجلس میں صف نعال میں بھی جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت کی بات ہے" ... ذہن میں رہے کہ "نعال" جمع ہے "نعل" کی، اور "نعل" جوتے کو کہا جاتا ہے، یوں "صف نعال" کا مطلب ہے "جوتوں کی صف" ... بلکہ مجھے یقین ہے کہ اگر بالفرض میں یوں کہوں کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو جلیل القدر صحابی ہیں، مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا محمد منظور نعمانی اور قاضی مظہر حسین صاحبان کا علم و فضل اور بزرگی ہمارے سر آنکھوں پر، لیکن حضرت معاویہ (رض) سے انھیں کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر ان حضرات کو صف نعال میں بھی جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور فخر کا باعث ہے" تو مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی کو میری یہ تعبیر بھی اچھی نہیں لگے گی .. اور شاید وہ مجھ پر ان اکابر کی بے ادبی کا فتویٰ بھی لگا دیں .. اگرچہ یہاں ایک "صحابی" اور خیر القرون کے بہت بعد کے غیر صحابہ اکابر کا موازنہ کیا گیا ہے ... اب آپ خود اندازہ فرمالیں کہ مولانا لکھنوی (رح) کی یہ تعبیر (کم از کم تعبیر اور الفاظ کی حد تک) نامناسب ہے یا نہیں؟؟ جبکہ وہ ایک ہی جماعت یعنی "صحابہ" کے دو افراد کا موازنہ کر رہے ہیں ... جو

دونوں "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" اور "وکلا وعد اللہ الحسنی" کے خطاب رکھتے ہیں... کیا یہاں "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس (مجلس نبوی نہیں_ناقل) کی صف نعال میں جگہ ملنے کا ذکر.. اور وہ بھی "اگر" کے ساتھ مناسب تھا؟ وہ بھی ایک صحابی رسول (ص) کے بارے میں؟؟ اور پھر ایسے الفاظ کہ "حضرت علی (رض) سے ان کو کیا نسبت"؟ جبکہ وہ دونوں ایک ہی جماعت صحابہ سے تعلق رکھتے ہیں.

بے شک حضرت علی (رض) قدیم الاسلام ہیں، خلفاء ثلاثہ کے بعد تمام مسلمانوں سے افضل ہیں، لیکن حضرت معاویہ (رض) مفضول ہونے کے باوجود ان کی مجلس کی "صف نعال" میں نہیں آتے، حضرت علی (رض) کی منقبت اور فضیلت بیان کرنے کے لیے ایسی تعبیرات کی ضرورت ہی نہیں، اور نہ ہی حضرت معاویہ (رض) کا مقام گھٹا کر پیش کرنے اور انھیں حضرت علی (رض) کی مجلس کی "صف نعال" میں رکھنے سے حضرت علی (رض) کی فضیلت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے.

کوئی منافق ہی حضرت علی (رض) کے فضل و شرف میں شک کر سکتا ہے، وہ یقینا علم و فضل اور تقوی کے پہاڑ ہیں، مگر حضرت معاویہ (رض) کے شرف صحابیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کتابت اور دیگر خدمات انجام دینے کے علاوہ بالخصوص حجۃ الوداع کے موقع پر طواف زیارت کی ادائیگی کے لیے منی سے مکہ آتے ہوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف بننے (ایک ہی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیچھے بیٹھنے) کی سعادت حاصل کرنے والے صحابی کو حضرت علی (رض) کی مجلس کی "صف نعال" میں جگہ دینا اور وہ بھی "اگر جگہ مل جائے" کی مشروط تعبیر کے ساتھ "نامناسب" اور "غلو" ہی ہے، یہ بات اگر واقعی مولانا لکھنوی (رح) نے یوں ہی فرمائی ہے جیسے روایت کی جاتی ہے تو ہم اس تعبیر کو مولانا کا "تسامح" ہی کہتے ہیں.

صحابہ کرام کو اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ ہر ایک دوسرے کے ساتھ کیسا تھا، بلکہ انہیں اس زاویہ نظر سے دیکھنا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ کیسے تھے؟.

اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مولانا لکھنوی (رح) کی اس تعبیر کو بعض حضرات نے جن میں مولانا لکھنوی کے نبیرہ پروفیسر عبدالحیی لکھنوی بھی شامل ہیں مولانا لکھنوی کا اعتدال، مسلک وسط اور سب سے بڑا امتیاز قرار دیا ہے..

نوٹ : مولانا لکھنوی کی طرف منسوب اس مقولہ کو پاکستان میں "حب اہل بیت" کی آڑ میں صحابہ کرام پر تنقید کے لیے مشہور بعض لوگوں نے خاص طور پر نقل کیا ہے، جنہوں نے پاکستان میں ایسا لٹریچر ڈھونڈھ کر خاص اہتمام سے شائع کروایا ہے جس میں حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کی تنقیص پائی جاتی ہے ... (تفصیل پھر کبھی).

مفتی وقاص رفیع نے مولانا لکھنوی (رح) کی اس تعبیر کا دفاع کرتے ہوے سب سے پہلے جو عنوان باندھا ہے اس پر غور فرمائیں:

"امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث قول کی مختلف توجیہات"

یعنی مفتی وقاص رفیع بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا لکھنوی کی یہ تعبیر "قابل توجیہ" ہے.... اس کے بعد "امام اہل سنت کے زیر بحث جملہ کی بہترین توجیہ" کے عنوان سے مفتی وقاص رفیع نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ : "صف نعال" کا ترجمہ "جوتوں کی صف" کرنا غلط ہے، بلکہ علماء لغت نے اس کا ترجمہ اس صف سے سے کیا ہے جو باہر کی جانب اہل مجلس کے جوتے اتارنے کی جگہ سے متصل ہو" اور اس پر مفتی وقاص رفیع نے غیاث اللغات کا حوالہ دیا ہے.

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 591).

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع کان ایک طرف سے پکڑیں یا دوسری طرف سے، کوئی فرق نہیں پڑتا، جب آپ خود یہ نقل کر رہے ہیں کہ "صف نعال" وہ صف ہوتی ہے جو اصل مجلس سے باہر اس جگہ پر ہوتی ہے جہاں اہل مجلس جوتے اتارتے ہیں" تو اس تعبیر کے مفہوم میں کیا فرق پڑا؟؟ پھر بھی یہی مطلب ہوا ناں کہ

"حضرت علی (رض) کی مجلس میں اگر حضرت معاویہ رض) تشریف لائیں تو ان کو اگر مجلس سے باہر اہل مجلس کے جوتے اتارنے کے مقام پر بھی جگہ مل جائے تو یہ ان کے لیے سعادت اور شرف کی بات ہے".. یا کوئی اور مفہوم ذہن میں آتا ہے؟

نیز ہم یہاں یہ بات اپنے قارئین کے علم میں لانا چاہتے ہیں کہ ایک کتاب ہے "تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" مصنف کا نام ہے "قاری قیام الدین الحسینی" ، اس پر حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب (رح) نے تقریظ لکھی تھی، اس تقریظ میں حضرات نفیس شاہ صاحب نے بھی بحوالہ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب بعنوان "امام اہل سنت کا غیر معمولی اعتدال" حضرت لکھنوی کا یہی (حضرت علی (رض) کی مجلس میں صف نعال میں جگہ ملنے والا) قول نقل کیا ہے، اور دعا فرمائی ہے کہ "اللہ تعالی سب مسلمانوں کو راہ حق و اعتدال نصیب فرمائے"

(دیکھیں: تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، صفحہ 19 — 20) .

چنانچہ قاری قیام الدین صاحب نے اسی "معتدل قول" کو اپنی کتاب کے آخر میں زیر عنوان "گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی" "صف نعال" کی وضاحت کے ساتھ ان الفاظ سے نقل کر دیا کہ:

"ان کی مجلس میں اگر صف نعال (جوتوں کی صف) میں حضرت معاویہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے" (تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، صفحہ 237)

ملاحظہ فرمائیں، قاری قیام الدین صاحب خود "صف نعال" کی وضاحت "جوتوں کی صف" سے کر رہے ہیں ...اور پھر یہاں "اگر فرق مراتب نہ کنی زندیقی" کا عنوان دیا ہے، یعنی جو ان کے نزدیک حضرت معاویہ (رض) کو حضرت علی (رض) کی مجلس میں "جوتوں کی صف" میں بیٹھنے کے قابل نہ مانے وہ زندیق ہے...

تو اب بتائیں ہم مفتی وقاص رفیع کی تاویلات قبول کریں یا اس کتاب کی تشریح قبول کریں جس پر "اکابرین" کی تقاریظ ہیں؟؟

پھر خود مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

"اور دوسرے یہ کہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں، بلکہ مجازی معنوں پر محمول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی (رض) صف اول کے صحابہ میں سے ہیں اور حضرت معاویہ (رض) آخری صفوں کے صحابہ میں سے ہیں" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 591)

یعنی مفتی وقاص رفیع تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا لکھنوی (رح) کے ان الفاظ اور اس تعبیر کو اگر اس کے حقیقی معنوں پر محمول کیا جائے تو یہ واقعی نامناسب ہے.. اسی لیے تو وہ اسے مجازی معنوں میں محمول کر رہے ہیں، ظاہر ہے مجازی معنی وہیں لیا جاتا ہے جہاں حقیقی معنی لینا ممکن نہ ہو..

پھر قارئین محترم توجہ فرمائیں کہ مولانا لکھنوی (رح) کی طرف منسوب اس قول میں صحابہ کرام کی صفوں کا تذکرہ نہیں ہو رہا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے صحابہ کرام کی صفوں کا ذکر نہیں ہو رہا، بلکہ "حضرت علی (رض) کی مجلس" کی صفوں کا تذکرہ ہو رہا ہے، اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت علی (رض) کی مجلس کی صفوں میں اگر حضرت معاویہ (رض) کو اس صف میں بھی جگہ مل جائے جو مجلس کے باہر اہل مجلس کے جوتے اتارنے کی جگہ کے پاس ہے تو یہ ان کے لیے سعادت کی بات ہوگی.... اور حضرت علی (رض) کی مجلس میں صحابہ، غیر صحابہ، اور وہ لوگ بھی ہوتے تھے جو اوپر اوپر سے اپنے آپ کو آپ کا جانثار کہتے تھے لیکن اندر سے مسلمانوں کے دشمن تھے... اور ظاہر ہے یہ سب لوگ حضرت علی (رض) کے لشکری تھے، تو یقینی طور پر یہ لوگ آپ کی مجلس کی پہلی صفوں میں ہی بیٹھتے ہوں گے، تو حضرت لکھنوی (رح) جب حضرت معاویہ (رض) کو حضرت علی (رض) کی مجلس سے بھی باہر جوتے اتارنے کی جگہ کے پاس والی صف میں بٹھا رہے ہیں تو کیا یہ ذہن میں نہیں آتا کہ وہ غیر صحابی بھی جو اس مجلس میں ان سے آگے والی صفوں میں بیٹھتے تھے حضرت معاویہ (رض) سے افضل تھے؟؟؟ بات سوچنے کی ہے..

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے (صفحہ نمبر 591 سے ہی) ایک نیا فریب دینے کی کوشش کی ہے، امام حاکم (رح) کی کتاب "علوم الحدیث" کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام (رض) کو بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے.. اور پھر نتیجہ یوں نکالا ہے کہ:

"مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) نے انہی فرق مراتب کو سامنے رکھتے ہوے ایک بلیغ استعارے میں حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کا باہمی مقام و مرتبہ بیان فرمایا ہے، اس سے مراد ہر گز نہیں کہ واقعی حضرت معاویہ (رض) اگر حضرت علی (رض) کی مجلس میں تشریف لائیں تو انہیں جوتوں کی جگہ ملے گی یا وہ حضرت علی (رض) کی مجلس میں جوتوں کی جگہ میں بیٹھنے کے قابل ہیں" ..... (آگے لکھتے ہیں) ... یہ تو آپ نے ملاحظہ فرما لیا (یعنی امام حاکم کے بیان کردہ صحابہ کے بارہ طبقات میں_ناقل) کہ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ کو علماء نے طبقات صحابہ کے دسویں طبقہ میں شمار کیا ہے، اور حضرت معاویہ (رض) کے اسلام لانے سے متعلق یہ بات کتب تواریخ میں قطعی طور پر مذکور ہے کہ انہوں نے عمرۃ القضاء سنہ 7 ہجری کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا... (آگے لکھا کہ) ... پس جب حضرت معاویہ (رض) کا شمار صحابہ کرام کے دسویں طبقہ میں ہوتا ہے تو اور حضرت علی (رض) کا شمار پہلے طبقہ میں ہوتا ہے تو ایسے میں حضرت معاویہ (رض) کو حضرت علی (رض) کے مرتبہ کے برابر یا اس کے قریب کیوں کر رکھا جا سکتا ہے؟".

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 594 و 595)

قارئین محترم! نہ جانے مفتی وقاص رفیع ہمیں "صحابہ کرام کے طبقات" کیوں سمجھا رہے ہیں؟ یا اگر امام حاکم (رح) نے یہ طبقات بیان کرکے آخر میں یوں لکھا ہوتا کہ "صحابہ کرام کے ان طبقات میں آخری طبقات والے صحابہ کرام کو اگر پہلے طبقہ والے صحابہ کرام کی مجلس کے باہر اہل مجلس کے جوتوں سے ملی صف میں بھی جگہ مل جائے تو ان کے لیے باعث سعادت و شرف ہے" تو مفتی صاحب کو یہ حوالہ چنداں مفید ہو سکتا تھا، اور جو مفتی وقاص یہ کہہ رہے ہیں کہ "تو ایسے میں حضرت معاویہ (رض) کو حضرت علی (رض) کے

مرتبہ کے برابر یا اس کے قریب کیوں کر رکھا جاسکتا ہے؟" تو وہ یہ بتائیں کہ یہ کس نے کہا ہے کہ حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) برابر ہیں؟؟؟ یہاں تو بات ہی حضرت علی (رض) کی مجلس کی صفوں کی ہو رہی ہے، ان صفوں میں مثلاً ہمیں حضرت عثمان (رض) کے خلاف خروج کرنے والے باغی بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے ایک خلیفہ راشد کو شہید کیا... اور جن سے قصاص لینے کے معاملے پر جنگ جمل و صفین کے سانحے ہوئے... بلکہ ان میں سے کچھ حضرات تو مختلف اہم عہدوں پر بھی فائز ہو گئے تھے (یاد رہے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہم متہم نہیں کر رہے، اس وقت حالات ہی ایسے تھے کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارد گرد حاوی تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ چاہتے ہوئے بھی ان کے خلاف اقدام نہ کر پا رہے تھے، اس بات کو اسی تناظر میں لیا جائے)... تو حضرت علی (رض) کی مجلس میں ظاہر ہے ان کے اپنے لشکری اور اپنے حکام اگلی صفوں میں ہی بیٹھے ہوں گے ... اور اس مجلس کی "صف نعال" میں اگر حضرت معاویہ (رض) کو بٹھایا جارہا ہے تو ہم اس تعبیر کو نامناسب، اور تسامح کہیں تو ہم پر اکابر کے گستاخ کا فتویٰ کیوں لگتا ہے؟؟ مفتی وقاص رفیع ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں .... کہ وہ کیوں حضرت لکھنوی (رح) کی طرف منسوب اس قول کی ایسی توجیہات کر رہے ہیں کہ "ان کی مراد مجازی معنی ہے" .. یا "ان کا مقصد طبقات صحابہ کا بیان تھا" .... جبکہ وہ خود بھی سمجھتے ہیں کہ اپنے ظاہری الفاظ میں یہ تعبیر واقعی نامناسب ہے.

پھر مفتی وقاص رفیع نے امام حاکم کے حوالے سے صحابہ کے 12 طبقات لکھے ہیں، اور خود لکھا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) ان میں سے "دسویں" طبقے میں آتے ہیں، یوں دسواں طبقہ تو "صف نعال" پھر بھی نہیں بنتا.... کیونکہ صف نعال تو بہ اقرار مفتی وقاص رفیع "وہ آخری صف ہوتی ہے جو مجلس سے باہر جوتوں کے ساتھ ہوتی ہے" اور یہاں دسویں طبقے کے بعد دو طبقے صحابہ کے اور بھی ہیں... اگر مفتی وقاص کی منطق کو ہی لے لیا جائے تو "صف نعال" یا باہر والی آخری صف "بارہواں طبقہ" یا اس کے بعد والوں کی بنے گی.....

مفتی وقاص رفیع کی ایک علمی خیانت اور ایک جہالت

مفتی وقاص رفیع کا دعوی ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب، قاضی محمد طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کے جواب میں لکھی ہے، چنانچہ مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کی عبارات کی بحث میں ہی قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے نبیرہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی، پروفیسر عبدالحیی لکھنوی کی کتاب "امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی، حیات وخدمات" سے چند عبارات نقل کی تھیں، جن میں حضرت معاویہ (رض) کی طرف سے یزید کو اپنا ولی عہد بنانے کا ذکر تھا، اسی ضمن میں پروفیسر عبدالحیی لکھنوی نے پہلے تو یہ لکھا کہ " :

"اب رہا یہ سوال کہ ایسے فاسق و فاجر شخص (یعنی یزید_ ناقل) کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا امیر کیسے بنادیا؟ تو اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ معذور تھے، اور انھیں صحیح صورت حال کا علم نہ ہو سکا، اس لیے ان کا یہ فیصلہ کسی بدنیتی پر مبنی نہیں تھا بلکہ ایک قسم کی خطائے اجتہادی پر مبنی تھا" پھر آگے پروفیسر عبدالحیی فاروقی صاحب نے علامہ ابن حجر مکی کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ :

"لیکن اس کے باوجود بعض (صحابہ) سے ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں جو ان کے مرتبہ کے لائق نہ تھیں، جیسے حضرت معاویہ (رض) نے یزید کو خلیفہ بنادیا، بیٹے کی شدید محبت نے اس کے کمالات ان کی نظر میں جما دیے تھے، اور اس کے عیوب ان کی نذر سے پوشیدہ کردیے تھے، حالانکہ اس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھے، پس یہ بات حضرت معاویہ (رض) کے حوالے سے لغزش تھی (جس پر) اللہ ان کو بخش دے گا....."

اس کے بعد پروفیسر عبدالحیی لکھنوی صاحب لکھتے ہیں (نہ کہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب) کہ :

"مذکورہ تفصیل سے یہ عیاں ہوگیا کہ یزید میں فسق تھا اور حضرت معاویہ (رض) سے انھیں امیر بنانے میں خطأ اجتہادی ہوئی تھی، تطہیر الجنان کا اردو ترجمہ کرکے حضرت لکھنوی (یعنی مولانا عبدالشکور لکھنوی_ ناقل)

نے دوبار اسے شائع کیا تھا مگر اس مقام پر انہوں نے کوئی اختلافی نوٹ نہیں لگایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس رائے سے متفق تھے ورنہ ضرور اس کے خلاف اپنی رائے تحریر کرتے"

(امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی، حیات وخدمات، ص 627 – 628)

قارئین محترم! آپ نے پڑھا کہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کے نبیرہ، پروفیسر عبدالحیی صاحب نے اس تحریر سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) اس رائے سے متفق تھے کہ یزید کے عیوب سورج سے بھی زیادہ روشن تھے اور پھر پروفیسر عبدالحیی صاحب نے ان "آفتاب سے بھی زیادہ روشن عیوب" کی تشریح یوں خود کردی کہ "مذکورہ تفصیل سے عیاں ہوگیا کہ یزید میں فسق تھا اور حضرت معاویہ (رض) سے اسے امیر بنانے میں خطأ اجتہادی ہو گئی"، مفہوم یہ نکلا کہ یزید کا فسق سورج سے بھی زیادہ روشن تھا لیکن اس کے باوجود حضرت معاویہ (رض) نے اسے خلیفہ نامزد کردیا. (قارئین محترم! آپ پروفیسر عبدالحیی فاروقی صاحب کی عبارت ایک بار پھر پڑھ لیں، پہلے انہوں نے جو ابن حجر مکی کے حوالے سے بات نقل کی ہے اور پھر "مذکورہ تفصیل سے عیاں ہوگیا" سے اس کی جو مزید تشریح کی، اگر وہ مفہوم نہیں بنتا جو میں سمجھا ہوں تو میری اصلاح کردی جائے میں آپ کا ممنون ہوں گا)..

اور پھر پروفیسر صاحب نے یہ نتیجہ نکالا کہ "چونکہ ابن حجر مکی (رح) کی کتاب "تطہیر الجنان" کا مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) نے دوبار اردو ترجمہ کرکے شائع کیا اور اس جگہ کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ اس بات سے متفق تھے....

نوٹ: یہ پروفیسر عبدالحیی صاحب کا اپنا استنباط ہے، لہٰذا ہم اس بناء پر مولانا عبدالشکور لکھنوی (رح) کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ کیا واقعی ان کی بھی یہی رائے تھی کہ یزید کے عیوب (جس کی تشریح پروفیسر عبدالحیی فاروقی صاحب نے فسق سے کی ہے) سورج سے بھی زیادہ روشن ہونے کے باوجود حضرت معاویہ (رض) نے اسے اپنا ولی عہد بنایا تھا...

لیکن یہاں مفتی وقاص رفیع کی ایک علمی خیانت کی طرف اشارہ مقصود ہے...

علامہ ابن حجر مکی (رح) کی عبارت میں موجود "عیوب" کی وضاحت "فسق" کے ساتھ پروفیسر عبدالحیی فاروقی نبیرہ حضرت عبدالشکور لکھنوی (رح) نے کی ہے، لیکن مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

"یہاں پروفیسر قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے انتہائی دجل و تلبیس سے کام لیا ہے اور قارئین با تمکین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال اور یزید کے عیوب و نقائص کو شئے واحد کے طور پر ذکر کیا ہے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 597) .

قارئین محترم! جب میں نے قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب کے اس مقام کو دیکھا تو انہوں نے وہاں پروفیسر عبدالحیی قاروقی صاحب کی عبارت باحوالہ نقل کی ہے اور اسی عبارت میں ان پروفیسر عبدالحیی صاحب نے ابن حجر مکی کی عبارت میں مذکور "عیوب" کی وضاحت "مذکورہ تفصیل سے یہ عیاں ہوگیا کہ یزید میں فسق تھا" کے ساتھ کی ہے... نہ یہ کہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے یہ تشریح کی ہے.. تو اب مفتی وقاص رفیع کا "انتہائی دجل و تلبیس سے کام لینے اور قارئین با تمکین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے" کا فتویٰ قاضی طاہر ہاشمی صاحب پر نہیں لگتا بلکہ سیدھا "عیوب" کی تشریح "فسق" سے کرنے والے پروفیسر عبدالحیی فاروقی نبیرہ حضرت امام اہل سنت کی طرف متوجہ ہوتا ہے... کہ انہوں نے ہی ان دونوں چیزوں کو "شئے واحد" کے طور پر ذکر کیا ہے...

میرے خیال میں اکابرین کو اگر مفتی وقاص رفیع جیسے ایک دو اور نادان وکیل مل جائیں تو پھر اکابر کو کسی اور دشمن کی ضرورت ہی نہیں...

اور آخر میں مفتی وقاص رفیع کی ایک جہالت بھی ملاحظہ فرمالیں..

اپنی کتاب کے صفحہ 597 پر لکھتے ہیں کہ:

"یزید کے فاسقانہ و فاجرانہ اعمال سے حضرت معاویہ (رض) کے بے خبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یزید خلیفہ بننے سے پہلے چھپ چھپ کر بعض خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتا تھا جس سے حضرت معاویہ (رض) سمیت دیگر صحابہ و تابعین سمیت سب بے خبر تھے" .... (لیکن مفتی وقاص رفیع کو آج چودہ سو سال بعد نہ جانے یہ کیسے علم ہو گیا کہ یزید چھپ چھپ کر یہ کام کرتا تھا؟_ناقل).

اور اگلے صفحے پر مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

"چنانچہ ولی عہد بنتے وقت یزید کے فسق و فجور کے واقعات مستور تھے اور وہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھے (جو اَب مفتی وقاص پر منکشف ہوے ہیں_ناقل) ان کا ظہور تو خلافت کے دوسرے اور تیسرے سال میں ہوا، جب اس نے خوب کھل کر خلاف شرع کام کرنے شروع کر دیے، اور بالآخر انہی خلاف شرع کاموں کے باعث مدینہ میں اس کے خلاف خروج ہوا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 698)

قارئین محترم! غور فرمائیں، مفتی وقاص رفیع کا کہنا ہے کہ یزید کے ولی عہد بنتے وقت اس کا فسق و فجور مستور (یعنی چھپا ہوا) تھا، اس کے فسق و فجور کو کسی کو بھی علم نہ تھا...

تو مفتی وقاص رفیع کی اس بات سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے وقت جن چار پانچ صحابہ کرام نے اس تجویز سے اختلاف کیا تھا اس وقت یزید کا فسق و فجور زیر بحث نہ تھا کیونکہ کسی کو اس بارے میں علم ہی نہ تھا، کیونکہ اگر ان حضرات میں سے کسی ایک نے بھی یہ کہا ہوتا کہ "ہم اس کی ولی عہدی اس لئے قبول نہیں کرتے کہ وہ فاسق و فاجر ہے" تو اس کا فسق و فجور تو "مستور" نہ رہتا بلکہ "ظاہر" ہو جاتا.....اس بات کو ذہن میں رکھیں..آگے اس بات کی ضرورت پیش آئے گی

پھر مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے کہ "اس کے فسق و فجور کا ظہور تو خلافت کے دوسرے اور تیسرے سال میں ہوا".. غور فرمائیں! حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی وفات رجب سنہ 60 ہجری میں ہوئی، یوں اگر یزید

رجب 60 ہجری میں خلیفہ بنا تو اس کا پہلا سال رجب 61 ہجری میں پورا ہوگا، تو مفتی وقاص رفیع کے بقول اگر اس کے فسق و فجور کا ظہور خلافت کے دوسرے اور تیسرے سال میں ہوا تو اس کا مطلب ہے کہ رجب 61 ہجری کے بعد اس کا فسق و فجور ظاہر ہوا....

اب میرا سوال ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محرم سنہ 61 ہجری تک (جب ابھی یزید کو خلیفہ بنے چار ماہ کے قریب ہی ہوے تھے) بقول مفتی وقاص رفیع یزید کا فسق و فجور مستور ہی تھا اور اس کا ظہور نہیں ہوا تھا ..... تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کربلائی خروج یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے نہ تھا... کیونکہ وہ تو ابھی مستور ہی تھا... کیا مفتی وقاص رفیع اس بات سے متفق ہیں؟؟؟ (اس سوال پر ہم مولانا محمد امین اکاڑوی کی عبارات کے ضمن میں آگے تفصیلی بات کریں گے ان شاء اللہ).

یہ بھی نوٹ کرلیں کہ مفتی وقاص رفیع کے اکابرین میں "حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (رح) اور حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب (رح) دونوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف نکلنے کی وجہ یزید کا فسق تھا (جو بقول مفتی وقاص رفیع اس وقت تک مستور تھا).
قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی خارجی فتنہ جلد دوم کا صفحہ نمبر 17 (طبع اول) دیکھ لیں.. انہوں نے صاف لکھا ہے کہ:
"حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو یزید کی بیعت نہ کی اور یزیدی گروہ سے دفاعی جنگ کی نوبت آئی تو یہ سب کچھ یزید کو فاسق سمجھنے کی وجہ سے ہوا"
نیز مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی (رح) کی "تجلیات صفدر، جلد 1 ص 492 طبع اول" دیکھ لیں، لکھا ہے "سیدنا امام حسین (رض) کے اس خروج کی بنیاد یزید کا فسق و فجور تھا".....
اب مفتی وقاص رفیع کہتے ہیں کہ یزید کا فسق و فجور اس کی خلافت کے دوسرے اور تیسرے سال تک مستور رہا اس کے بعد ظاہر ہوا.. جبکہ مفتی صاحب کے اکابرین فرماتے ہیں کہ اس کا فسق و فجور تو اس کے خلیفہ بنتے تھی

ظاہر ہو چکا تھا اور حضرت حسین (رض) کے اس کی بیعت نہ کرنے نیز اس کے خلاف کربلائی خروج کرنے کا سبب یزید کا فسق و فجور ہی تھا..

بات کس کی درست ہے؟؟ اکابر کی یا مفتی وقاص رفیع کی؟؟

نوٹ: ہماری بحث یہاں یزید کے فسق سے ہر گز نہیں ... بلکہ مفتی وقاص رفیع کے مبلغ علم کے بارے میں اپنے قارئین کو بتانا مقصود ہے.

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 23)

اس قسط کی ابتدا امام احمد بن حنبل (رح) کے ایک قول سے کرتے ہیں، آپ سے سوال ہوا:
"يا ابا عبدالله ما تقول فيما كان من علي ومعاويه رحمها الله؟ فقال ابو عبدالله: "ما أقول فيها الا الحسنى رحمهم الله اجمعين" (اے ابو عبداللہ (امام احمد کی کنیت ہے) آپ ان امور کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین وقوع پذیر ہوے؟ تو امام احمد نے فرمایا: میں سوائے اچھائی کے کچھ نہیں کہتا، اللہ کی ان سب پر رحمت ہو . (اسناده صحيح: السنة لأبي بكر الخلال، صفحہ 460)

نوٹ: امام احمد بن حنبل نے اپنی عدالت نہیں لگائی، یہ فیصلہ کرنے نہیں بیٹھے کہ فلاں صحیح تھا اور فلاں غلط؟ فلاں کا اقدام تھا تو "بغاوت" لیکن چونکہ وہ صحابی ہیں اس لیے ہم اسے "اجتہادی خطا" کہتے ہیں، فلاں سے اجتہادی غلطی ہوئی اور فلاں سے نہ ہوئی، فلاں نے نص کی مخالفت کی اور فلاں نے نہیں کی .. بلکہ سکوت و توقف فرمایا اور دونوں پر رحمت بھیجی.... العاقل يكفيه الاشارة .

اب آیئے آگے چلتے ہیں.
مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ 599 سے شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی (رح) کا ذکر شروع کیا ہے، قاضی محمد طاہر ہاشمی صاحب نے ایک واقعہ ذکر کیا تھا کہ : ایک مرتبہ علماء کی ایک مجلس میں مولانا عبدالرشید نعمانی سے عرض کیا گیا کہ "حضرت معاویہ (رض) کو باغی، طاغی، جائر، اور مخطی وغیرہ کہنے کے

بجائے اگر ان کے اس اقدام کو کوئی ایسی مناسب تاویل و توجیہ کرلی جائے جس سے ان کو یہ سب کچھ کہنا نہ پڑے تو کیا زیادہ مناسب نہ ہوگا؟" تو مولانا نعمانی (رح) نے برجستہ جواب دیا : "ہاں! کتاب الحدود میں صحابہ (رض) کے مذکورہ واقعات کی جو توجیہ تم کرسکتے ہو وہ یہاں بھی کرلو.. نیز فرمایا: "حضرت نانوتوی نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے ہر قول و فعل ہم توجیہ کرتے پھریں".... (مفتی وقاص رفیع نے یہ واقعہ اپنی کتاب کے صفحہ 599-600 پر نقل کیا ہے اور اس کی تردید نہیں کی).

قارئین محترم! مولانا عبدالرشید نعمانی (رح) کا اشارہ اس طرف تھا کہ چند صحابہ کرام سے گناہ (زنا، قذف وغیرہ) سرزد ہوے تھے جس کی وجہ سے ان پر حد نافذ کی گئی تھی، جس کا ذکر کتب حدیث و فقہ میں "کتاب الحدود" کے اندر ہمیں ملتا ہے، تو جو تاویل ان صحابہ کرام سے صادر ہونے والے ان گناہوں کی ہو سکتی ہے وہی یہاں بھی کرلو... (یعنی جیسے وہاں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی ایسے ہی یہاں کسی تاویل کی گنجائش نہیں_ناقل) ... نیز مولانا نعمانی (رح) نے حضرت نانوتوی (رح) کے اسی قول کا حوالہ بھی دے دیا جس پر ہم پہلے بات کرآئے ہیں، اور مفتی وقاص رفیع کی وہاں کی گئی دور از کار تاویل اور غلط ترجمے کا تار پول کھول آئے ہیں..

قارئین محترم! مولانا عبدالرشید نعمانی (رح) کا مشاجرات صحابہ کے ایک "اجتہادی" اختلاف کو بعض صحابہ کرام سے صادر ہونے والے گناہوں پر قیاس کرنا بالکل درست نہیں، ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد صحابہ کرام کی اکثریت (بلکہ 99% اکثریت، کیونکہ معروف تابعی حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے صحیح روایت ہے کہ اس وقت دس ہزار کے قریب صحابہ میں سے ان صحابہ کی تعداد چالیس بھی نہیں جو کسی بھی جانب سے شریک ہوے) سے ایسا گناہ سرزد ہوا جس کی کوئی توجیہ و تاویل ممکن ہی نہیں.. بات صرف حضرت معاویہ (رض) کی نہیں، بلکہ صحابہ کرام کی اس ساری جماعت کی ہے جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہی... مولانا نعمانی (رح) کی یہ بات حد سے تجاوز اور شاید ان کے اپنے

اندرونی جذبات کے شدت کی وجہ سے ان کے منہ سے نکل گئی .. جن جذبات کا اظہار انہوں نے حضرت نانوتوی (رح) کے حوالے سے خود کر بھی دیا..

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اگر کسی صحابی سے مثلاً زنا ہو گیا تو یہ اس کی "اجتہادی خطا" تھی؟ اور کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ صحابہ کرام کی اکثریت سے ایسا کوئی "اجتماعی گناہ" ہوا ہو جس کا ذکر "کتاب الحدود" میں آیا ہو جس کی طرف نعمانی صاحب اشارہ فرمارہے ہیں؟؟ اس لیے یہ تعبیر انتہائی نامناسب ہے، اگر کوئی رافضی یا سبائی یہ بات کہتا تو اس میں کوئی انہونی بات نہ تھی کہ وہ تو تمام صحابہ کرام کو ایسا ہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی اکثریت ایسی ویسی تھی، صرف معدودے چند لوگ ہی مخلص تھے، لیکن ایک سنی عالم کے طور پر شہرت رکھنے والے کے منہ سے ایسی بات نکلنا سمجھ سے بالاتر، غلط اور غلو ہی ہے.

لیکن قربانی جائیں، مفتی وقاص رفیع پر، وہ کہتے ہیں:

"مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی توضیح"

"خلیفہ برحق یعنی حضرت علی المرتضی (رض) کے خلاف جو ناحق خروج کرکے حضرت معاویہ (رض) سے خطا صادر ہوئی ہے اس کی وجہ سے فی نفسہ یقیناً بغاوت کے مرتکب ہوے ہیں اور اسی وجہ سے جمہور علماء سلف و خلف نے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے انھیں "باغی" کہا ہے، لیکن چوں کہ وہ ایک صحابی مجتہد تھے اور ان کا یہ عمل ان کی اجتہادی رائے سے وجود میں آیا تھا اگرچہ ان کا یہ اجتہاد غلط ہی تھا، اس لیے ان کے مجتہد ہونے کی بناء پر ان کے اس عمل کو فقہی اعتبار سے بغاوت کہا جائے گا نہ کہ عرف عام کے اعتبار سے، نیز چوں کہ ان کا یہ اجتہاد غلطی پر مبنی تھا اس لیے اس اجتہاد میں انھیں مجتہد مخطی مان کر فقہی اعتبار سے باغی ضرور کہیں گے، اس کے علاوہ اور کوئی تاویل ایسی ممکن ہی نہیں کہ جس کی وجہ سے انہیں باغی و خاطی وغیرہ کہنے کے بجائے ان کے اس اقدام کو کسی طرح درست کہا جاسکے... چنانچہ حضرت معاویہ (رض) کے اس اقدام کو اگر فی نفسہ حقیقت کے آئینہ میں دیکھا جائے تو بلا شبہ ان کا یہ عمل خروج کے زمرے میں آتا ہے، اور وہ اس اقدام کی وجہ سے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے باغی کہلائیں گے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 600)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع کی اس تقریباً نصف صفحے کی عبارت میں آپ دیکھیں کہ کتنی بار لفظ "باغی" اور "فقہی باغی" آیا ہے، اور کتنی بار لفظ "خروج" اور "ناحق خروج" آیا ہے وار کتنی بار لفظ "بغاوت" اور "خاطی" آیا ہے... اس کے بعد آیئے مفتی وقاص رفیع کے اس فلسفے کا جائزہ لیتے ہیں..

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں بار بار حضرت معاویہ (رض) پر "ناحق خروج" کرنے کا الزام لگایا ہے... کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ "خروج" کیا ہوتا ہے؟ اگر تو خروج یہ ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے کسی ایسے حاکم کی بیعت سے الگ رہنا جس کی بیعت پر جمہور مسلمانوں کا اتفاق نہ ہوا ہو تو پھر یہ "ناحق خروج" صرف حضرت معاویہ (رض) کا ہی جرم نہیں بلکہ جن کے ساتھ حضرت علی (رض) کا جنگ جمل میں آمنا سامنا ہوا انہوں نے بھی "ناحق خروج" ہی کیا ہوگا، اور صحابہ کرام کا وہ گروہ جو اس وقت اکثریت میں تھا یعنی جو غیر جانبدار رہے، نہ انہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت کی اور نہ ہی کسی بھی طرف سے جنگ میں حصہ لیا، وہ بھی مفتی وقاص رفیع کی "فقہ" کی رو سے "ناحق خروج" کا مرتکب ہوگا... یوں اس وقت کے جمہور صحابہ کرام پر "ناحق خروج" کا "وقاصی فتویٰ" لگتا ہے..

نیز مفتی وقاص رفیع کے اس فتوے سے وہ لوگ بھی مستفید ہو سکتے ہیں جو حضرت حسین (رض)، حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) اور واقعہ حرہ میں یزید کی بیعت توڑنے والوں کو "باغی" کہتے ہیں.. کیونکہ فقہی اصول صرف "صحابی خلیفہ" کے بارے میں ہی نہیں بلکہ ہر امیر کے بارے میں ہیں.. ذہن میں رہے کہ یزید کی ولی عہدی اور پھر اس کی امارت کی بیعت اس وقت موجود صحابہ اکثریت نے کر لی تھی (اس کی وجہ مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی جو بھی بتائیں لیکن یہ حقیقت ہے)... جبکہ حضرت علی (رض) کی بیعت سے اس وقت کی صحابہ کرام کی اکثریت الگ رہی تھی.. یوں حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہنے والے تو بعد میں "فقہی باغی" بنیں گے، یزید کی بیعت سے الگ رہنے والے اور اسکے خلاف خروج کرنے پہلے بنیں گے.. تو

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ مفتی وقاص رفیع ان لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟؟ جو مفتی وقاص رفیع کے اسی فلسفے کو بنیاد بنا کر یزید کی بیعت سے الگ رہنے والوں اور اس کے خلاف خروج کرنے والوں کو "باغی" کہنے لگیں؟؟ جبکہ خود مفتی وقاص رفیع ہمیں بتا آئے ہیں کہ اس وقت تک یزید کا فسق مستور تھا، کسی کو نہیں پتہ تھا کہ وہ فاسق ہے۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ مفتی وقاص رفیع کو اچھی طرح علم ہے کہ علماء اہل سنت نے "فاسق حاکم" کے خلاف خروج کو بھی ناجائز لکھا ہے اور اس پر اہل سنت کا اجماع بھی بتایا ہے... مثلاً امام نووی (رح) لکھتے ہیں:

" وَأَمَّا الْخُرُوجُ عَلَيْهِمْ وَقِتَالُهُمْ فَحَرَامٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ وَإِنْ كَانُوا فَسَقَةً ظَالِمِينَ وَقَدْ تَظَاهَرَتِ الْأَحَادِيثُ بِمَعْنَى مَا ذَكَرْتُهُ وَأَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ أَنَّهُ لَا يَنْعَزِلُ السُّلْطَانُ بِالْفِسْقِ"

(حاکموں کے) خلاف خروج کرنا اور ان سے جنگ کرنا حرام ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اگرچہ وہ (حاکم) فاسق اور ظالم ہی کیوں نہ ہوں، اس بات کی تائید میں بہت سی احادیث بھی وارد ہیں، اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ بادشاہ اگر فسق کا ارتکاب کرے تو وہ معزول نہیں ہو جاتا...

(نووی شرح مسلم، جلد 12 صفہ 229، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(اس پر مزید حوالے بھی موجود ہیں.. یہ صرف نمونے کے طور پر دیا گیا ہے)

تو فرمائیں مفتی وقاص رفیع صاحب! آپ حضرت حسین (رض)، حضرت عبداللہ بن زبیر (رض) اور اہل حرہ کے خروج کی کیا توجیہ و تاویل کریں گے؟؟ ان پر یہ اصول لاگو کریں گے کہ "کسی بھی حاکم کے خلاف خروج جائز نہیں اگرچہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو" یا نہیں؟ جبکہ وہ حاکم بھی ایسا ہو جس کی حکومت کو اس وقت کے صحابہ اور مسلمانوں کی اکثریت نے قبول کر لیا ہو؟؟

اور اگر "ناحق خروج" سے مراد یہ ہے کہ "کسی حاکم یا خلیفہ کے خلاف جنگ کی غرض سے نکلنا" تو معاف کیجیے گا آپ جو بار بار "ناحق خروج" کا نعرہ لگاتے ہیں وہ غلط ہے، نہ ہی جنگ جمل میں حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ و حضرات طلحہ وزبیر (رضی اللہ عنہم) نے حضرت علی (رض) کے خلاف کوئی پیش قدمی یا لشکر کشی کی تھی اور نہ ہی جنگ صفین میں حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں نے حضرت علی (رض) کی طرف کسی قسم کی کوئی لشکر کشی کی تھی... بلکہ دونوں جگہ لشکر کشی حضرت علی (رض) کے لشکر کی طرف سے ہوئی تھی... لہٰذا آپ پہلے حضرت معاویہ (رض) کے اقدام کو "خروج" تو ثابت کریں پھر ہمیں "فقہی بغاوت" اور "عرفی بغاوت" کے فلسفے سمجھائیں.

پھر آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ "جمہور علماء سلف وخلف نے فقہی اصطلاح کے اعتبار سے حضرت معاویہ (رض) کو باغی کہا ہے"، تو میرا سوال ہے کہ آپ کے نزدیک اس وقت موجود صحابہ کرام و تابعین بھی "علماء سلف و خلف" میں شامل ہیں یا نہیں؟ وہ لوگ جن کے سامنے یہ سب واقعات ہوے، سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان کا کیا موقف تھا؟
آیئے کچھ حوالے آپ کے سامنے رکھتا ہوں.

علامہ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (متوفی 456ھ) لکھتے ہیں:
الْكَلَام فِي حَرْب عَليّ من حاربه من الصَّحَابَة رَضِي الله عَنْهُم
(قَالَ أَبُو مُحَمَّد) اخْتلف النَّاس فِي تِلْكَ الْحَرْب على ثَلَاث فرق فَقَالَ جَمِيع الشِّيعَة وَبَعض المرجئة وَجُمْهُور الْمُعْتَزلَة وَبَعض أهل السّنة أَن عليا كَانَ الْمُصِيب فِي حربه وكل من خَالفه على خطأ وَقَالَ وَاصل بن عَطاء وَعَمْرو بن عبيد وَأَبُو الْهُذَيْل وَطَوَائِف من الْمُعْتَزلَة أَن عليا مصيبا فِي قِتَاله مَعَ مُعَاوِيَة وَأهل النَّهر ووقفوا فِي قِتَاله مَعَ أهل الْجمل وَقَالُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ مخطئة وَلَا نَعْرِف أَيهمَا هِيَ وَقَالَت الْخَوَارِج عَليّ الْمُصِيب فِي قِتَاله أهل الْجمل وَأهل صفّين وَهُوَ مخطيء فِي قِتَاله أهل النَّهر وَذهب سعد بن أبي وَقاص وَعبد الله بن عمر وَجُمْهُور الصَّحَابَة إِلَى الْوُقُوف فِي عَليّ وَأهل الْجمل وَأهل صفّين وَبِه يَقُول

جُمْهُور أهل السّنة وَأَبُو بكر بن كيسَان وَذهب جمَاعَة من الصَّحَابَة وَخيَار التَّابِعين وَطَوَائِف مِمَّن بعدهمْ إِلَى تصويب محاربي عَليّ من أَصْحَاب الْجمل وَأَصْحَاب صفّين وهم الْحَاضِرُونَ لقتاله فِي الْيَوْمَيْنِ الْمَذْكُورين وَقد أَشَارَ إِلَى هَذَا أَيْضا أَبُو بكر بن كيسَان

ترجمہ: حضرت علی (رض) کی دوسرے صحابہ کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے اور ان کے تین (بڑے) گروہ ہیں.

تمام شیعہ، بعض مرجئہ، جمہور معتزلہ اور بعض اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) ان جنگوں میں درست تھے اور وہ تمام لوگ جو آپ کے مد مقابل تھے وہ غلطی پر تھے، (پھر اس گروہ میں سے) واصل بن عطاء، عمرو بن عبید، ابو الہذیل اور معتزلہ کے بہت سے گروہ کہتے ہیں کہ جہاں تک حضرت علی (رض) کی حضرت معاویہ (رض) اور اہل نہر کے ساتھ جنگ کا تعلق ہے تو ان میں حضرت علی (رض) درست تھے (اور دوسرے غلط تھے) لیکن آپ کی جو جنگ اہل جمل (حضرت عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے ساتھ) ہوئی اس میں ایک گروہ صحیح اور دوسرا غلط تھا لیکن کون صحیح اور کون غلط تھا؟ یہ ہم نہیں جانتے، لہٰذا ہم اس بارے توقف کرتے ہیں، اور خوارج کہتے ہیں کہ جنگ جمل و صفین میں حضرت علی (رض) ہی حق پر اور درست تھے، لیکن اہل نہر کے ساتھ جنگ میں وہ غلط تھے.

حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور جمہور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا موقف ہے کہ ہم جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں کے بارے میں توقف کرتے ہیں (یعنی ہم یہ فیصلہ نہیں دیتے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط_ ناقل) اور جمہور اہل سنت اور ابو بکر بن کیسان کا یہی مسلک ہے.

جبکہ صحابہ اور خیار تابعین کی ایک جماعت اور ان کے بعد بہت سے لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ جمل اور صفین دونوں جنگوں میں حضرت علی (رض) کے مد مقابل لڑنے والے "مصیب" یعنی صحیح موقف پر تھے، اور یہ لوگ (یعنی جو صحابہ اور تابعین یہ موقف رکھتے ہیں_ ناقل) ان دونوں جنگوں میں شریک تھے، اس بات کی طرف بھی ابوبکر بن کیسان نے اشارہ کیا ہے. (الفصل فی الملل والنحل، جلد 4 صفحہ 119 – 120، مکتبۃ الخانجی، مصر)

مفتی وقاص رفیع صاحب! غور سے یہ الفاظ پڑھیں.. ابن حزم نے "جمہور صحابہ اور جمہور اہل سنت" کا مسلک یہ بتایا ہے کہ "ہم اس بارے میں توقف کرتے ہیں" یعنی کہ ہم مفتی وقاص رفیع اور مولانا عبدالرشید نعمانی (رح) کی طرح لوگوں کو "کتاب الحدود" کی مثالیں دے کر ایک فریق کو ضرور باغی نہیں کہتے بلکہ توقف کرتے ہیں. ...

پھر عرض ہے کہ اسلاف، صرف گنتی کے وہی چند رازی وغزالی نہیں جنہوں نے حضرت معاویہؓ وغیرہ کو قاتلِ عمارؓ اور باغی قرار دیا ہے بلکہ وہ ہزاروں صحابہؓ وتابعینؒ بھی اسلاف ہی ہیں اور سب بعد والوں سے بڑھ کر اسلاف ہیں، اور بعد والی ساری امت کے اسلاف ہیں، جنہوں نے حضرت عمارؓ کی شہادت کا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی حضرت معاویہؓ وغیرہ کو قاتلِ عمارؓ اور باغی قرار نہیں دیا، چنانچہ:۔

الف:... سب سے پہلے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو ہی لیجئے! یہ بُغاۃ وخوارج کے احکام میں قُدوہ مانے جاتے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی براہِ راست مڈھ بھیڑ ہوئی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ انہی کی طرف سے لڑتے ہوئے صفین میں شہید ہوئے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت معاویہؓ وغیرہ کو "فقہی باغی" نہیں ٹھہرایا، ورنہ وہ تحکیم قبول نہ کرتے، نیز رفعِ مصاحف یا ارسالِ مصحف کے جواب میں "نعم! انا اولیٰ بذالک، بيننا وبينكم كتاب الله" (البدایۃ والنہایۃ، ص273/ج7) نہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے کہ حضرت عمارؓ کو قتل کرکے تم ازرُوئے حدیث نبوی باغی قرار پاچکے ہو (اور بقول مفتی وقاص رفیع "فقہی وشرعی باغی" ثابت ہوچکے ہو) اور باغیوں کے حق میں یہی مُصحف "فقاتلوا التي تبغي حتىٰ تفيء الىٰ امر الله" کا فیصلہ دے چکا ہے، لہٰذا مزید اب کسی فیصلے کی ضرورت نہیں، بس یا تو بیعت کرکے میری اطاعت قبول کرو یا پھر اسی مصحف کے فیصلے کے مطابق آخر تک تم سے یوں ہی قتال جاری رکھا جائے گا۔ لیکن حضرت علیؓ یوں نہیں فرماتے بلکہ جنگ بندی قبول کرلیتے اور آخرکار مہادنہ (صلح) پر راضی

ہو جاتے ہیں، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ، حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو اس "فقہی باغی" نہ سمجھتے تھے۔

نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صاحبِ ہدایہؒ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ باغیوں اور ڈاکوؤں میں سے جو مارا جائے اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی اور دلیل یہ دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی تھی... ومن قُتل من البُغاةِ او قُطّاعِ الطريقِ لم يُصلَّ عليه لِانَّ علياً لم يُصَلِّ على البُغاةِ... (ہدایہ، ص184/ج1، باب الشہید) اور ادھر تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے اصحابِ صفین کے قیدیوں میں سے فوت ہونے والوں پر نماز جنازہ پڑھی تھی اور مدِ مقابل مشاجراتی لشکریوں نے ایک دوسرے کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا تھا، چنانچہ:۔

1:... عقبہ بن علقمہ کہتے ہیں کہ میں جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ حاضر تھا، ان کی خدمت میں حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں میں سے پندرہ قیدی لائے گئے، ان میں سے جو فوت ہوا اس کو غسل و کفن دے کر اس پر حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھی (تلخیص ابن عساکر، ص74/ج1، بحوالہ رحماء بينہم، ص 168/ج5)۔

2:... حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (رح) لکھتے ہیں کہ: "متعدد مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جنگِ صفین وغیرہ کے موقع پر دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے" (البدایۃ والنہایۃ، بحوالہ مقامِ صحابہ، ص133)

.

اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کے نزدیک اصحابِ صفین، فقہی و شرعی باغی نہ تھے ورنہ وہ ان کی تجہیز و تکفین نہ کرتے، ان پر نماز جنازہ نہ پڑھتے، لشکرِ مرتضویؓ کے لوگ لشکرِ معاویہؓ کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ نہ لیتے، کیونکہ صاحبِ ہدایہ کے بقول حضرت علیؓ نے باغیوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

3 : ... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح ان کے مخلص لشکری بھی حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکریوں کو "فقہی باغی" نہ سمجھتے تھے، کیونکہ یہ سب بھی قرآن مجید کو حَکَم بنانے اور جنگ بند کرنے پر راضی ہوگئے تھے، ان میں سے کسی ایک سے بھی حضرت معاویہؓ کے خلاف حدیثِ قتلِ عمارؓ سے استدلال کرکے ان کو باغی قرار دینا اور پھر اس بنا پر ان سے جنگ جاری رکھنے کا مشورہ دینا بسندِ معتبر منقول نہیں، بلکہ صحیح بخاری (ص602،451/ج1 وص1087/ج2) اور صحیح مسلم (ص106/ج2) کی روایت کے مطابق تو حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے صفین میں جنگ بندی کے بعد پر ایک سلسلۂ گفتگو میں اپنے ہی ساتھیوں سے یہاں تک فرمادیا تھا کہ "اتہموا رأیکم علی دینکم" وفی روایۃ "اتہموا انفسکم" یعنی اپنی ہی رائے کو الزام لگاؤ، حالانکہ حضرت سہلؓ، بدری صحابی اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مواخاتی بھائی ہیں، صفین میں انہی کی طرف سے بنفسِ نفیس موجود تھے، حدیثِ قتلِ عمارؓ اور واقعۂ قتلِ عمارؓ سے بخوبی واقف تھے، اگر یہ حضرات، حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو ہی باغی اور قاتلِ عمارؓ سمجھتے ہوتے تو نہ تو وہ قرآن کو حَکَم بنانے اور جنگ بند کرنے پر راضی ہوتے اور نہ حضرت سہلؓ ان کو "اتہموا رأیکم" کا مشورہ ہی دیتے۔

4: ... تمام غیر جانبدار صحابہؓ وتابعینؒ بھی حضرت معاویہؓ وغیرہ کو "الفئۃ الباغیۃ" کا قطعی مصداق اور "فقہی باغی" نہ سمجھتے تھے، ورنہ وہ اس واقعہ کے بعد غیر جانبدار نہ رہتے بلکہ قرآن کے حکم "فقاتلوا التی تبغی..." پر عمل کرنے کے لئے کمربستہ ہوجاتے، حالانکہ وہ جیسے قتلِ عمارؓ سے پہلے غیر جانبدار تھے ایسے ہی اس کے بعد بھی بدستور غیر جانبدار ہی رہے۔

5 : ... اہلِ خِربتَا، جو دس ہزار ایسے نفوس پر مشتمل تھے جو بقول حافظ ابن کثیر (رح) ''سادۃ الناس ووجوہہم'' تھے (البدایۃ، ص252/ج7) جن میں حضرت مسلمۃ بن مُخلَّد اور حضرت معاویہ بن حُدیج (رضی اللہ عنہما) جیسے صحابہ بھی تھے، یہ لوگ، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان معاملہ صاف ہونے تک گو حضرت علیؓ کے لئے بیعت کرنے میں متوقف تھے، اسی لئے صفین میں عملاً شریک نہ ہوئے تھے، مگر ابتداءً معتقد انہی کے تھے اور انہی کے گورنرِ مصر حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے مطیع وفرمانبردار تھے،

انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بہت قریب سے دیکھا تھا لیکن اس کے باوجود جب مصر کے دوسرے علوی گورنر یعنی محمد بن ابی بکرؓ کی غلط پالیسی نے ان کو برہم کر دیا تو وہ دس ہزار کے دس ہزار "وجوہ الناس" حضرت معاویہؓ سے مل گئے، ان میں سے دس بیس بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ نہ رہے، جس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں آتا کہ یہ دس ہزار "سادة الناس" بھی حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکر کو "فقہی باغی" اور "الفئة الباغية" کا مصداق نہ سمجھتے تھے ورنہ وہ قرآن کے حکم "فقاتِلُوا التي تَبغِي حتّٰى تفيء الى امر الله" سے یوں اجتماعی بغاوت نہ کرتے اور یوں یکدم حضرت علیؓ سے کَٹ کر حضرت معاویہؓ سے نہ مل جاتے۔

6 : ... یہ تو اسلاف تھے اُس دور کے جس دور کا یہ واقعہ تھا، بعد کے اسلاف کی بھی ایک جماعت، حضرت معاویہؓ وغیرہ صحابہؓ کے بجائے خوارج کے نام سے سبائیوں کو ہی "تقتلك الفئة الباغية" والی حدیث کا مصداق سمجھتی رہی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ اور حافظ عینیؒ نے علامہ مہلبؒ (م 435ھ) اور حافظ ابن بطالؒ (م449ھ) کے حوالہ سے حدیث کا یہ مصداق نقل کرکے (اصل عبارت حافظ ابن حجرؒ کی نقل کے مطابق یہ ہے: "وقال ابن بطال تبعاً للمهلب: انما يصح هذا فى الخوارج الذين بَعثَ اليهم عليٌ عمّاراً يدعوهم الى الجماعة ولايصح فى احد من الصحابة") ساتھ ہی یہ تصریح بھی کی ہے کہ:۔

"وتابعه علىٰ هذا الكلام جماعة من الشُراح" یعنی علامہ مہلبؒ کی پیروی میں حافظ ابن بطالؒ نے حدیث کا جو یہ مصداق بیان کیا ہے اس میں وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ شراح حدیث کی پوری ایک جماعت بھی اس میں ان کی ہمنوا ہے۔

(فتح الباری، ص542/ج1۔ عمدۃ القاری، ص209/الجزء الرابع، باب التعاون فی بناء المسجد)

شراح حدیث کی اس جماعتِ متقدمین کا بیان کردہ حدیث کا یہ مصداق، صحیح ہے یا غلط؟ اس وقت اس سے بحث نہیں بلکہ اس وقت تو صرف یہ بتانا ہے کہ اسلاف میں حضرت معاویہؓ وغیرہ کو حضرت عمارؓ کا

قاتل اور "الفئۃ الباغیۃ" کا مصداق ٹھہرانے اور "فقہی باغی" کہنے والے ہی نہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو ان کو باغی اور قاتلِ عمارؓ نہیں ٹھہراتے۔

پھر بات گزشتہ ادوار کے اسلاف تک ہی محدود نہیں بلکہ ہمارے دور کے اکابر وعلماء کی بھی ایک جماعت، حضرت معاویہؓ کے بجائے سبائیوں کو ہی حضرت عمارؓ کا قاتل اور "الفئۃ الباغیۃ" کا مصداق قرار دیتی رہی ہے۔

7 : ... چنانچہ ملاحظہ ہو کہ ہمارے دور کے محدثِ بے بدل، فقیہِ بے مثل، علامۂ زمان، محققِ دوران حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی (رح)، اسی حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"بات یہ ہے کہ جس طرح حضرت علیؓ کی فوج میں بلوائی قاتلانِ عثمانؓ حیلۂ وتدبیر سے شامل ہوگئے تھے، ممکن ہے اسی طرح کچھ بلوائی فوج معاویہؓ میں بھی شامل ہوگئے ہوں، اور انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لئے حضرت عمارؓ کو قتل کردیا ہو، جس کی ایک دلیل تو یہی ہے کہ قتلِ عمارؓ کے بعد بھی بات جہاں کی تہاں ہی رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا، یہاں تک کہ تحکیم پر فریقین راضی ہوگئے، حضرت علیؓ نے بھی اس وقت یہ نہیں کہا کہ قتلِ عمارؓ سے میرا حق پر ہونا واضح ہوچکا ہے، اب کسی تحکیم کی ضرورت نہیں رہی، دوسرے وفاء الوفاء میں اس حدیث کو بزار وغیرہ کے حوالہ سے یوں بیان کیا گیا ہے "یا عمار، لا یقتلک اصحابي ، تقتلک الفئۃ الباغیۃ" (اے عمار! تم کو میرے صحابی قتل نہ کریں گے بلکہ باغی گروہ قتل کرے گا) اس حدیث میں جماعت باغیہ کو صحابہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جماعت باغیہ، صحابہ کے علاوہ کوئی (اور) جماعت تھی، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قطعی ہے، پس ان کو قاتلِ عمارؓ کہنا ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کو قاتلِ عثمانؓ کہنا غلط ہے، اور باغی گروہ اس وقت بالاتفاق وہ بلوائی تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے، پس وہی گروہ، قاتلِ عمارؓ تھا جو خفیہ طریقہ سے فوج معاویہؓ میں شامل ہوگیا تھا، واللہ اعلم۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قتلِ عمارؓ کی خبر سن کر صاف فرمادیا تھا کہ:

"میری فوج میں سے کسی نے بھی حضرت عمارؓ کو قتل نہیں کیا، میری فوج میری تابعدار ہے اور میں نے اسے سخت تاکید کر رکھی تھی کہ حضرت عمارؓ پر کوئی ضرب نہ آنے پائے، نہ اُن پر کوئی ہتھیار اٹھائے، ہاں فوج علیؓ ان کی تابعدار نہیں ہے یہ انہی کا فعل معلوم ہوتا ہے وہی قاتلِ عمارؓ ہیں، بہرحال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی نہ تھے وہ طالبِ قصاصِ دم (خون) عثمانؓ تھے... الخ"۔

(براءۃِ عثمان، از ص65 تا 67)

تنبیہ

واضح رہے کہ حضرت مولانا عثمانی (رح) نے اس حدیث پر اپنی مایۂ ناز کتاب "اعلاء السنن" (ص50/ج15) میں بھی گفتگو فرمائی ہے جو بظاہر اُن کی مذکورہ تحقیق کے خلاف معلوم ہوتی ہے، لیکن مذکورہ بالا ان کی تحقیق چونکہ "اعلاء السنن" کی تصنیف سے تقریباً تیس سال بعد کی اور اس موضوع پر شاید ان کی آخری تحریر ہے (کیونکہ "اعلاء السنن" کی تالیف سے فراغت کی تاریخ 26 ربیع الثانی 1357ھ ہے، جبکہ "براءۃِ عثمان" کی تاریخ تصنیف 2 محرم 1387ھ ہے) اس کے تقریباً سات برس بعد آپ کی وفات ہے (کیونکہ "براءۃِ عثمان" کی تاریخِ تصنیف 2 محرم 1387ھ ہے جبکہ ان کی تاریخِ وفات ذوقعدہ 1394ھ ہے)، لہٰذا "اعلاء السنن" کی تحریر کے مقابلہ میں ان کی "براءۃِ عثمان" والی مذکورہ تحقیق ہی راجح، مقبول، معتبر اور اُس سابقہ تحریر کے لئے ناسخ ہے۔

8 : ... ہمارے دور کے ایک اور محقق حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری (رح) اسی سلسلے میں رقمطراز ہیں:۔

"تو حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عمار کی قاتل، سبائی باغی پارٹی ہے، ملعون سبائی پارٹی، الفئۃ الباغیۃ!!! بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف حضرتِ عمارؓ کے نہیں، حضرت طلحہ وزبیر اور جمیع شہداء جمل وصفین کے قاتل یہی خارجی ملعون ہیں، حتیٰ کہ سیدنا حضرت علیؓ کے قاتل بھی، یہی سبائی مردود ہیں... یہی باغی ٹولی ہے، فئہ فاغیۃ!"۔

آگے ابن حجرؒ اور حضرت علیؓ سے اس کا ثبوت پیش کرکے لکھتے ہیں:۔

"درحقیقت ابن سبا کی خارجی ٹولی کسی کی بھی حامی نہ تھی، یہ ملعون لوگ نہ حضرت عثمانؓ کی ذات کے دشمن تھے نہ حضرت علیؓ کی ذات کے دوست، دراصل یہ اسلام کے دشمن تھے اور اسلام سے یہودیت کا انتقام لینے کے لئے مسلمانوں میں خلاف وشقاق کا یہ سارا منصوبہ بنایا، پہلے امامِ مظلومؓ کو گھر میں شہید کیا، پھر جنگِ جمل میں حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دس ہزار مسلمانوں کا خون پیا، پھر صفین میں حضرت عمار اور ہزاروں مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے اور گھر میں حضرت علی کو شہید کرکے ان کے لہو سے اپنی پیاس بجھائی (رضی اللہ عنہ وارضاہ)، تو یہ سارے کرتوت اسی سازشی ٹولی، اسی سبائی پارٹی، فئہ باغیہ کے ہیں، لعنہم اللہ"۔

آگے ابن تیمیہؒ سے اس کی تائید نقل کرکے "لمحۂ فکریہ" کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اہلِ علم وفہم اور اربابِ فکر ونظر کو اس حقیقت پر توجہ مبذول کرنا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کے قاتلوں کو باغی ٹولی فرمایا ہے، تقتلک الفئۃ الباغیۃ، اور حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کو فرمایا ہے، فئتین عظیمتین، تو فئۃ باغیہ اور چیز ہے اور فئۃ عظیمہ اور چیز، فئۃ باغیہ باغی ٹولی، ملعون سبائی پارٹی ہے اور فئۃ عظیمہ، حضرت معاویہؓ اور ان کی عظیم جماعت"۔

(عادلانہ دفاع، از ص213 تا 216/ج2۔ نیز دیکھئے علامہ خالد محمود صاحب کے "خطباتِ خالد"، ص569،670/ج1 وص572/ج1)

9 : ... اسی طرح مناظرِ اہل سنت حضرت مولانا علامہ عبدالستار صاحب تونسوی (رح) نے بھی بڑی صراحت کے ساتھ الفئۃ الباغیۃ کا مصداق، حضرت عثمانؓ کے قاتل سبائی مفسدوں کو ہی قرار دیا ہے، چنانچہ زیرِ عنوان "قاتل، سبائی ملعون تھے نہ کہ حضرت معاویہؓ"، انہوں نے لکھا ہے:

"بعض حضرات کو حضرت عمارؓ بن یاسر کی شہادت سے یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ کو ضرور باغی سمجھنا چاہئے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کو فرمایا تھا تقتلک الفئۃ الباغیۃ، تجھے باغی گروہ قتل کرے گا، مگر یہ حضرات دوسری حدیث پر غور نہیں فرماتے جس میں حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: **يا عمار لا يقتلك اصحابي تقتلك الفئة الباغية**: اے عمار! تجھے میرے صحابہ میں سے کوئی قتل نہ کرے گا بلکہ تجھے باغی جماعت قتل کرے گی، جس سے مراد حضرت سیدنا عثمانؓ خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت کرنے والی جماعت ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے یہی تاویل کی تھی کہ میرے ساتھی میرے فرمانبردار ہیں، میں نے ان کو حضرت عمارؓ کے قتل سے منع کیا ہوا تھا لیکن حضرت علیؓ کے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو ان کے نافرمان ہیں، حضرت عمارؓ کو انہوں نے قتل کیا ہے، اور واقعی وہی باغی لوگ تھے جو سیدنا عثمانؓ کے قاتل اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے قاتل اور فئہ باغیہ کے صحیح اور اصلی مصداق تھے، وہی حضرت عمارؓ کے قاتل تھے، انہی کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ فئہ باغیہ ہوگا جو فتنہ وفساد کا موجب اور جہنمی قسم کے لوگ ہوں گے، حضرت معاویہؓ کی طرف یہ تاویل منسوب کرنا غلط ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ حضرت علیؓ ان کو میدانِ جنگ میں لائے ہیں للذا وہی ان کے قاتل ہیں، یہ محض سبائی افتراء ہے جو کہ سبائیوں نے از خود بنا کر حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا ہے، حضرت عمارؓ کے قاتل نہ حضرت علیؓ ہیں نہ حضرت معاویہؓ ہیں، کیونکہ یہ حضرات یقینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور کوئی صحابی، حضرت عمارؓ کا قاتل نہیں ہوسکتا، اسلام میں اولاً وبالذات باغی جماعت وہی ہے جو حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے رحیم وکریم خلیفۂ راشد کی خلافتِ راشدہ کے خلاف بغاوت کی مجرم ہو کر فئہ باغیہ کا حقیقی مصداق بنی۔ جس قدر احادیث اور روایات، فئہ باغیہ کے متعلق ہیں وہ سب انہی مفسدین کے حق میں ہیں، دوسرے حضرات کے حق میں ان روایات کو بیان کرنا محض غلط فہمی اور اجتہادی غلطی ہے"۔ (مدلل جواب، از ص76 تا78)

نوٹ: جبکہ مفتی وقاص رفیع کی ضد یہ ہے کہ قاتلین عثمان (رض) تو باغی تھے ہی نہیں ... (جیسا کہ علامہ تفتازانی کی عبارات کی بحث میں گزرا)

ان حقائق وواقعات سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ اسلاف میں صرف، حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کو حضرت عمارؓ کا قاتل اور "الفئۃ الباغیۃ" کا مصداق اور "فقہی باغی" قرار دینے والے ہی نہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو ان کو یہ کچھ قرار د نہیں دیتے۔

بنابریں جن اسلافِ متاخرین نے حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کو ہی قاتلِ عمارؓ اور فقہی باغی ٹھہرایا ہے، اگر ان کے اس فیصلے کو قابلِ تاویل نہ مانا جائے بلکہ قابلِ حجت ہی فرض کر لیا جائے تو تب بھی ان کے اس فیصلے کو نہ اپنانا، اسلاف پر بدگمانی اور گمراہی کا راستہ ہر گز نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ تو تب ہو سکتا تھا جبکہ اس سلسلے میں اسلاف کا صرف یہی ایک موقف ہوتا، حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا کہ اس سلسلے میں اسلاف کا صرف یہ ایک موقف نہیں بلکہ حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کو قاتل و باغی نہ ٹھہرانے والا ایک دوسرا موقف بھی ہے، جب اس سلسلے میں اسلاف کے دو موقف ہوئے تو ان میں سے جس موقف کو بھی اختیار کیا جائے وہ، اسلاف کا ہی موقف کہلائے گا، ان میں سے کسی کو بھی اس کے مدِ مقابل دوسرے موقف کے حوالہ سے اسلاف کی تغلیط وتردید، ان پر بے اعتمادی وبدگمانی اور گمراہی کا راستہ ہر گز ہر گز نہیں کہا جا سکتا بلکہ ایسا کہنا اور سوچنا بجائے خود مغالطہ دہی، خود فریبی بلکہ گمراہی کا راستہ ہے، لہٰذا اس شبہ کی حیثیت ایک بہت بڑے مغالطہ انگیز اغلوطے سے زیادہ کچھ نہیں۔

نیز مفتی وقاص رفیع صاحب خود اپنی کتاب کے شروع میں (صفحہ 59) پر ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ:
"دونوں فریقین کے درمیان حرب وضرب کے سلسلے کو ختم کرنے کے لیے مراسلت و مکاتبت ہوئی جس کے نتیجے میں سنہ 40 ہجری کے وسط میں بین الفریقین (یعنی حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کے درمیان_ناقل) صلح ہو گئی، اور یہ صلح درج ذیل تفصیلات پر مشتمل تھی:
1: عراق کا ملک اور اس کے ملحقات حضرت علی المرتضی (رض) کے حکم کے تابع ہوں گے.
2: ملک شام اور اس کے ملحقات حضرت معاویہ (رض) کے تحت ہوں گے.

3: کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے علاقہ پر فوج کشی اور غارت گری نہیں کرے گا.
4: ہر فریق ایک دوسرے کے خلاف قتال سے گریز کریں گے، اور کسی ایک فریق کے علاقہ میں دوسرا فریق اپنی فوج نہں بھیجے گا.

تو مفتی وقاص رفیع صاحب! یہ جس معاہدہ کا آپ نے ذکر کیا ہے، یہ جنگ صفین کے بعد کا ہے، اس سے پہلے حضرت عمار بن یاسر (رض) کی شہادت ہو چکی تھی، اور آپ حضرات کے فلسفہ کے مطابق اگر پہلے کسی کے ذہن میں کوئی شک بھی تھا کہ کون ٹھیک ہے اور کون غلط، تو اب وہ بھی دور ہو چکا تھا کہ معلوم ہو چکا تھا کہ "الفئۃ الباغیۃ" کون ہے... یہ یقینی طور پر معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت معاویہ (رض) "فقہی باغی" ہیں... تو فرمائیں.. ایک "فقہی وشرعی باغی" کے ساتھ حضرت علی (رض) نے یہ یہ اوپر مذکور معاہدہ کیا، کیا یہ باغیوں کے بارے میں قرآنی حکم کے مطابق تھا یا نہیں؟ کیا آپ یہ کہنا چاہیں گے کہ حضرت علی (رض) نے ایک "فقہی وشرعی باغی" کے ساتھ یہ معاہدہ کیا اور اس کے ساتھ علاقے تقسیم کر لیے؟؟
آپ کو یہ گتھی سلجھانی ہو گی...
پھر خود مفتی وقاص رفیع، حضرت علی (رض) کی شہادت کے بعد حضرت حسن (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کی صلح کے بارے میں لکھ آئے ہیں کہ:
"حضرت حسن (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کو ایک خط لکھا جس میں ان کے سامنے صلح کی تجویز رکھی، اور چند شرطیں رکھیں کہ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہ (رض) کے حق میں دست بردار ہو جائیں گے، اور مسلمان خون ریزی سے بچ جائیں گے، حضرت معاویہ (رض) نے آپ کی تمام شرطیں کھلے دل سے قبول فرمائیں، اور ان کا پوری طرح ایفاء کیا، اور حضرت حسن (رض) نے حضرت معاویہ (رض) سے صلح کر کے امر خلافت آپ کے سپرد کر دیا اور خود خلافت جیسے عظیم مگر انتہائی نازک عہدے سے علیحدہ ہو گئے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 62)

مفتی وقاص رفیع صاحب فرمائیں کہ:

کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک فقہی طور پر "باغی" کو صلح کے لیے خط لکھا تھا؟ اور پھر چند شرطوں کے قبول کرنے کے عوض اپنی امارت سے دست برداری کا لکھا تھا؟ کیا "فقہی باغی" کے ساتھ ایسے ہی معاملہ کرنے کا حکم ہے؟؟

اس قسط کے آخر میں ایک حوالہ اور بھی پڑھتے جائیں..

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَلَا رَيْبَ أَنَّهُ اقْتَتَلَ الْعَسْكَرَانِ: عَسْكَرُ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ بِصِفِّينَ، وَلَمْ يَكُنْ مُعَاوِيَةُ مِمَّنْ يَخْتَارُ الْحَرْبَ ابْتِدَاءً، بَلْ كَانَ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ حِرْصًا عَلَى أَنْ لَا يَكُونَ قِتَالٌ، وَكَانَ غَيْرُهُ أَحْرَصَ عَلَى الْقِتَالِ مِنْهُ. وَقِتَالُ صِفِّينَ لِلنَّاسِ فِيهِ أَقْوَالٌ: فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: كِلَاهُمَا كَانَ مُجْتَهِدًا مُصِيبًا، كَمَا يَقُولُ ذَلِكَ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ وَالْفِقْهِ وَالْحَدِيثِ، مِمَّنْ يَقُولُ: كُلُّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ، وَيَقُولُ: كَانَا مُجْتَهِدَيْنِ. وَهَذَا قَوْلُ كَثِيرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيَّةِ وَالْكَرَّامِيَّةِ وَالْفُقَهَاءِ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِمْ، وَتَقُولُ الْكَرَّامِيَّةُ: كِلَاهُمَا إِمَامٌ مُصِيبٌ، وَيَجُوزُ نَصْبُ إِمَامَيْنِ لِلْحَاجَةِ.

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: بَلِ الْمُصِيبُ أَحَدُهُمَا لَا بِعَيْنِهِ، وَهَذَا قَوْلُ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ.

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: عَلِيٌّ هُوَ الْمُصِيبُ وَحْدَهُ، وَمُعَاوِيَةُ مُجْتَهِدٌ مُخْطِئٌ، كَمَا يَقُولُ ذَلِكَ طَوَائِفُ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ وَالْفُقَهَاءِ أَهْلِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ.

"بلاشک صفین میں حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کے لشکروں کا ٹکراؤ ہوا، لیکن جنگ اختیار کرنے والے (یعنی ابتداء کرنے والے) حضرت معاویہ (رض) نہ تھے، بلکہ آپ تمام لوگوں میں سے اس بات کے خواہاں تھے کہ جنگ نہ ہو، جبکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ یہ چاہتے تھے کہ جنگ ہو جائے.

اور صفین کی جنگ کے بارے میں لوگوں کے تین قول ہیں.

پہلا قول: ان میں سے کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ دونوں (یعنی حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) مجتہد مصیب تھے (یعنی اپنے اپنے اجتہاد میں ٹھیک تھے)، یہ قول متکلمین وفقہاء و محدثین میں سے بہت سے

لوگوں کا ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہی ہوتا ہے، اور کہتے ہیں کہ (چونکہ) وہ دونوں ہی مجتہد تھے (اس لیے دونوں مصیب تھے)، یہی قول ہے اشعریہ، کرامیہ اور فقہاء میں سے بہت سوں کا اور ان کے علاوہ دوسروں کا، نیز یہی قول ہے امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب میں سے ایک جماعت کا.

دوسرا قول: کچھ یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی "مجتہد مصیب" تھے، لیکن کون تھے؟ اس کی تعیین نہیں کر سکتے، یہ بھی ان میں ہی ایک جماعت کا قول ہے.

تیسرا قول: ان میں وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی (رض) ہی مصیب تھے اور حضرت معاویہ (رض) مجتہد مخطی تھے، جیسے کہ متکلمین اور چاروں مذاہب کے فقہاء کی کئی جماعتوں کا قول ہے.

(منہاج السنۃ، صفحہ 447، جلد 4، طبع السعودیۃ)

تو ملاحظہ فرمائیں، امام ابن تیمیہ نے اس بارے تین اقوال ذکر فرمائے ہیں، اور تینوں ہی اہل سنت کے اقوال بتائے ہیں، لہٰذا یہ رٹ لگانا کہ اہل سنت کا صرف اس پر اجماع ہے کہ ان دونوں مجتہد صحابیوں میں سے صرف ایک مصیب تھے اور دوسرے غلط، اور مصیب یقینی طور پر حضرت علی (رض) تھے اور حضرت معاویہ (رض) یقینی طور پر غلط تھے اور فقہی باغی تھے ... یہ دعوی غلط ہے.. بلکہ یہ تین اقوال میں سے صرف ایک قول ہے.

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 24)

مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے:

"اور اگر بالکل ہی حضرت معاویہ (رض) کو غلطی سے پاک مان لیا جائے تو پھر اس صورت میں حضرت علی (رض) کی خلافت کا ناحق ہونا لازم آئے گا، بایں حیثیت کہ حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ کے موقف کا درست اور دوسرے گروہ کے موقف کا غلط ہونا لازم آئے گا، تو اب اگر حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کو (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نافذ ہونے کے قائل نہیں تھے) غلطی سے مبرا تسلیم کرکے مجتہد مصیب مان لیا جائے تو اس صورت میں خلیفہ برحق یعنی حضرت علی (رض) کی خلافت کا عدم نفاذ لازم آئے گا، اور یہ بات اجماع امت اور مسلک اہل سنت کے خلاف ہے" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 600)

قارئین محترم! غور فرمائیں، جس بات کا قطعی فیصلہ اس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت (جن میں سابقون اولون بھی تھے) نہ کر سکی اور انہوں نے توقف اختیار کیا، اس کا فیصلہ آج مفتی وقاص رفیع اپنی عدالت میں کرنا چاہتے ہیں، نیز مفتی وقاص کی یہ منطق ہی غلط ہے کہ "دو مجتہدین میں سے ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط کہنا اور ثابت کرنا ضروری ولازمی ہے"، یہ ممکن ہے کہ اپنی اپنی جگہ دونوں مجتہد مصیب ہی ہوں، مثلاً امام شافعی کا اجتہاد ان کے پیروکاروں کے نزدیک درست ہے، اور امام ابو حنیفہ کا اجتہاد، احناف کے نزدیک درست ہے، یوں دونوں اجتہاد اپنی اپنی جگہ درست ہوے، اب یہاں یہ ادھار کھائے بیٹھنا کہ نہیں ہمیں تو ضرور ایک کو "مجتہد مصیب" اور دوسرے کو "مجتہد مخطی" ثابت ہی کرنا ہے، یہ اصول اجتہاد کے خلاف ہے .. اس کی ایک مثال وہ قصہ ہے جو کتب احادیث میں منقول ہے کہ چند صحابہ کرام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی قریبی ایک بستی کی طرف کسی کام سے بھیجا، اور ہدایت فرمائی کہ "تم نے عصر کی نماز اس بستی میں جا کر پڑھنی ہے"، وہ لوگ ابھی اس بستی میں نہیں پہنچے تھے کہ سورج غروب کے قریب ہوگیا اور

عصر کا وقت نکلنے لگا، ان صحابہ کرام میں اختلاف ہوا، بعض نے کہا کہ عصر کا وقت نکلا چاہتا ہے ہمیں عصر کی نماز یہیں راستے میں پڑھ لینی چاہئے، نبی کرام صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ "عصر اس بستی میں جا کر پڑھنا" اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ جلدی جاؤ تاکہ عصر تک وہاں پہنچ جاؤ، جبکہ دوسرے فریق کا موقف یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عصر بستی میں جا کر پڑھنی ہے تو چاہے وقت نکل جائے ہم وہیں جا کر پڑھیں گے"، دونوں نے اپنا اپنا اجتہاد کیا، چنانچہ کچھ نے عصر کی نماز راستے میں ہی عصر کے وقت میں ادا کرلی، اور دوسروں نے بعد میں بستی میں جا کر قضا پڑھی... مدینہ واپسی پر دربار نبوی میں یہ قضیہ پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق کو بھی غلط نہیں فرمایا...

اب اگر وہاں مفتی وقاص رفیع کی عدالت ہوتی تو وہ وہاں بھی کہتے کہ "یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دونوں کے اجتہاد کو صحیح کہا جائے، ایک کو غلط کہنا لازمی ہے"..

تو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مفتی وقاص رفیع "اجماع امت" کا لفظ بولتے ہیں، کیا ان کے نزدیک صحابہ کرام کی وہ اکثریت امت میں شامل نہیں جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہی؟ اور جنہوں نے "توقف" والا مسلک اپنایا اور کسی فریق کو بھی صحیح یا غلط نہیں کہا؟؟ مفتی وقاص رفیع صاحب کو سب سے پہلے یہ ثابت کرنا ہے اس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت اور جمہور صحابہ کا کیا موقف تھا؟ اس کے بعد ہم آگے چلیں گے..

آپ نے حضرت علی (رض) کی خلافت کے نفاذ اور عدم نفاذ کی بات کی، یہ فرمائیں کہ اس وقت جمہور صحابہ کرام جنہوں نے حضرت علی (رض) کی خلافت کی بیعت نہ کی تھی (جس میں غیر جانبدار اور جنگ جمل و صفین میں حصہ لینے والے سب شامل ہیں) وہ حضرت علی (رض) کی خلافت کے "عمومی نفاذ وانعقاد" کے قائل تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو پھر انہوں نے بیعت کیوں نہ کی؟ اور اگر نہیں تھے تو پھر اس وقت کے جمہور صحابہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا آپ ان سب کو "فقہی باغی" کہتے ہیں؟ کیا ان کے سامنے وہ "نصوص" نہ تھیں جن کی بنیاد پر آپ حضرت علی (رض) کی خلافت کا "عمومی نفاذ" ثابت کرنا چاہتے ہیں؟؟

اس وقت اختلاف یہی تو تھا کہ "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دور فتنہ کے جن حالات میں حضرت علی (رض) کی چند حضرات نے بیعت کی ہے، اس کا اس وقت تک "عمومی انعقاد" نہیں ہو سکتا جب تک دوسرے تمام "اہل حل و عقد" بھی بیعت نہ کرلیں، لہٰذا ان صحابہ کی رائے میں اس وقت تک حضرت علی (رض) کا حکم صرف ان پر ہی نافذ العمل تھا جنہوں نے ان کی بیعت کی تھی... اس قضیہ کو ہمیں اس وقت کے صحابہ کرام کی نظر سے دیکھنا ہے، نہ کہ بعد والوں کی نظر سے.. ہاں یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ حضرت علی (رض) کی ذات اور خلفاء ثلاثہ کے بعد آپ کی افضیلت سے کسی کو نہ انکار تھا اور نہ کسی نے انکار کیا تھا..

(خلافت کے "مطلق انعقاد" اور "عموم انعقاد" کی بحث حضرت نانوتوی نے کی ہے، اگر مفتی وقاص رفیع کو شوق ہو تو وہ پڑھ لیں)

مفتی وقاص رفیع صاحب نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ کے مہاجرین و انصار کی اکثریت نے جب سیدنا علی المرتضی (رض) کی بیعت کرلی تو...." (صفحہ 54)

یہاں میرا سوال یہ ہے کہ یہ بتائیں کہ جب حضرت عثمان (رض) کی شہادت کا سانحہ ہوا، اور جب باغیوں نے مدینہ میں آپ کا محاصرہ کیا تھا، اس وقت مدینہ میں کتنے مہاجرین و انصار موجود تھے؟ اور ان میں سے کس کس نے حضرت علی (رض) کی بیعت کی تھی (جسے مفتی وقاص اکثریت سے تعبیر کر رہے ہیں) اور کس کس نے نہیں کی تھی (جسے اقلیت کہا جارہا ہے)..

آیئے میں آپ کو ایک حوالہ پیش کرتا ہوں، جس سے شاید آپ کو میری بات اچھی طرح سمجھ آجائے گی..

حافظ ابن تیمیہ نے ایک جگہ اس حدیث شریف کے بارے میں بات کرتے ہوے جس کا مفہوم ہے کہ "جو مر گیا اس حال میں کہ اس کا کوئی امام نہ تھا تو وہ جاہلیت کی موت جیسی موت مرا" امام احمد بن حنبل (رح) سے نقل کرتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

"فَقَالَ: تَدْرِي مَا الْإِمَامُ؟ الْإِمَامُ الَّذِي يُجْمِعُ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ، كُلُّهُمْ يَقُولُ: هَذَا إِمَامٌ؛ فَهَذَا مَعْنَاهُ"

آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو "امام" سے کیا مراد ہے؟ امام سے مراد وہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو، جس کے بارے میں سب کہیں کہ یہ امام ہے، یہ اس کا مطلب ہے۔

(منہاج السنۃ، ج 1 ص 529)

پھر اگے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے بہت اہم بات لکھی ہے:

"وَلَوْ قُدِّرَ أَنَّ عُمَرَ وَطَائِفَةً مَعَهُ بَايَعُوهُ، وَامْتَنَعَ سَائِرُ الصَّحَابَةِ عَنِ الْبَيْعَةِ، لَمْ يَصِرْ إِمَامًا بِذَلِكَ، وَإِنَّمَا صَارَ إِمَامًا بِمُبَايَعَةِ جُمْهُورِ الصَّحَابَةِ، الَّذِينَ هُمْ أَهْلُ الْقُدْرَةِ وَالشَّوْكَةِ. وَلِهَذَا لَمْ يَضُرَّ تَخَلُّفُ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ لَا يَقْدَحُ فِي مَقْصُودِ الْوِلَايَةِ، فَإِنَّ الْمَقْصُودَ حُصُولُ الْقُدْرَةِ وَالسُّلْطَانِ اللَّذَيْنِ بِهِمَا تَحْصُلُ مَصَالِحُ الْإِمَامَةِ، وَذَلِكَ قَدْ حَصَلَ بِمُوَافَقَةِ الْجُمْهُورِ عَلَى ذَلِكَ".

اگر (بالفرض) ایسا ہوتا کہ حضرت عمر (رض) اور ان کے ساتھ جو لوگ تھے (یعنی سقیفہ بنی ساعدہ میں_ناقل) صرف انہوں نے آپ کی بیعت کی ہوتی، اور باقی سارے صحابہ بیعت سے رکے رہتے تو آپ (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ_ناقل) اس طرح امام نہ بنتے، وہ امام بنے ہی جمہور صحابہ کی بیعت سے تھے، جو قدرت و شوکت والے تھے (اب یہاں سوال ہوتا تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے تو پھر بھی کچھ عرصے تک آپ کی بیعت نہ کی تھی، تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ) ایک ان کا (کچھ مدت تک) پیچھے رہنا کوئی مضر نہیں، کیونکہ مقصد خلافت میں اسے سے کوئی خلل نہیں آیا، کیونکہ خلافت کا مقصد قدرت اور غلبہ کا حصول ہے، اور ان دونوں چیزوں کے ساتھ امامت کے مصالح حاصل ہوتے ہیں، اور یہ چیز جمہور کی موافقت سے حاصل ہو گئی تھی۔ (حوالہ بالا)

قارئین محترم! اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اگرچہ شروع میں امام (خلیفہ یا حاکم) کا انتخاب چند لوگ بھی کر سکتے ہیں، لیکن اس کے بعد جمہور اہل حل و عقد کی تائید ضروری ہے، امام ابن تیمیہ (رح) نے صاف لکھا ہے کہ "اگر بالفرض سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر (رض) اور دوسرے چند حضرات کی بیعت کے بعد باقی لوگ حضرت ابوبکر (رض) کی بیعت نہ کرتے تو آپ بھی امام نہ بنتے"... لہٰذا امامت کے "عمومی انعقاد"

اور "عمومی نفاذ" کے لیے اس وقت کے تمام اہل حل وعقد اور اہل شان و شوکت یا ان کی اکثریت کا اس اولین بیعت کی تائید کرنا بھی ضروری ہے..

اب آپ حضرت عثمان (رض) کے محاصرے اور آپ کی شہادت کے وقت کے حالات ذہن میں لائیں، مدینہ منورہ میں چند صحابہ کرام ہی تھے، بہت سے تو حج کے لیے گئے ہوے تھے اور کئی دوسرے علاقوں میں تھے، ورنہ باغیوں کی جرءت ہی مدینہ پر حملہ کرنے کی نہ ہوتی... حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد، جبکہ مدینہ انھیں باغیوں اور قاتلوں کے نرغے میں تھا حضرت علی (رض) کی بیعت وہ چند صحابہ کرتے ہیں، جنھیں مفتی وقاص رفیع "مدینہ کے مہاجرین وانصار کی اکثریت" سے تعبیر کر رہے ہیں (ساتھ ہی وہ باغی اور قاتل بھی بیعت کرتے ہیں)، وہ زمانہ کوئی سیٹلائٹ کا زمانہ تو تھا نہیں کے ویڈیو لنک یا ٹیلفون کے ذریعے رابطے کرکے دوسرے علاقوں میں موجود اصحاب حل وعقد کی تائید حاصل کی جاتی...

حضرت علی (رض) کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں جن بعض حضرات نے میری بیعت کرلی ہے، اس سے میری خلافت کا عمومی نفاذ ہوگیا ہے، اسی کے پیش نظر آپ نے بہت سے علاقوں کے گورنروں کو معزول کرنے کے احکامات بھی دے دیے.

جبکہ دوسرے صحابہ کرام کا یہ موقف تھا کہ حضرت علی (رض) کی خلافت کا "عمومی نفاذ وانعقاد" اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک باقی تمام اہل حل وعقد بھی آپ کی بیعت نہ کریں، لہٰذا جنھوں نے آپ کی ابھی بیعت نہیں کی، ان پر آپ کے احکام لاگو نہیں ہوتے...

پھر بد قسمتی یہ کہ حضرت عثمان (رض) کے قاتل اور وہ بلوائی بھی حضرت علی (رض) کی بیعت کرتے ہیں ،اور آپ کے ارد گرد نظر آتے ہیں، اس بھی کچھ اور غلط فہمیاں پیدا ہوئیں.. جس کے نتیجے میں سب سے پہلے جنگ جمل اور اس کے بعد انہی قاتلوں سے قصاص کے مسئلے پر ہی جنگ صفین ہوئی. (بلکہ بقول مفتی وقاص رفیع، سوئے اتفاق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب انہی کے ہاتھوں ہوا کہ جن کے دامن دمِ عثمان رضی اللہ عنہ سے داغ دار تھے، اس لئے صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت

کرنے کو دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے حصول کی شرط کے ساتھ مشروط کردہ، دیکھیں مفتی وقاص کی کتاب: صفحہ 45) .

اب ان حالات کے تناظر میں ہمیں دیکھنا ہے کہ ان صحابہ کرام کا کیا موقف تھا جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے، ان کا موقف یہی تھا کہ "چونکہ ابھی حضرت علی (رض) کی خلافت کا عموم انعقاد اور عمومی نفاذ نہیں ہوا اس لیے ہم پر آپ کا حکم ماننا لازم نہیں" ..... اور یہ صحابہ آخر وقت تک اپنے موقف پر ہی رہے اور انہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی ... (الا ماشاء اللہ اگر ایک دو نے بعد میں کر لی ہو تو وہ مستثنی ہیں) .

یہ تھا جانبین کا موقف ... اور دونوں طرف صحابہ کرام ہیں، بلکہ "توقف" کرنے والے اکثریت میں ہیں ... مفتی وقاص رفیع آج ان سب کو ضرور "باغی" اور "غلطی پر" ثابت کرنے پر مصر ہیں ... اور "اجماع امت" کا نام تو لیتے ہیں لیکن صحابہ کرام کی اس وقت کی اکثریت کا موقف نہیں بتاتے کہ کیا تھا؟ کیا صحابہ کرام اہل سنت سے خارج ہیں؟ .

ہم یہ ہر گز نہیں کہہ رہے کہ حضرت معاویہ (رض) یا وہ تمام صحابہ (رض) جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے، یا انہوں نے توقف کیا، وہ معصوم ہیں، اور ان سے غلطی کا امکان نہیں، جیسا کہ مفتی وقاص رفیع نے فرض کر لیا ہے، بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ جب اہل سنت نے صحابہ کرام کے اس اختلاف کو "اجتہاد" پر مبنی تسلیم کیا ہے، تو دو مجتہدین میں سے کسی ایک کو قطعی طور پر "غلط" اور دوسرے کو قطعی طور پر "درست" کہنا یہ اصول اجتہاد کے خلاف ہے، یا تو صحابہ کرام کے ان "اجتہادی مشاجراتی مواقف" کو "اجتہادی" نہ تسلیم کیا جائے، بلکہ اسے صریح طور پر "حق" و "باطل" کا اختلاف قرار دیا جائے، یا اگر اسے اجتہادی اختلاف کہنا ہے تو پھر اصول اجتہاد کی رو سے کسی بھی مجتہد کی یقینی "خطا" یا "صواب" کا فیصلہ کرنے سے گریز کیا جائے، اور اس بارے میں توقف و امساک کیا جائے ... حضرت علی (رض) کا موقف اپنی جگہ درست تھا، اور دوسرے صحابہ کرام بھی اپنی جگہ اپنے دلائل کی روشنی میں اپنے آپ کو غلط نہ سمجھتے تھے ... مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی کیوں ان کے فیصلے چکانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں؟؟ ہاں اگر وہ حضرت علی (رض)

کو معصوم عن الخطأ والنسیان سمجھتے ہیں، یا ان کی خلافت کو "منصوص من اللہ" خیال کرتے ہیں تو الگ بات ہے... ہم تو کسی کی بھی طرف غلطی کی نسبت نہیں کرتے... اور ان کا فیصلہ اللہ پر چھوڑتے ہیں...

ہمیں اعتراض ہے تو اس بات پر کہ ایک طرف بار بار یہ کہا جاتا ہے کہ :

"اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت علی (رض) مجتہد مصیب تھے اور حضرت معاویہ (رض) مجتہد مخطی" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 601)

اور دوسری طرف ساتھ ہی یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ "حضرت معاویہ فقہی اصطلاح کے اعتبار سے باغی کہلائے گئے" (صفحہ 601)

یہ کیسی "فقہی بغاوت" ہے جو "اجتہادی خطا" ہے؟ فقہ کی کس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ "فقہی بغاوت کی ایک قسم اجتہادی خطا ہے"؟؟؟

آگے مفتی وقاص رفیع نے لکھا ہے کہ :

"اگر ہمت ہے تو مولانا نعمانی کو کوسنے کے بجائے ان کی دلیل کا جواب دیں"

تو ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر مفتی وقاص میں ہمت ہے تو وہ "فقہی بغاوت" کو "اجتہادی خطا" ثابت کریں ...، اگر ان میں ہمت ہے تو وہ یہ ثابت کریں کہ "فقہی باغی" کو ایک اجر ملتا ہے (مجتہد مخطی والا)، اگر ان میں ہمت ہے تو وہ یہ ثابت کریں کہ "اجتہادی اختلافات میں کسی بھی مجتہد کو اس دنیا میں قطعی طور پر مخطی یا مصیب کہا جاسکتا ہے"... اگر ان میں ہمت ہے تو وہ ثابت کریں کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف خروج کیا تھا" .. اگر ان میں ہمت ہے تو یہ ثابت کریں کہ "فقہی بغاوت" کی تعریف صرف حضرت معاویہ (رض) پر ہی صادق آتی ہے، اور کسی پر نہیں آتی ..

باقی نعمانی صاحب کا "اجتہادی مشاجراتی اختلاف" کے سلسلے میں "کتاب الحدود" کا حوالہ دینا ہی درست نہیں تو اس کا جواب کیا دیا جائے؟؟؟

اور پھر مفتی وقاص رفیع نے خود ہی مولانا عبدالرشید نعمانی (رح) کی دلیل کا جواب بھی تو دیا ہے .. نعمانی صاحب نے اپنے حق میں حضرت نانوتوی (رح) کی بات پیش کی تھی کہ :

"حضرت نانوتوی نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں کہ ان کے ہر قول و فعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں"...

مفتی وقاص رفیع اس کا جواب دیتے ہیں کہ:

"حضرت نانوتوی کی طرف اس بات کی نسبت کرنا خلاف تحقیق ہے، لگتا یوں ہے کہ مولانا نعمانی صاحب نے یہ تحقیق انور النجوم ترجمہ قاسم العلوم سے نقل کی ہے جو اس کے مترجم مولانا انوار الحسن شیر کوٹی سے دوران ترجمہ سہواً و نسیاناً غلط ترجمانی کے نتیجے میں واقع ہوئی ہے" (صفحہ 601)

تو مفتی وقاص رفیع خود تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا نعمانی (رح) نے جو یہ بات حضرت نانوتوی کی طرف منسوب کی یہ خلاف تحقیق ہے... اور یہ غلطی مولانا شیر کوٹی (فاضل دار العلوم دیوبند_ناقل) کو لگی تھی، اسی کو مولانا نعمانی نے نقل کر دیا...

اب ہم اور کیا کہیں؟؟ اگر مولانا نانوتوی کی بات مولانا نعمانی "خلاف تحقیق" نقل کر سکتے ہیں تو اور کسی بات میں غلطی کیوں نہیں کھا سکتے؟؟

(مولانا نانوتوی کی اس عبارت پر ہم مفصل کلام پہلے کر آئے ہیں، اور مفتی وقاص رفیع کی اس باطل تاویل کا تار پول کھول آئے ہیں)

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 25)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع کی کتاب "حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر" کا میں نے بڑے انہماک اور توجہ سے مطالعہ کیا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مفتی موصوف نے اپنی کتاب میں کئی دوسری کتب سے مواد لے کر من وعن نقل کر دیا ہے اور اس کام میں انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ اپنی کتاب میں پہلے کیا کیا لکھ آئے ہیں اور بعد میں کیا لکھ رہے ہیں، آیئے پہلے مفتی وقاص رفیع کی اسی کتاب سے چند اقتباس پڑھتے ہیں اس کے بعد ہم اصل موضوع پر بات کریں گے.

مفتی وقاص رفیع نے حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد کے حالات کا نقشہ اپنے قلم سے کچھ یوں کھینچا ہے:

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی الم ناک شہادت کے بعد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد مقرر ہوئے، لیکن افسوس کہ آپ کا انتخاب ایک انتہائی پر آشوب اور ہنگامی دور میں ہوا، اور سوئے اتفاق کہ انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا کہ جن کے دامن دم عثمان (رض) کے داغ سے داغ دار تھے، اس لئے صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے آپ (رض) کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو دم عثمان (رض) کے قصاص کے حصول کی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا....الخ"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 44 – 45)

غور فرمائیں! مفتی وقاص رفیع "بقلم خود" لکھ رہے ہیں کہ:

1: حضرت علی (رض) کا انتخاب ایک پر آشوب اور ہنگامی دور میں ہوا.

2: آپ کا انتخاب انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا جن کے دامن دمِ عثمان (رض) کے خون سے داغ دار تھے.

3: اور یہی وجہ بنی کہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو قصاص عثمان (رض) کے ساتھ مشروط کر دیا.

تو یوں مفتی وقاص ہمیں بتلا رہے ہیں کہ حضرت علی (رض) کا انتخاب قاتلین عثمان (رض) کے ہاتھوں سے ہوا.... (میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا)

اب یہ پڑھیں:

"حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد مدینہ کے مہاجرین وانصار کی اکثریت نے جب سیدنا علی المرتضی (رض) سے بیعت کرلی تو ان کی دیکھا دیکھی میں باغی بھی حضرت علی (رض) کی بیعت پر آمادہ ہو گئے، حضرت علی (رض) چوں کہ ان لوگوں سے دل برداشتہ اور ناخوش تھے اس لیے انہوں نے بر سر عام ان کی بیعت لینے سے انکار کر دیا، لیکن جب صورت حال اور زیادہ پیچیدہ ہو گئی اور مسلمانوں میں عام خانہ جنگی کا اندیشہ پیدا ہو گیا تو حالات کی نزاکت کے پیش نظر حضرت علی (رض) نے ان لوگوں کی بیعت قبول کرلی" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 54)

توجہ فرمائیں! پہلے لکھا کہ:

"آپ کا انتخاب انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا جن کے دامن دمِ عثمان (رض) کے خون سے داغ دار تھے اور یہی وجہ بنی کہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو قصاص عثمان (رض) کے ساتھ مشروط کر دیا"

اب لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عثمان (رض) کی شہادت کے بعد مدینہ کے مہاجرین وانصار کی اکثریت نے جب سیدنا علی المرتضی (رض) سے بیعت کرلی تو ان کی دیکھا دیکھی میں باغی بھی حضرت علی (رض) کی بیعت پر آمادہ ہو گئے".

مفتی وقاص رفیع خود بھی تذبذب میں ہیں کہ حضرت علی (رض) کا انتخاب قاتلین عثمان (رض) کے ہاتھوں ہوا یا مہاجرین وانصار کے ہاتھوں؟؟؟

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 47 پر حضرت علی (رض) کی اپنے بیٹے حضرت حسن (رض) کو رحلت کے وقت کی گئی وصیت یوں نقل کی ہے:

"بیٹا! حضرت معاویہ (رض) کی امارت قبول کرنے سے ہر گز نفرت نہ کرنا، ورنہ باہم کشت وخون ریزی دیکھو گے".

پھر اگلے صفحے پر لکھا کہ "حضرت علی (رض) کی شہادت کے بعد شیعانِ علی (رض) نے حضرت حسن (رض) کو حضرت معاویہ (رض) سے لڑنے پر آمادہ کرنا چاہا اور زور دیا تو آپ کو اپنے والد محترم کی یہ نصیحت یاد آ گئی، اس لئے آپ نے فرمایا:

"میرے والد ماجد مجھ سے فرما چکے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) ایک دن خلیفہ ہو کر رہیں گے، خود ہم کتنی ہی بڑی فوج لے کر ان کے مقابلے میں نکلیں، لیکن غالب وہی رہیں گے، کیوں کہ منشائے خداوندی کو ٹالا نہیں جا سکتا"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 48)

ملاحظہ فرمائیں! مفتی وقاص رفیع جن حضرت معاویہ (رض) کو اپنی کتاب میں جگہ جگہ "فقہی باغی" لکھتے ہیں، انہی کے بارے میں حضرت علی (رض) اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہیں کہ ان کی امارت سے نفرت نہ کرنا، بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ ان کا خلیفہ بننا منشائے خداوندی ہے، اور یہ ہو کر رہے گا، تم چاہے جتنی بڑی فوج لے کر ان کے مقابلے میں نکلو پھر بھی غالب وہی رہیں گے، یہ نہیں فرماتے کہ بیٹا وہ "فقہی و شرعی باغی" ہیں، ان کے ساتھ ہر گز اس وقت تک صلح نہ کرنا جب تک وہ اپنی بغاوت سے توبہ نہ کر لیں اور اللہ کے امر کی طرف نہ لوٹ آئیں ... (میں اس پر بھی تبصرہ نہیں کرتا)

اب لگے پڑھیئے ! اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 49 پر مفتی وقاص رفیع، حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) کے مابین صلح کے بارے میں بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"اسے حسن اتفاق ہی کہیے کہ ابھی حضرت حسن (رض) نے حضرت معاویہ (رض) سے صلح کرنے کا دل میں سوچا ہی تھا کہ حضرت معاویہ (رض) بھی اپنے دل میں آرزوئے صلح لئے بے چین و بے قرار ہو رہے تھے، آپ (یعنی حضرت معاویہ_ ناقل) سے رہا نہ گیا، اس لئے آپ نے حضرت حسن مجتبی (رض) سے پہلے ہی تحریک صلح ان کے سامنے پیش کر دی اور اس کے بعد ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر ثبت فرما کر حضرت حسن (رض) کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ آپ جتنی شرطیں چاہیں اس پر لکھ دیں مجھے منظور ہیں"... (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 49)

غور فرمائیں ! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن (رض) نے ابھی صلح کرنے کا صرف سوچا ہی تھا کہ حضرت معاویہ (رض) کی طرف سے تحریک صلح آ گئی..

اب یہ پڑھیں :

"حضرت حسن (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کو ایک خط لکھا، جس میں ان کے سامنے صلح کی تجویز رکھی اور چند شرائط رکھیں کہ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہ (رض) کے حق میں دست بردار ہو جائیں گے"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 64)

یہاں سے معلوم ہوا کہ، صلح کی تجویز پہلے حضرت حسن (رض) کی طرف ایک خط کی صورت میں گئی تھی ...

اب درست کونسی بات ہے؟ یہ مفتی وقاص ہی بہتر جانتے ہیں یا وہ جہاں سے مفتی وقاص نے یہ متضاد باتیں نقل کی ہیں..

یہ صرف چند مثالیں ہیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب سے، ایسے اور بھی بہت سے تضادات ہیں، لہٰذا میں سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مفتی وقاص رفیع نے نہ کبھی مشاجرات صحابہ کے موضوع کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، اور نہ ان کی اس موضوع سے کماحقہ واقفیت ہی ہے، انہوں نے ادھر ادھر سے، اقتباسات اکٹھے کیے، اور انھیں ترتیب دے کر کتاب تیار کر ڈالی، شاید انہیں "احساس برتری" ہو گیا ہے کہ وہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل ہو کر ہر فن مولی بن چکے ہیں اسی علمی گھمنڈ میں انھیں یہ علم ہی نہ ہو سکا کہ وہ پہلے کیا لکھ آئے ہیں اور بعد میں کیا لکھ رہے ہیں.
ہمارا مفتی وقاص رفیع کو مشورہ ہے کہ وہ خود اپنی اس کتاب کا از سر نو جائزہ لیں، انھیں خود اپنی ہی کتاب کسی سے "سبقاً" پڑھنے کی ضرورت ہے..

اب آیئے واپس آتے ہیں اصل موضوع کی طرف.. مفتی وقاص رفیع اور ان کے ہمنوا جو اکثر "فقہی بغاوت" کا نعرہ لگاتے ہیں اس کے لیے ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ "چونکہ حضرت عمار بن یاسر (رض) جنگ صفین میں حضرت علی (رض) کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے، اور حضرت عمار (رض) کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا تھا کہ انہیں ایک باغی ٹولی قتل کرے گی، لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ (رض) اور ان کا لشکر باغی تھے"... (ملخصاً)

اب یہاں سوال ہوتا تھا کہ جنگ صفین میں تو وہ دشمنان اسلام بھی موجود تھے جو پہلے حضرت عثمان (رض) کے خلاف بغاوت کر چکے تھے اور جن کے ہاتھ ان کے خون سے داغدار تھے، جن کے ہاتھوں (بقول مفتی

وقاص رفیع) حضرت علی (رض) کا انتخاب بھی ہوا، اور جن کے بارے میں خود مفتی وقاص نے جنگ صفین کے موقع پر مساعی صلح کے زیر عنوان لکھا ہے کہ :

"ہر چند کہ اس موقع پر بعض اکابر نے دونوں فریقوں کے درمیان رفع نزاع اور صلح کی مساعی کیں، لیکن ان مخلصین حضرات کے علاوہ عوامی قسم کے بہت سے شریر عناصر بھی یہاں موجود تھے جو اپنی جبلتی شر پسندی اور فطرتی فساد انگیزی کے سبب فریقین کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے بجائے الٹا ان میں بد ظنی پھیلانے، انھیں ایک دوسرے سے دور کرنے اور معاملہ سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دینے اور صلح کے بجائے قتال قائم رکھنے پر مصر ہوئے" (صفحہ 58).

تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ دوران جنگ جب ہزاروں لوگ ایک دوسرے سے بر سر پیکار تھے، انہی فسادیوں نے حضرت عمار (رض) کو شہید کر دیا ہو .. اور چونکہ حدیث میں "باغی ٹولی" کا ہی ذکر ہے، تو یہ تو پہلے سے "مستند اور پکے ٹھکے" باغی تھے.

تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ :

"اس بات پر تمام علمائے اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ حضرت عمار (رض)، حضرت معاویہ (رض) کے ایک افسر حضرت ابوالغادیہ (رض) کے ہاتھوں شہید ہوئے" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 62)

لہٰذا ثابت ہوا کہ "باغی ٹولی یا گروہ" حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کا ہی تھا...

تو آیئے اس دلیل کا جائزہ لیتے ہیں.

میں زیادہ تفصیلی بات نہیں کرونگا کہ اس پر بہت سے علماء محققین نے بہت کچھ لکھا ہے، بلکہ مختصر طور پر چند نکات آپ کے سامنے رکھوں گا..

وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمار (رض) کو ایک باغی ٹولی قتل کرے گی، اس کے مکمل الفاظ صحیح بخاری میں یوں ہیں:

وَيْحَ عَمَّارٍ، تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الجَنَّةِ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ

(افسوس! عمار کو باغی ٹولی قتل کرے گی، یہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اسے آگ (جہنم) کی طرف بلائیں گے)

اور صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں یوں ہیں:

وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الفِئَةُ البَاغِيَةُ، عَمَّارٌ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ

(افسوس! عمار کو باغی ٹولی قتل کرے گی، یہ انہیں اللہ کی طرف بلائے گا اور وہ اسے آگ یعنی جہنم کی طرف بلائیں گے)

عام طور پر اس حدیث کے صرف یہ الفاظ ہی نقل کیے جاتے ہیں کہ "عمار کو ایک باغی ٹولی قتل کرے گی".. اور اگلے الفاظ نقل نہیں کیے جاتے کہ اس ٹولی کی ایک علامت بھی اس حدیث میں بیان ہوئی ہے.. اور وہ یہ ہے کہ "وہ ٹولی جہنم کی طرف بلانے والی ہوگی"...

اب آیئے صحیح بخاری کی ایک اور حدیث پڑھتے ہیں:

3608 - حَدَّثَنَا الحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ، حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ» وفی روایة "دَعْوَتُهُمَا وَاحِدَةٌ"

(قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ایسے دو گروہوں کی آپس میں جنگ نہ ہو جائے جن دونوں کا دعوی ایک ہی ہوگا وفی روایۃ "دعوتهما واحدة" کہ ان دعوت ایک ہی ہوگی)

ان دونوں جماعتوں سے مراد شارحین نے حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کی جماعتیں لی ہیں، چنانچہ اس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وَوَصَفَهُمَا فِي الرِّوَايَةِ الْأُخْرَى بِالْعِظَمِ أَيْ بِالْكَثْرَةِ وَالْمُرَادُ بِهِمَا مَنْ كَانَ مَعَ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ لَمَّا تَحَارَبَا بِصِفِّينَ

ان دونوں گروہوں کو دوسری روایت میں عظیم یعنی بڑی جماعتوں کے ساتھ بھی بیان کیا گیا ہے، اور ان دونوں جماعتوں سے مراد حضرت علی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کی جماعتیں ہیں جب ان کے درمیان صفین میں جنگ ہوئی.

(فتح الباری، جلد 6 صفحہ 616، نیز دیکھیں ارشاد الساری للقسطلانی جلد 10 صفحہ 89)

اگر اس سے مراد واقعی یہی دو جماعتیں ہیں تو یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ ان دونوں گروہوں کی دعوت ایک ہی ہوگی، نہ یہ کہ ایک کی دعوت جہنم کی طرف اور دوسری کی جنت کی طرف.

اور ہمیں تو حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کی ایک ہی "دعوت" کا علم ہے اور وہ بھی شہید مظلوم خلیفہ راشد حضرت عثمان (رض) کے قصاص کی دعوت، اگر یہ "جہنم کی طرف دعوت" تھی تو واضح بتایا جائے

.

پھر خود حضرت علی (رض) سے بھی منقول ہے کہ آپ نے جنگ صفین میں دونوں طرف کے مقتولین کے بارے میں فرمایا:

"قَتْلَانَا وَقَتْلَاهُمْ فِي الْجَنَّةِ" ترجمہ: ہمارے اور حضرت معاویہ (رض) دونوں کے مقتولین جنتی ہیں.

(مصنف ابن ابی شیبۃ، جلد 7 صفحہ 552 مکتب الرشید الریاض)

یہ حوالہ مفتی وقاص رفیع نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ 47 پر نقل کیا ہے، تو اگر دونوں طرف کے مقتولین کو حضرت علی (رض) جنتی فرما رہے ہیں تو پھر حضرت معاویہ (رض) کے ساتھیوں کی دعوت جہنم کی طرف کیسے ہوئی؟؟ کیا دوسروں کو جہنم کی دعوت دینے والا خود جنتی ہوگا؟

کچھ حضرات نے یہ تاویل کی ہے کہ "حضرت معاویہ (رض) کی دعوت خلیفہ برحق کی بغاوت کی تھی اس لیے اسے جہنم کی طرف دعوت سے تعبیر کیا گیا ہے" تو یہ مفہوم لغو ہے.. کیونکہ حضرت معاویہ (رض) نے ہرگز حضرت عمار (رض) کو یہ دعوت نہ دی تھی کہ تم لوگ حضرت علی (رض) کی خلافت کے خلاف اٹھ کھڑے ہو اور ان کی بیعت توڑ دو، ان کے خلاف خروج کرو.. بلکہ وہ خود بھی حضرت علی (رض) کی خلافت کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے.. اختلاف جو تھا وہ خود مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں (شرح نہج البلاغۃ کے حوالے سے) ایک جگہ یوں بیان کیا ہے:

"ہمارے معاملہ کی ابتداء یوں ہوئی کہ ہمارا اہل شام (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے ایک مقابلہ ہوا، اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا اللہ ایک ہے، ہمارا اور ان کا نبی ایک، ہمارا اور ان کا اسلام ایک (یہاں مفتی وقاص رفیع نے جو عربی عبارت حاشیہ میں لکھی ہے اس لحاظ سے ترجمہ درست نہیں کیا، عبارت ہے : ودعوتنا في الاسلام واحدة.. کہ ہم دونوں کی اسلام میں دعوت ایک ہے_ناقل)، اللہ و رسول کی تصدیق میں نہ ہم اپنے کو ان سے زیادہ کہتے ہیں اور نہ وہ اپنے آپ کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں، بلکہ معاملہ دونوں کا ایک ہی ہے، صرف دم عثمان (رض) کے بارے میں ہم میں اور ان میں اختلاف ہوا ہے، اور ہم اس (دم عثمان) سے بری ہیں"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 47)

تو مفتی وقاص رفیع کے نقل کردہ حضرت علی (رض) کے اس فرمان میں بھی یہ بیان ہے کہ ہماری اور ان کی اسلام میں دعوت بھی ایک ہی ہے.. اختلاف صرف حضرت عثمان (رض) کے دم اور قصاص میں ہے.. تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کی دعوت "جہنم" کی طرف ہو؟؟

لہٰذا خود اسی حدیث میں بیان کردہ ایک علامت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ "باغی ٹولی" حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کی نہیں ہو سکتی..

نوٹ: کچھ حضرات نے اس حدیث کے مختلف طرق سے مختلف الفاظ نقل کرکے مزید علامات بھی گنوائی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ یہ علامات حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں میں نہیں پائی جاتیں، اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، نیز کچھ حضرات نے اس حدیث پر سنداً و درایتاً بھی بحث کی ہے...

اب اگر اس حدیث کی رو سے حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کو "فقہی و شرعی باغی" ثابت کرنا ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ ان کی دعوت جہنم کی طرف تھی.. اور یہ بتانا ہوگا کہ قصاص عثمان (رض) کا مطالبہ "جہنم کی طرف" دعوت کیسے تھا؟.. پھر دوسری حدیث اور حضرت علی (رض) کے فرمان میں جو ان دونوں جماعتوں کی دعوت کو ایک ہی فرمایا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہوگا؟؟
لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت معاویہ (رض) کو قاتلِ عمارؓ اور فقہی و شرعی باغی نہ قرار دیا جائے ورنہ دوسری حدیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تغلیط و تکذیب لازم آئے گی جو احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بے اعتمادی بلکہ بدگمانی ایک راستہ ہے۔

اب رہی یہ بات جو مفتی وقاص رفیع نے لکھی ہے کہ: "تمام علمائے اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ حضرت عمار (رض)، حضرت معاویہ (رض) کے ایک افسر حضرت ابوالغادیہ (رض) کے ہاتھوں شہید ہوئے"

.

تو اس سلسلے میں جو سب سے پہلے نمبر پر روایت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے:
أَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَفْصٍ وَكُلْثُومُ بْنُ جَبْرٍ عَنْ أَبِي غَادِيَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يَقَعُ فِي عُثْمَانَ يَشْتِمُهُ

بِالْمَدِينَةِ قَالَ: فَتَوَعَّدْتُهُ بِالْقَتْلِ قُلْتُ: لَئِنْ أَمْكَنَنِي اللَّهُ مِنْكَ لأَفْعَلَنَّ. فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ صِفِّينَ جَعَلَ عَمَّارٌ يَحْمِلُ عَلَى النَّاسِ. فَقِيلَ هَذَا عَمَّارٌ. فَرَأَيْتُ فُرْجَةً بَيْنَ الرِّنَتَيْنِ وَبَيْنَ السَّاقَيْنِ. قَالَ فَحَمَلْتُ عَلَيْهِ فَطَعَنْتُهُ فِي رُكْبَتِهِ. قَالَ: فَوَقَعَ فَقَتَلْتُهُ. فَقِيلَ قَتَلْتَ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ. وَأُخْبِرَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ فَقَالَ: [سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم - يقول إِنَّ قَاتِلَهُ وَسَالِبَهُ فِي النَّارِ] . فَقِيلَ لِعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ: هُوَ ذَا أَنْتَ تُقَاتِلُهُ. فَقَالَ: إِنَّمَا قَالَ قَاتِلَهُ وَسَالِبَهُ.

(الطبقات الكبرى لابن سعد)

اس کا خلاصہ یہ کہ ابو غادیہ کہتے ہیں: میں نے (حضرت) عمار بن یاسر کو دیکھا کہ وہ حضرت عثمان (رض) کو مدینہ میں گالیاں دے رہے تھے، تو میں نے ان سے کہا کہ اگر اللہ نے مجھے تم پر قابو دیا تو میں تمہیں قتل کروں گا... توجب صفین کا دن آیا تو میں نے عمار بن یاسر کو قتل کر دیا... الخ.

قارئین محترم! اس روایت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ " صحیح الاسناد" ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عمار (رض) کو قتل کرنے والے ابو الغادیہ ہی ہیں..

تو عرض ہے کہ اس روایت کے متن میں سخت قسم کی نکارت پائی جاتی ہے، کیونکہ اس میں یہ بھی ہے کہ "حضرت عمار (رض) مدینہ منورہ میں خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان (رض) کو گالیاں دیا کرتے تھے..

نوٹ: اس روایت میں "یشتم عثمان" کا لفظ ہے، مفتی محمد شفیع صاحب (رح) عربی کے لفظ "سَبّ" اور "شَتم" کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لفظ "سبّ" کا ترجمہ اردو میں عموماً گالی دینا کیا جاتا ہے جو اس لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں کیونکہ گالی کا لفظ اردو میں فحش کلام کے لئے آتا ہے حالانکہ لفظ "سبّ" عربی زبان میں اس سے زیادہ عام ہے، ہر اس کلام کو "سبّ" کہا جاتا ہے جس سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو، گالی کے لیے ٹھیٹ لفظ عربی میں "شتم" آتا ہے"

(مقام صحابہ، صفحہ 44، ادارۃ المعارف کراچی)

تو کیا اب اس روایت کو صحیح سمجھ کر ہم یہ بھی مان لیں کہ حضرت عمار (رض) واقعی مدینہ منورہ میں حضرت عثمان (رض) کو گالیاں دیا کرتے تھے؟؟ ہر گز نہیں، ہمارے نزدیک یہ روایت حضرت عمار (رض) جیسے ایک جلیل القدر صحابی پر بھی ایک بڑا الزام لگا رہی ہے لہٰذا یہ متناً منکر ہے.. اسی لیے یہی روایت جب امام احمد بن حنبل نے اسی سند کے ساتھ اپنی مسند میں نقل فرمائی تو یوں فرمائی:

17776 - حَدَّثَنَا عَفَّانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَفْصٍ، وَكُلْثُومُ بْنُ جَبْرٍ، عَنْ أَبِي غَادِيَةَ، قَالَ: قُتِلَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ فَأُخْبِرَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " إِنَّ قَاتِلَهُ، وَسَالِبَهُ فِي النَّارِ "، فَقِيلَ لِعَمْرٍو: فَإِنَّكَ هُوَ ذَا تُقَاتِلُهُ، قَالَ: إِنَّمَا قَالَ: قَاتِلَهُ، وَسَالِبَهُ ..
(مسند احمد، مؤسسة الرسالة)

(ابو غادیہ کہتے ہیں کہ: جب حضرت عمار (رض) کو قتل کیا گیا تو حضرت عمرو بن العاص (رض) کو اس کی خبر دی گئی...الخ)

ملاحظہ فرمائیں! پوری سند وہی ہے، لیکن اس میں نہ حضرت عمار (رض) کے مدینہ میں حضرت عثمان (رض) کو "شتم" یعنی گالی دینے کا ذکر ہے اور نہ ہی ابو غادیہ کی اس بات کا ذکر ہے کہ میں نے انھیں قتل کیا ہے.. جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک اس روایت میں یہ اضافہ منکر تھا اسی لئے انہوں نے اسے ذکر نہ کیا..

لہٰذا اگر اس روایت کی بنیاد پر کسی نے یقینی طور پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "حضرت عمار (رض) کی شہادت ابو الغادیہ کے ہاتھوں ہوئی" تو اسے یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ حضرت عمار (رض) واقعی حضرت عثمان (رض) کو مدینہ میں گالیاں دیا کرتے تھے.. ہم تو یہ بات کبھی بھی تسلیم نہیں کر سکتے..

یہاں مجھے امام نووی (رح) کی ایک بات یاد آ رہی ہے، آپ نے لکھا ہے:

"وَلَسْنَا نَقْطَعُ بِالْعِصْمَةِ إِلَّا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِمَنْ شَهِدَ لَهُ بِهَا لَكِنَّا مَأْمُورُونَ بِحُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ وَنَفْيِ كُلِّ رَذِيلَةٍ عَنْهُمْ وَإِذَا انْسَدَّتْ طُرُقُ تَأْوِيلِهَا نَسَبْنَا الْكَذِبَ إِلَى رُوَاتِهَا"

(ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جن کے معصوم ہونے کی آپ نے گواہی دی ہے، ان کے علاوہ کسی اور کی عصمت کے ہر گز قائل نہیں، لیکن ہم اس بات کے مامور ہیں کہ تمام صحابہ کرام کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے، اور ان سے ہر بری بات کی نفی کی جائے (جو ان کے شایان شان نہ ہو_ ناقل) اور اگر (کسی روایت میں موجود_ ناقل) ایسی کسی بات کی کسی معقول تاویل کے تمام راستے مسدود ہو جائیں تو (پھر بھی ہم صحابی کو بچائیں گے_ ناقل) اور اس روایت کے راویوں کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے۔

(نووی شرح مسلم، جلد 12 صفحہ 72) باب حکم الفیء، طبع دار احیاء التراث العربی بیروت)۔

اس کے علاوہ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس روایت میں جو "ابو غادیہ" کا لفظ آیا ہے، کسی نے اسے "ابو الغادیہ الجہنی" بتایا ہے اور کسی نے "ابو الغادیہ المزنی" لکھا ہے، امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ایک طویل روایت نقل کی ہے، (روایت نمبر: 5657، جلد 3 صفحہ 434 طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت) اس روایت میں مفتی وقاص رفیع کے "مغازی و تاریخ میں بلا شبہ امام" محمد بن عمر الواقدی کے حوالے سے ایک روایت یہ ذکر کی ہے کہ (كَانَ الَّذِي قَتَلَ عَمَّارًا أَبُو غَادِيَةَ الْمُزَنِيُّ) حضرت عمار کو ابو الغادیہ المزنی نے قتل کیا، پھر آگے ایک اور سند سے یہ تین نام ذکر کیے ہیں کہ (وَكَانَ أَقْبَلَ إِلَيْهِ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ: عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ الْجُهَنِيُّ، وَعُمَرُ بْنُ الْحَارِثِ الْخَوْلَانِيُّ، وَشَرِيكُ بْنُ سَلَمَةَ) ان تینوں نے حضرت عمار (رض) کو قتل کیا (عقبہ بن عامر جہنی، عمر بن حارث خولانی اور شریک بن سلمہ)۔

قصہ مختصر یہ کہ اس بات کا کوئی قطعی ثبوت نہیں کہ حضرت عمار (رض) کی شہادت ضرور حضرت معاویہ (رض) یا ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے ہوئی.. اگر کسی شارح نے یہ لکھا ہے تو یہ اس کا اپنا استنباط ہے.. حدیث شریف میں صرف یہ ہے کہ وہ شہادت ایسی باغی ٹولی کے ہاتھوں ہو گی جو جہنم کی طرف دعوت دینے والی ہو گی، نیز حدیث کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹولی پہلے سے باغی ہو گی، یہ نہیں کہ حضرت عمار (رض) کو قتل کرنے کے وہ باغی بنے گی..

پھر خود حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں نے حضرت عمار (رض) کے قتل کے الزام سے انکار کیا تھا جیسے حضرت علی (رض) نے حضرت عثمان (رض) کے قتل سے اپنے آپ کو بری فرمایا تھا..

لہٰذا حضرت معاویہ (رض) کسی بھی طرح "شرعی و فقہی باغی" نہیں بنتے...

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 26)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی، جن کا محبوب مشغلہ صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے مشاجرات کے بارے میں عدالتیں لگا کر غلط اور صحیح کے فیصلے چکانا ہے، ان کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے حضرت معاویہ (رض) اور ان تمام حضرات کو جو کسی بھی وجہ سے حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے، باغی، خاطی، امام حق کے خلاف ناحق خروج کرنے والے، قرآن وسنت کو مہجور کرنے والے، خطائے منکر کا ارتکاب کرنے والے.. وغیرہ وغیرہ زبردستی ثابت کیا جائے، اور یہ سب کچھ انھیں ثابت کرنے کے بعد کہہ دیا جائے کہ حقیقت میں تو یہ حضرات یہی کچھ تھے لیکن چونکہ وہ صحابی ہیں اس لیے اس سب کو ہم ان کی "اجتہادی خطا" کہیں گے.

جبکہ جن اسلاف نے "اجتہادی خطا" کی بات کی ہے انہوں نے یہ آخری حد مقرر کی ہے، کہ مشاجرات صحابہ میں اول تو سکوت و توقف اختیار کیا جائے کیونکہ احوط واسلم واولی یہی ہے، لیکن اگر کبھی کسی مجبوری کے تحت اس بارے کچھ کہنا ہی پڑے تو بھی آخری حد "اجتہادی خطا" ہے، اس سے آگے کچھ نہیں کہنا... انہوں نے یہ موقف نہیں اپنایا کہ حقیقت میں تو وہ تمام صحابہ جنہوں نے حضرت علی (رض) کا ساتھ نہیں دیا، باغی، خاطی، جائر، امام حق کے خلاف خروج کرنے والے، نصوص کی مخالفت کرنے والے ہی تھے... لیکن ہم ان کے مقام صحابیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے ان تمام افعال کو "اجتہادی خطا" کہتے ہیں...

آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ ان دونوں نظریوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اسلاف نے مشاجرات کے بارے میں آخری حد "اجتہادی خطا" بتائی ہے، اور ہمارے آج کے مفتی وقاص جیسے محققین ان صحابہ کو پہلے زبردستی

باغی و طاغی وخاطی بناتے ہیں . . اور پھر ان پر احسان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اگر یہی اعمال کسی عام شخص سے صادر ہوتے تو اس پر گناہ کبیرہ اور فسق کا اطلاق کیا جاتا، مگر یہاں چونکہ شرف صحابیت بھی ہے اس لیے ہم اس کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے اس کام کو خطائے اجتہادی قرار دیتے ہیں" (ملخصاً: مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 631)

بلکہ مفتی وقاص رفیع نے تو اپنی کتاب کے آخر میں یہ سرخی جمائی ہے کہ:

"نص سے ثابت ہونے والی خطائے اجتہادی کو، خطائے اجتہادی نہ کہیں تو اور کیا کہیں" (صفحہ 631) ...

یہاں میرا سوال ہے کہ جس بات کا غلط ہونا "نص" سے ثابت ہو جائے کیا وہ "اجتہادی خطا" کہلاتی ہے؟؟ اور اگر اجتہادی خطا اسی کا نام ہے کہ "نص سے اس کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو پھر صرف "خطا" کیا ہے؟؟ کیا نص کی مخالفت "اجتہادی خطا" ہوا کرتی ہے؟؟

پھر جس نص کی بناء پر مفتی وقاص حضرت معاویہ (رض) کو مخطی و باغی ثابت کرنے کا دعوا کر رہے ہیں کیا یہ نصوص صحابہ کرام کی اس اکثریت کے علم میں نہ تھیں جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے؟؟ اگر انھیں ان نصوص کی سمجھ نہ آئی اور بعد والوں کو آئی تو صاف بتایا جائے، اور اگر ان کے سامنے بھی یہ تمام نصوص تھیں لیکن اس کے باوجود وہ حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے یا غیر جانبدار رہے تو بھی صاف بتایا جائے کہ جان بوجھ کر نص کی مخالفت کا کیا حکم ہے؟؟؟ مفتی وقاص رفیع اس کا صاف جواب دیں . . اجتہادی خطا تو "حق کے دائرے میں" ہی ہوتی ہے، اسی لیے اس پر مجتہد کو ایک اجر ملتا ہے، کیا کسی نص کی مخالفت پر بھی ایک اجر ملتا ہے؟؟

مفتی وقاص رفیع ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"پس حضرت معاویہ (رض) اور ان کے ساتھیوں کے اس غلط اقدام کی بناء پر سوائے اس کے اور کچھ ممکن نہیں کہ انہیں لشکر علوی کے مقابلہ میں باغی اور خاطی قرار دیا جائے، اور یہی موقف تمام اہل سنت کا ہے جسے مولانا عبدالرشید نعمانی نے نقل کیا ہے"

(صفحہ 601)

بالکل جھوٹ ... اہل سنت کا موقف مشاجرات صحابہ میں سب سے پہلے سکوت و توقف ہے، دوسرے مرحلے میں "اجتہادی خطا" سے آگے کچھ نہیں، یہ آخری حد ہے، بلکہ اگر کسی نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں "خطائے منکر" کا لفظ بھی بولا ہے تو علماء اہل سنت نے اس پر نقد کیا ہے، اور مفتی وقاص رفیع نے بار بار باغی وخاطی لکھا ہے اور کبھی لکھا ہے کہ "انھیں باغی ضرور کہیں گے"، یہ کون سے تمام اہل سنت کا مذھب ہے کہ انھیں باغی ضرور کہیں گے؟؟؟

پھر ایک ہے اہل سنت کا مذھب و عقیدہ اور ایک ہے اکابرین اہل سنت کی ذاتی آراء اور تحقیقات، دونوں کی حیثیت بالکل الگ الگ ہے، اول کی بنیاد اصول و قواعد پر ہے جبکہ شخصی آراء کی بنیاد اپنے اپنے جذبات ہیں، مطلب یہ کہ مسلک اہل سنت الگ چیز ہے اور سنی اکابر واصاغر کی اپنی ذاتی اور شخصی آراء ایک جدا چیز ہے، نام مسلک کا لیا جاتا ہے اور منوائی ہم سے ان کی ذاتی رائے جاتی ہے خواہ ٹھیک ہو یا غلط، اگر ان حضرات کی کسی غلط رائے کو رد کرنا خروج عن اہل السنۃ ہے تو صحابہ کرام پر اس طرح رائے زنی کرنا کہ ان کو ایک ہی سانس میں باغی، طاغی، ظالم، جائر وغیرہ کہہ ڈالا جائے یہ بھی سبائیت ہے، اگر بات کرنی ہے تو آئیں پہلے بغاوت کی جامع مانع تعریف کریں، امام کے خلاف خروج کیا ہوتا ہے وہ بتائیں، ہمیں یہ بتائیں کہ کسی حاکم کے خلاف خروج کن کن حالات میں جائز ہے اور کن کن حالات میں ناجائز ہے، اس کے بعد ان اصول کی بنیاد پر بات کریں.. اور پھر جہاں جہاں آپ کے اصول کی رو سے بغاوت کی تعریف فٹ بیٹھتی ہو وہاں اسے نافذ کریں ... لیکن ہمیں باور یہ کروایا جاتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں اگر کوئی باغی ہوا ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت معاویہ (رض) ہی ہوئے ہیں، اور اگر کسی اور پر بھی فقہی وشرعی بغاوت کی تعریف لاگو ہونے لگے تو اس وقت تعریف بدل دی جاتی ہے یا ہمیں صحابہ کرام کا مقام و مرتبہ یاد کروا کر کہا جاتا ہے کہ توبہ کرو، کانوں کو ہاتھ لگاؤ..... صحابہ کو باغی کہتے ہو؟ لکھنے والوں نے یہ لکھ دیا کہ "اسلام میں سب سے پہلی بغاوت حضرت معاویہ نے کی تھی" اور مفتی وقاص رفیع اس بات کی وکالت کرنے کے لیے میدان میں آگئے.. اور یہ ثابت

کرنے لگے کہ حضرت عثمان (رض) کو شہید کرنے والے تو باغی تھے ہی نہیں ... کتنے دکھ کی بات ہے کہ قاتلین عثمان (رض) کے بارے میں یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ انہوں نے بغاوت کی ہی نہ تھی ... اور حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں اس پر زور لگایا جارہا ہے کہ انہیں باغی کہنا لازمی ہے ...

الغرض! بات اصولوں پر ہوگی، اگر کسی کو "مجتہد" تسلیم کرنا ہے تو پھر اصول اجتہاد کا لحاظ کرنا ہوگا، اگر کسی کو باغی بنانا ہے تو بھی اصول بغاوت مقرر کرنے ہوں گے اور پھر آگے چلنا ہوگا ...

اکابر کے نادان وکیل : (قسط: 27)

مفتی وقاص رفیع (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ) نے اپنی کتاب "حضرت امیر معاویہ (رض) اور عباراتِ اکابر" کے صفحہ 606 سے مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی (رح) کی چند عبارات پر بات شروع کی ہے، مفتی وقاص رفیع نے اوکاڑوی صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ "وہ اپنے زمانے کے بہترین مناظر، نامور محقق اور کثیر التصانیف عالم تھے، آپ کے طرز استدلال، قوت گرفت، حاضر جوابی کے سامنے کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا" (حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 608) نیز مفتی وقاص رفیع نے انہیں "مناظر اسلام" کا خطاب بھی دیا ہے..

قارئین محترم! ایک بہترین محقق کے خاصیات میں سے ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ جب کسی روایت سے اپنے حق میں استدلال کرے تو اچھی طرح تحقیق کرلے کہ اس روایت کی حیثیت کیا ہے؟ سچی بھی ہے یا جھوٹے راویوں کی بیان کردہ ہے؟ اور اگر وہ اپنے کسی دعوے کی دلیل میں کوئی روایت (بنا اس کی حیثیت کی طرف اشارہ کیے) بیان کرتا ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ اس روایت کو صحیح سمجھتے ہوئے ہی اس سے استدلال کر رہا ہے... ایک "محقق" کے لیے یہ کافی نہیں کہ وہ حدیث یا تاریخ کی کسی کتاب میں موجود کسی موضوع یا غیر مستند اور ناقابل اعتبار روایت سے استدلال کرے، اور جب اس پر اعتراض کیا جائے تو اسے یہ کہہ کر بری الذمہ قرار دیا جائے کہ "محقق صاحب" نے تو فلاں کتاب سے یہ روایت نقل کی ہے، اگر اعتراض کرنا ہے تو اس اصل کتاب والے پر کیا جائے، اور اگر یہ روایت جھوٹی ہے تو بھی جس کی کتاب میں ہے اس پر اعتراض کیا جائے، ایسی باطل تاویلیں فرق باطلہ اکثر کرتے ہیں.

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب، حضرت معاویہ (رض) کے بیٹے یزید کا تعارف کرواتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"طبرانی میں ہے کہ یزید نوجوانی میں ہی شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا، جب حضرت معاویہ (رض) کو علم ہوا تو حضرت معاویہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ: بیٹا! ایسے کام نہ کرو کہ جس سے مروت ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں، اور فرمایا کہ: کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو، اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے، کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت و عیش میں گزارتے ہیں..."

(تجلیاتِ صفدر، جلد 1 صفحہ 520 طبع اول جمعیت اشاعت العلوم الحنفیہ فیصل آباد)

پھر مولانا اوکاڑوی نے اس کے بعد اپنی طرف سے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:

"باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا" (حوالہ بالا) اور اوکاڑوی صاحب چونکہ یزید کو شرابی، زانی ثابت کر رہے ہیں اس لیے یہ روایت انہوں نے اپنی دلیل میں پیش کی ہے اور اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا کہ اس روایت کی حیثیت کیا ہے؟ لہٰذا یقینی طور پر وہ اس روایت کو صحیح سمجھ کر ہی پیش کر رہے ہیں.

قارئین محترم! آپ اس روایت کے الفاظ پر غور فرمائیں، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے:

1: یزید نوجوانی میں بھی شرابی تھا اور حضرت معاویہ (رض) کے علم میں یہ بات آ گئی تھی کہ وہ شراب پیتا ہے.

2: حضرت معاویہ (رض) نے اسے (سختی سے نہیں) بلکہ نرمی سے سمجھایا کہ ایسے کام نہ کرو جس سے دشمن خوش ہوں اور دوست اسے برا سمجھیں.

3: پھر فرمایا کہ (چلو اگر تم یہ کام چھوڑ نہیں سکتے تو) پھر دن بھر صبر کرلیا کرو، اور جب رات آئے تو یہ کام کرلیا کرو کیونکہ رات کو کوئی دیکھتا نہیں.

4: اوکاڑوی صاحب کے بقول باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا.

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع اینڈ کمپنی ہمیں یہ سبق پڑھاتے ہیں کہ یزید کا فسق و فجور حضرت معاویہ (رض) کی زندگی میں "مستور" تھا، اور کسی کو اس کے بارے میں علم نہ تھا، اس لیے حضرت معاویہ (رض) اور ان تمام صحابہ کرام پر کوئی اعتراض نہیں آتا جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز دی، اس تجویز کو قبول کیا اور اس کی بیعت کی، اور یہاں اوکاڑوی صاحب کی پیش کردہ اس روایت سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید تو نوجوانی سے شرابی تھا اور یہ بات حضرت معاویہ (رض) کے علم میں تھی، اور انہوں نے بجائے اسے سختی سے روکنے کے نرمی کے ساتھ یہ نصیحت کی تھی کہ ایسے کام دن میں نہیں بلکہ رات کو کیے جاتے ہیں جب کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا..

خدا کے لیے! سوچیں کیا یہ حضرت معاویہ (رض) جیسے جلیل القدر صحابی کی ذات پر بہتان ہے یا نہیں؟؟ اوکاڑوی صاحب کو یزید کی ایسی تیسی کرتے ہوئے یہ بھی بھول گیا کہ ان کی "تحقیق" کی زد میں کون کون آرہا ہے؟؟

اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ "مناظر اسلام صاحب" کی اس دلیل سے چونکہ جماعت صحابہ، خاص طور پر حضرت معاویہ (رض) کی ذات پر بہت بڑا الزام آرہا ہے اس لئے اسے اوکاڑوی صاحب کا تسامح اور غلطی مان لیا جاتا.. لیکن قربان جائیں مفتی وقاص رفیع پر، ملاحظہ فرمائیں کیا فرماتے ہیں:

"یہ روایت اصل میں معجم طبرانی کی ہے، اور مولانا اوکاڑوی (رح) نے وہیں سے نقل کی ہے، لیکن ہاشمی صاحب (یعنی قاضی طاہر ہاشمی صاحب_ناقل) نے غالباً طبرانی کا نام لینا اس وجہ سے گوارہ نہیں کیا تاکہ کہیں اس روایت کی صحت کا کسی درجہ میں کوئی ثبوت ہی نہ مل جائے".

(حضرت معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 610)

قارئین محترم! ہمارا دعوی ہے کہ مفتی وقاص رفیع نے بھی یہ روایت امام طبرانی کی کسی بھی کتاب میں نہیں دیکھی.. اور اوکاڑوی صاحب نے صرف "طبرانی" لکھا ہے "معجم طبرانی" نہیں لکھا، یہ "معجم" کا لفظ مفتی وقاص رفیع نے اضافہ کیا ہے، نیز اوکاڑوی صاحب نے یہ بھی نہیں لکھا کہ یہ روایت "طبرانی" کی کس کتاب میں ہے، فرض کریں اگر قاضی طاہر ہاشمی صاحب یہ بھی ذکر کردیتے کہ اوکاڑوی صاحب نے یہ روایت طبرانی کے حوالے سے پیش کی ہے تو بھی مفتی وقاص رفیع طبرانی کی کسی کتاب سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نہیں دکھا سکتے.. ہم نے طبرانی کی تمام کتب چھان ماری ہیں ہمیں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ کہیں نہیں ملی، مفتی وقاص رفیع نے بھی یقیناً "شاملہ" کو چھانا ہوگا، اور ان کے انداز سے لگ رہا ہے کہ وہ اس روایت کی حقیقت کو جانتے ہیں.. اسی لیے تو ایسے الفاظ لکھ رہے ہیں کہ "اس روایت کی صحت کا کسی درجہ میں ثبوت" ... کیا مفتی وقاص رفیع، امام طبرانی کی کسی کتاب سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ دکھا کر ہماری مدد کر سکتے ہیں؟ ہم ممنون ہوں گے.

ممکن ہے اب مفتی وقاص رفیع کہیں کہ یہ بات "البدایۃ والنہایۃ" میں لکھی ہے کہ یہ روایت طبرانی نے نقل کی ہے (اور اوکاڑوی صاحب نے یہیں آگے ایک بات میں "البدایہ" کا حوالہ دیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی طبرانی سے براہ راست نقل نہیں کی بلکہ البدایہ میں ہی طبرانی کا نام دیکھا ہوگا. واللہ اعلم) ... تو عرض ہے کہ ثابت ہوا کہ نہ اوکاڑوی صاحب نے اور نہ ہی مفتی وقاص رفیع نے یہ زحمت کی کہ دیکھ تو لیں کہ یہ روایت طبرانی میں ہے بھی یا نہیں؟ ممکن ہے حافظ ابن کثیر (رح) سے بھی سہو ہو گیا ہو؟..

اگر اسی کا نام " تحقیق" ہے اور "اپنے زمانے کے نامور محقق" کا یہ حال ہے تو ہم طالب علموں کی تحقیق کیسی ہو گی؟؟

چلیں مفتی وقاص رفیع صاحب! اب ہماری تحقیق بھی پڑھ لیں، اور ہمیں یقین ہے کہ آپ بھی یہ بات جانتے ہیں اور آپ نے جان بوجھ کر یہاں "فریب" سے کام لیا ہے، البدایۃ والنہایۃ میں حافظ ابن کثیر نے جہاں یہ روایت نقل کی ہے اس کی سند یوں لکھی ہے:

"وَقَالَ الطَّبَرَانِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زَكَرِيَّا الْغَلَابِيُّ، ثَنَا ابْنُ عَائِشَةَ، عَنْ أَبِيهِ....."

(طبرانی کہا کہ: ہم سے محمد بن زکریا الغلابی نے بیان کیا، اس نے کہا کہ ہم سے ابن عائشۃ نے بیان کیا، اس نے اپنے باپ سے.... آگے یہ روایت مذکور ہے) (البدایۃ والنہایۃ، جلد 11 صفحہ 641، دار ہجر)

قارئین محترم! یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ محدثین ومؤرخین اپنی نقل کردہ روایات کی سند اسی لیے بیان کردیتے ہیں تاکہ تحقیق کرنے والے اچھی طرح چھان پھٹک کرکے جو بات صحیح ہو اسے لے لیں اور جو صحیح ثابت نہ ہو اسے نہ لیں.. اب یہاں اگرچہ ہمارے ناقص علم کے مطابق حافظ ابن کثیر (رح) سے "طبرانی" کا نام لکھنے میں سہو ہوا ہے (کم از کم مجھے طبرانی کی کسی دستیاب کتاب میں یہ روایت اس سند کے ساتھ نہیں ملی، اور مجھے اپنی تحقیق پر اصرار بھی نہیں) لیکن حافظ ابن کثیر (رح) کی عبارت سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ اس روایت میں "محمد بن زكريا الغلابی" راوی ہے، اور اس راوی کے بارے میں:

1: امام دار قطنی (رح) فرماتے ہیں کہ "يضع الحديث" یہ حدیثیں گھڑتا ہے.

(سؤالات الحاكم للدار قطنی، صفحہ 148، مکتبۃ المعارف، الریاض)

2: امام ذہبی (رح) لکھتے ہیں "محمد بن زكريا الغلابي كذاب" محمد بن زکریا الغلابی بڑا جھوٹا ہے.

(میزان الاعتدال، جلد 3 صفحہ 166 دار الفکر بیروت)

3: امام ابن جوزی (رح) نے ایک جگہ اسی راوی کی ایک روایت ذکر کرکے لکھا ہے "هذا حديث موضوع وضعه محمد بن زكريا" یہ من گھڑت حدیث ہے جسے محمد بن زکریا نے گھڑا ہے.

(الموضوعات لابن الجوزی، جلد 1 صفحہ 418، المکتبۃ السلفیۃ، المدینۃ).

قارئین محترم! اس روایت میں یہ تو ایک کذاب اور حدیثیں گھڑنے والا راوی ہے، نیز اگر اس کی مکمل سند دست یاب ہو تو ممکن ہے اس میں اور بھی ایسے ہی راوی ہوں، لہٰذا یہ روایت باطل اور من گھڑت ہے.

اور ہمیں یقین ہے کہ مفتی وقاص رفیع بھی یہ بات جانتے ہیں.. اسی لیے وہ آگے لکھتے ہیں:
" بہر حال اس روایت کی بھی اسنادی حیثیت جو بھی ہو بہر حال اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت کسی نہ کسی درجہ میں ثابت ضرور ہے، موضوع اور من گھڑت نہیں ہے، اور یزید سے مذکورہ بالا فاسقانہ اعمال کا ارتکاب ضرور ہوا ہے کہ بلا شبہ وہ نوجوانی میں ہی شراب پینے لگ گیا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں اس نے کرنی شروع کر دی تھیں، جب حضرت معاویہ (رض) کو اس کی ان حرکتوں کا علم ہوا تو انہوں نے اس کو نرمی سے سمجھایا کہ ایسی حرکتیں کرنی چھوڑ دو، لیکن اگر یہ حرکتیں کرنی ہی ہیں تو پھر کم از کم رات کو کر لیا کرو.."

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 610) .

ملاحظہ فرمائیں! دجل وفریب کی انتہاء، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مفتی وقاص رفیع اس روایت کی سند پر اپنی تحقیق پیش کرتے اور پھر ثابت کرتے کہ یہ روایت کسی نہ درجہ میں ثابت ضرور ہے.... لیکن برا ہو "اکابر پرستی" کا کہ جس روایت کی سند میں "کذاب" اور "وضاع" راوی ہوں، اور جس روایت سے حضرت معاویہ (رض) پر اتنا گھناؤنا الزام آتا ہو، مفتی وقاص رفیع یہ کہنے کے لیے تیار نہیں کہ ہاں یہ روایت جھوٹی ہے اور (بقول مفتی وقاص) "اپنے زمانہ کے بہترین محقق" اوکاڑوی صاحب نے اگر یہ بات جانتے بوجھتے نقل کی ہے تو یہ انہوں نے یزید کی آڑ میں حضرت معاویہ (رض) پر حملہ کیا ہے، اور اگر "محقق" صاحب نے بلا تحقیق ہی "طبرانی" کے حوالے سے یہ نقل کر دیا ہے تو یہاں ان سے تسامح اور غلطی ہو گئی ہے .. لیکن صد افسوس کہ مفتی وقاص رفیع نے خود یہ "سبائی مجلس" پڑھ دی کہ "اس روایت کی اسنادی حیثیت جو بھی ہو لیکن واقعہ ایسا ہی ہے" .... جیسے مفتی وقاص رفیع خود وہاں موجود تھے اور یزید کو جوانی میں شراب پیتے اور حضرت معاویہ

(رض) کو اس کا علم ہونے اور پھر اسے رات کو شراب پینے کی نصیحت کرنے کا واقعہ مفتی وقاص کے سامنے ہی ہوا ہے..

قارئین محترم! اندازہ کریں، جس شخص کے نزدیک جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ (رض) کی یہ حیثیت ہے کہ وہ لکھتا ہے کہ روایت چاہے جھوٹی ہو لیکن واقعہ ایسا ہی ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے یزید کی شراب نوشی کا علم ہونے پر اسے دن کو نہ پینے بلکہ رات کو پینے کا مشورہ دیا، اور پھر اس شرابی کو اپنا ولی عہد بھی بنایا، اور اس وقت موجود صحابہ کرام کی 99% اکثریت نے اس سے اختلاف نہیں کیا وہ اپنے آپ کو "اہل سنت کا وکیل" باور کرواتا ہے.. اور جو دلیل کے ساتھ ثابت کرے کہ یہ روایت جھوٹی ہے اور کسی سبائی نے گھڑی ہے، اور اوکاڑوی صاحب نے یہ روایت اپنے حق میں پیش کرکے جانے ان جانے میں رافضیت و سبائیت کی مدد کی ہے تو اسے "ناصبی" کہا جائے...

پھر مفتی وقاص رفیع کی مزید حماقت ملاحظہ فرمائیں، اس جھوٹی او باطل روایت کو درست فرض کرتے ہوئے عنوان لکھا ہے "حضرت معاویہ کے موقف کی وضاحت" اور اس کے نیچے لکھا ہے:

"اس سے حضرت معاویہ (رض) کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ واقعی دن کو ان فاسقانہ اعمال سے پہلو تہی کیا کرو اور جب رات کو رقیب کی آنکھ بند ہو جائے تو پھر اس قسم کی غلط حرکتیں کر لیا کرو، بلکہ حضرت معاویہ (رض) از راہ تہدید و تنبیہ یزید کو ان فاسقانہ اعمال سے مکمل طور پر بچنے کی ترغیب دے رہے ہیں کہ اول تو ان فاسقانہ اعمال کا ارتکاب کسی بھی وقت کسی بھی صورت نہیں کرنا چاہیے لیکن اگر کرنا ہی ہو تو کم از کم رات کو آدمی کرے، جب رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے اور دن کو نہ کرے کہ اس سے آدمی کی مروت ختم ہو جاتی ہے، دوست پریشان ہوتے ہیں اور دشمن خوش ہوتے ہیں"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 610 – 611)

قارئین محترم! آپ نے دیکھا کہ وہی بات جو اوکاڑوی صاحب نے ایک جھوٹی اور باطل روایت کی بناء پر لکھی تھی، مفتی وقاص رفیع نے بھی "چونکہ چنانچہ" کے ساتھ وہی بات لکھی ہے....

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے ٹائٹل پیج کی پیشانی پر سورۃ الحجرات کی آیت کریمہ لکھی ہے کہ "اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو".. لیکن افسوس کہ "محمد بن زکریا الغلابی" جیسے کذاب اور وضاع راوی کی بات کو تو مفتی وقاص رفیع "کسی نہ کسی درجہ میں ثابت" تسلیم کر رہے ہیں اور پھر حضرت معاویہ (رض) کی طرف منسوب اس جھوٹی بات کی وضاحتیں ان کی طرف سے پیش کر رہے ہیں، اور پھر وضاحت میں بھی گھما پھرا کر وہی بات کر رہے ہیں.

جبکہ یہی مفتی وقاص رفیع اپنی اسی کتاب میں صراحت کے ساتھ لکھ آئے ہیں کہ:

""یزید خلیفہ بننے سے پہلے چھپ چھپ کر بعض خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتا تھا (جیسے مفتی وقاص اس کے عینی گواہ ہیں_ناقل) جس سے حضرت معاویہ (رض) سمیت دیگر صحابہ و تابعین سمیت سب بے خبر تھے"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 597)

پھر اگلے صفحے پر لکھا کہ:

"چنانچہ ولی عہد بنتے وقت یزید کے فسق و فجور کے واقعات مستور تھے اور وہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھے" (صفحہ 598)

اور یہاں اوکاڑوی صاحب نے طبرانی یا ابن کثیر کا نہیں بلکہ اپنا تبصرہ یوں کیا ہے کہ:

" باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا"

اب مفتی وقاص رفیع کی کون سی بات درست ہے؟ ولی عہد بننے سے پہلے یزید کی شراب نوشی اور دیگر فاسقانہ اعمال سے حضرت معاویہ (رض) اور دیگر صحابہ بے خبر تھے یا با خبر تھے؟؟ اگر بے خبر تھے تو پھر اوکاڑوی صاحب تو فرماتے ہیں کہ " باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا"؟؟ یعنی انہیں اچھی طرح یزید کی شراب نوشی اور فاسقانہ اعمال کا علم تھا..... کسی نے درست ہی کہا کہ:

اذا فاتك الحياء فافعل ما شئتَ ... بے حیا باش وہرچہ خواہی کن..

اور پھر مفتی وقاص رفیع کی یہ بات بھی پڑھیں کہ:

"چنانچہ یزید کا نوجوانی میں شراب پینے اور نوجوانوں والی حرکتیں کرنے کا واقعہ حضرت معاویہ (رض) کے دور کا ہے کہ جس میں حضرت معاویہ (رض) نے اسے نرمی سے نصیحت فرمائی اور از راہ تہدید وتنبیہ فرمایا کہ اگر یہ کام کرنے ہی ہیں تو کم از کم رات کو کرلیا کرو البتہ دن کو نہ کیا کرو" (حضرت امیر معاویہ وعباراتِ اکابر، صفحہ 612) ... شرم تم کو مگر نہیں آتی

پھر یہ نوجوانوں والی حرکات کیا ہوتی ہیں؟ مفتی وقاص بھی خود نوجوان ہیں، انھیں چاہیے تھا کہ اس کی بھی تفصیل بتاتے، نیز حضرت معاویہ (رض) اس وقت خلیفہ وقت تھے، ان کے پاس سارا اختیار تھا، وہ یزید سے ڈرتے نہ تھے کہ اسے یوں تہدید کرتے کہ چلو اگر ضروری یہ کام کرنے ہی ہیں تو رات کو کیا کرو دن میں احتیاط کیا کرو، بلکہ تہدید یوں ہوتی کہ اگر مجھے آئندہ پتہ چلا تو تم پر شرب خمر کی حد جاری کروں گا، بلکہ جب انھیں پتہ چلا تو اس وقت بھی اسے سزا دیتے .... لیکن برا ہو "سبائی" جراثیم کا کہ انھیں یزید کی ایسی تیسی کرنے سے غرض ہے چاہے اس سے کسی صحابی پر بھی حرف آتا ہو... اور اگر کوئی صحابہ کرام کا دفاع کرنے آئے تو اسے "یزیدی" اور "ناصبی" کے فتووں کا سامنا ہوتا ہے.

آگے مفتی وقاص رفیع نے اوکاڑوی صاحب کے دفاع میں ایک جواب یہ دیا ہے کہ:

"مولانا اوکاڑوی کا حضرت معاویہ (رض) کے متعلق یہ عقیدہ ہر گز نہیں تھا کہ انہوں نے واقعی یزید کو اس قسم کی نصیحت کی فرمائی ہے کہ دن کو اس قسم کے فاسقانہ اعمال مت کیا کرو، بلکہ رات کو جب رقیب کی آنکھ بند ہو جائے تب کرلیا کرو، بلکہ جس طرح مولانا عبدالغفور سیال کوٹی صاحب نے یزید کی مدح سرائی اور اس کی تعریف وتوصیف میں ہر قسم کی روایات جمع کرکے اس کی مدح و تحسین فرمائی ہے تو اسی طرح مولانا اکاڑوی نے بھی جواب بالمثل کے طور پر یزید کے جملہ فاسقانہ و فاجرانہ افعال شنیعہ و عمال قبیحہ سے متعلق ہر قسم کی روایت جمع کرکے اس کے فسق وفجور اور اس کے کردار سے پردہ چاک کیا ہے"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 611)

قارئین محترم! اگر تو مفتی وقاص رفیع کو امین اوکاڑوی صاحب نے عالم برزخ سے یہ بات بتائی ہے تو انھیں چاہئے تھا کہ وہ اس کا حوالہ دیتے، ورنہ اوکاڑوی صاحب کی "تجلیات صفدر" آج بھی شائع ہو رہی ہے، اس میں اوکاڑوی صاحب کا یہ "کھلا خط بنام ابو ریحان عبدالغفور" آج بھی موجود ہے، اس میں یہ بات اسی طرح موجود ہے (یہ خط تجلیات صفدر طبع اول فیصل آباد کے صفحہ 514 تا 530 پر اور مکتبہ امدادیہ ملتان سے طبع شدہ تجلیات صفدر کی جلد 1 کے صفحہ 563 تا 578 پر پڑھا جا سکتا ہے) پھر نہ جانے مفتی وقاص رفیع ہمیں کیوں فریب دے رہے ہیں؟ کیا وہاں اوکاڑوی صاحب نے یہ لکھا تھا کہ "میرے نزدیک اگرچہ یہ روایت باطل یا غیر مستند ہے اور میرا یہ عقیدہ نہیں، میں تو صرف مولانا ابو ریحان کے جواب میں یزید کی ایسی تیسی کرنے کے لیے جھوٹ سچ ہر قسم کی روایات لکھ رہا ہوں"؟؟؟

پھر کیا عجیب منطق ہے اوکاڑوی صاحب کے اس وکیل کی، کہتے ہیں کہ: مولانا ابو ریحان سیالکوٹی نے چونکہ یزید کی مدح و توصیف میں ہر قسم کی روایات جمع کی تھیں اس لیے اوکاڑوی صاحب نے جواب بالمثل کے طور پر وہی کام کیا اور ہر قسم کی روایت پیش کر دیں"...

قارئین محترم! کیا "اپنے زمانہ کے نامور محقق" ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مد مقابل کی پیش کردہ کسی غیر مستند بات یا باطل روایات کو تحقیق سے باطل اور غیر مستند ثابت کرنے کے بجائے خود بھی جھوٹی اور باطل روایات پیش کرنا شروع کر دیں؟؟

نوٹ: ہمارا مقصد یہاں یزید کے فسق یا شراب نوشی پر بحث کرنا نہیں، ورنہ ہم آج کے سبائیت گزیدہ سنی نما محققین کی تحقیق کا مکمل پوسٹ مارٹم کرتے، یہاں صرف قارئین محترم کے علم میں اضافے کے لئے اتنی وضاحت کریں گے کہ اوکاڑوی صاحب کے اس خط کا قصہ کچھ یوں ہے کہ ان کا ایک مضمون بہ عنوان "سیدنا حسین رضی اللہ عنہ" ماہنامہ "الخیر ملتان" میں محرم 1416 ہجری میں چھپا تھا، اس مضمون کی چند باتوں پر جامعہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اور مولانا محمد یوسف بنوری (رح) کے ایک تلمیذ مولانا محمد امین اورکزئی رحمۃ اللہ علیہ (جو بعد میں ایک واقعہ میں شہید ہو گئے) نے "الخیر" کے مدیر مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب کو ایک خط لکھا تھا، وہ خط جالندھری صاحب نے اوکاڑوی صاحب کو دے دیا، اس کے جواب میں اوکاڑوی

صاحب نے " کھلا خط بنام مولانا محمد امین اورکزئی" لکھ دیا (یہ بھی تجلیات صفدر میں اسی جگہ موجود ہے)، مولانا محمد امین اورکزئی شہید (رح) اور مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی (رح) دونوں جامعہ بنوری ٹاؤن کے ساتھی اور حضرت بنوری (رح) کے پرانے شاگردوں میں سے تھے .. تو اس کے بعد مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی (رح) نے اوکاڑوی صاحب کو ایک خط بھیجا، جو مورخہ 15 اکتوبر 1995ء کو انھیں بذریعہ ڈاک ارسال کیا گیا، اور اس کے دو ماہ بعد ماہ نامہ "نقیب ختم نبوت" بابت ماہ دسمبر 1995 تا مارچ 1996ء قسط وار شائع ہوا تھا، اوکاڑوی صاحب نے اس خط کا جواب مولانا ابوریحان سیالکوٹی (رح) کو نہیں بھیجا تھا جیسا کہ مولانا ابوریحان (رح) نے انھیں بذریعہ ڈاک ارسال کیا تھا، بلکہ اکتوبر 1996 میں "تجلیات صفدر" کے پہلے ایڈیشن کی جلد اول میں شائع کروادیا ...

مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی (رح) نے ہر گز ہر گز اپنے خط میں یزید کی مدح و توصیف نہیں کی تھی اور نہ ہی اس خط کا یہ موضوع ہی تھا بلکہ اس خط میں اوکاڑوی صاحب کا اس بارے میں "غلوّ" زیر بحث تھا، ایسا غلوّ جس سے حضرت معاویہ (رض) اور اس یزید کی ولی عہدی کی تائید کرنے والے صحابہ کرام پر زد پڑتی تھی...

میرا دعوا ہے کہ مفتی وقاص رفیع نے مولانا ابوریحان سیالکوٹی (رح) کا وہ خط پڑھا ہی نہیں، بس یونہی یہ پھلجڑی چھوڑ دی ہے کہ "چونکہ سیالکوٹی صاحب نے اپنے خط میں یزید کی مدح و توصیف میں ہر قسم کی روایات پیش کی تھیں، اس لیے اوکاڑوی صاحب نے بھی جواب میں ہر قسم کی روایات پیش کردیں".... بلکہ اوکاڑوی صاحب تو مولانا ابوریحان (رح) کے خط میں اٹھائے گئے علمی سوالات کا تسلی بخش جواب بھی نہ دے سکے، جسے مزید تحقیق کا شوق ہو اس کے لیے مولانا ابوریحان (رح) کا خط پڑھنا نہایت ضروری ہے.

قارئین محترم! خوش قسمتی سے ابھی حال ہی میں مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 2010ء) کا تقریباً 700 صفحات پر مشتمل ایک مجموعہ مضامین بنام "دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" شائع ہوا ہے، اس میں اوکاڑوی صاحب کے نام ان کا لکھا ان کا وہ خط مکمل موجود ہے، اور ساتھ ہی اس کے جواب میں اوکاڑوی صاحب کا لکھا وہ کھلا خط بھی پورا نقل کیا گیا ہے اور حاشیے میں مرتب کی طرف سے اوکاڑوی کھلے خط کا مکمل پوسٹ مارٹم بھی کردیا گیا ہے .... نیز اس اوکاڑوی خط کے جواب الجواب میں مولانا ابوریحان رحمۃ

اللہ علیہ نے جو خط اوکاڑوی صاحب کو مورخہ 27 ربیع الثانی 1418 ہجری کو بذریعہ ڈاک بھیجا تھا وہ بھی اب شائع کر دیا گیا ہے، میرا مفتی وقاص رفیع اور اپنے تمام قارئین کو مشورہ ہے کہ وہ ان تمام خطوط کا مطالعہ کرلیں... ان شاء اللہ طبیعت صاف ہو جائے گی..

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 28)

مولانا محمد امین اوکاڑوی (رح) مزید لکھتے ہیں:

"حضرت مغیرہ بن شعبہ (المتوفی 50 ہجری) کو حضرت معاویہ (رض) نے بوجہ کبر سنی امارت کوفہ سے معزول کر دیا اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص کو "اس" کی جگہ گورنر بنایا جائے، تو مغیرہ (رض) اس پر نادم ہوئے اور انہوں نے آکر یزید کو کہا کہ تم اپنے باپ سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہیں ولی عہد بنا دے، تو یزید نے باپ سے عرض کر دیا، معاویہ (رض) نے پوچھا کہ تمہیں یہ مشورہ کس نے دیا ہے؟ یزید نے کہا: مغیرہ بن شعبہ (رض) نے، معاویہ (رض) کو مغیرہ (رض) کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور "اس" کو امارت کوفہ پر برقرار رکھا اور "اسے" حکم دیا کہ یزید کی ولی عہدی کے لیے کوشش کرو، حضرت مغیرہ (رض) نے یہ کوشش شروع کر دی".

(پھر اوکاڑوی صاحب یہ بیان کرتے ہیں کہ آخر کار پانچ کے سوا باقی تمام صحابہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی) اور آگے لکھتے ہیں:

"ان پانچ حضرات کو حضرت معاویہ (رض) دھمکاتے ڈراتے رہے"

(تجلیات صفدر، جلد 1 صفحات 521 – 522 طبع اول)

قارئین محترم!

اوکاڑوی صاحب کی اس تحریر کو ایک بار پھر پڑھیں، اس میں انہوں نے کہیں حوالہ نہیں دیا کہ یہ بات انہوں نے کس کتاب سے نقل کی ہے، نیز اس پیراگراف میں اوکاڑوی صاحب نے تین بار حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں "اس" کا لفظ لکھا ہے، (ایک "اس کی جگہ"، دوسرا "اس کو امارت کوفہ پر" اور

تیسرا "اسے حکم دیا" میں، میں نے نیچے لائن لگا دی ہے)، غور فرمائیں ! یہ ان صحابی کے بارے میں انداز تکلم ہے جو غزوہ خندق کے سال مسلمان ہوئے اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے.

بہر حال ! اوکاڑوی صاحب کی اس تحریر سے یہ باتیں سمجھ آتی ہیں:

1: حضرت معاویہ (رض) نے حضرت مغیرہ (رض) کو کبر سنی کی وجہ سے کوفہ کی امارت سے معزول کر دیا تھا.

2: حضرت مغیرہ (رض) نے یزید سے کہا کہ تم اپنے والد (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہیں اپنا ولی عہد مقرر کر دیں.

3: یزید نے جب یہ بات اپنے والد سے کہی، تو انہوں نے پوچھا کہ تمہیں یہ مشورہ کس نے دیا ہے؟ یزید نے حضرت مغیرہ (رض) کا نام لیا، تو حضرت معاویہ (رض) نے خوش ہو کر انہیں دوبارہ کوفہ کا امیر مقرر کر دیا.

4: نیز حضرت معاویہ (رض) نے حضرت مغیرہ (رض) کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ یزید کو ولی عہد مقرر کرنے کی کوششیں کریں، جو انہوں نے شروع کر دیں.

5: آخر کار پانچ کے سوا باقی تمام صحابہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی.

6: جن پانچ نے بیعت نہ کی انہیں حضرت معاویہ (رض) دھمکاتے ڈراتے رہے.

قارئین محترم ! جو اردو عبارت اوکاڑوی صاحب نے لکھی ہے، کیا کسی بھی باشعور انسان کو اس سے یہ مفہوم سمجھ نہیں آتا کہ حضرت مغیرہ (رض) کو چونکہ حضرت معاویہ (رض) نے امارت سے معزول کر دیا تھا اس لیے انہوں نے یہ چال چلی کہ یزید سے یہ کہا کہ وہ اپنے والد کے پاس جا کر ولی عہدی کا مطالبہ کرے، پھر حضرت معاویہ (رض) کو یہ مشورہ پسند آتا ہے اور اس کے انعام میں وہ حضرت مغیرہ (رض) کو واپس امیر بنا دیتے ہیں، اور ان کے ذمہ یزید کی ولی عہدی کے لیے راہ ہموار کرنے کا کام لگاتے ہیں جو بقول اوکاڑوی صاحب ، حضرت مغیرہ (رض) نے شروع بھی کر دیا؟ پھر کیا اس میں صاف یہ نہیں لکھا کہ "جن پانچ صحابہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کسی وجہ سے نہیں کی تھی انھیں حضرت معاویہ (رض) دھمکاتے ڈراتے رہے؟ یقیناً

یہی مفہوم ہے اس عبارت کا، اس عبارت میں دو صحابہ کے بارے میں شکوک پیدا کیے گئے ہیں کہ ایک نے تو اپنی امارت بچانے کے لیے یزید کو یہ مشورہ دیا، اور دوسرے نے اس مشورے پر خوشی کا اظہار کیا اور اس کے بدلے امارت واپس کر دی (ایک قسم کی رشوت کا تصور ذہن میں آتا ہے) نیز پھر اپنے بیٹے کی ولی عہدی کی بیعت نہ کرنے والوں کو ڈراتے دھمکاتے رہے۔

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع نے یہاں قاضی طاہر ہاشمی صاحب کے بارے میں کہ جنہوں نے اوکاڑوی صاحب کی یہ توہین آمیز عبارت نقل کی تھی، یوں ہرزہ سرائی کی ہے:

"یہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا خبث باطن اور ان کی اکابر دشمنی ہے کہ وہ ہر سیدھی چیز کو الٹی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اکابر کی جو تحقیق یزیدیت ازم اور ناصبیت ازم کے خلاف پڑ رہی ہو وہ اس کو ہر طرح سے رد کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 614)

میں عرض کرتا ہوں کہ جہاں تک "خبث باطن" کی بات ہے تو حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں "خبث باطن" تو مذکورہ عبارت سے واضح ہے... ہاں اگر مفتی وقاص رفیع "سبائی آنکھ" سے دیکھیں گے تو انھیں شاید یہ "منقبت صحابہ" ہی نظر آئے... لہٰذا "باطن" کے اصلاح کی ضرورت مفتی وقاص رفیع کو ہے نہ کہ ان کو جنہوں نے اوکاڑوی صاحب کی اس توہین آمیز عبارت پر اعتراض کیا..

اور جہاں تک بات ہے "اکابر کی یزیدیت ازم اور ناصبیت ازم" کے خلاف پڑ رہی بات کی تو معاف کیجیے گا! اگر "رد یزیدیت و ناصبیت" اس کا نام ہے کہ صحابہ کرام کو خود غرض اور سازشی ثابت کیا جائے تو مفتی وقاص رفیع کی یہ بات درست ہے، ممکن ہے ان کے نزدیک "رد یزیدیت" اسی کا نام ہو، لیکن ہمارے نزدیک "رد یزیدیت و ناصبیت" کا نام لے کر صحابہ کرام کے بارے میں بکواس کرنا "خدمت سبائیت" ہے اور کچھ نہیں

... میں نے اوکاڑوی صاحب کی یہ بات بار بار پڑھی ہے، مجھے تو اس میں کسی قسم کا "ردِ یزیدیت و ناصبت" کہیں نظر نہیں آیا، بلکہ نظر آیا ہے تو حضرت مغیرہ (رض) کو خود غرض ثابت کرنا اور حضرت معاویہ (رض) کا اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنے کے لیے کوشش کرنے کے بدلے ایک معزول امیر کو دوبارہ امارت پر بحال کرنا اور پھر اس کی بیعت نہ کرنے والوں کا دھمکانا ڈرانا ہی سمجھ آیا ہے ... اس میں معلوم نہیں کیسے "رد یزیدیت و ناصبت" ہے؟؟؟ شاید اوکاڑوی صاحب اور ان کے وکیل مفتی وقاص رفیع کے نزدیک حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ (رضی اللہ عنہما) "یزیدی اور ناصبی" تھے، جن پر اوکاڑوی نکتہ چینی کو "ردِ یزیدیت و رد ناصبیت" کا نام دیا جارہا ہے.

اب آئیں دیکھتے ہیں، مفتی وقاص رفیع کس طرح اوکاڑوی صاحب کی اس عبارت کا دفاع کررہے ہیں، لکھتے ہیں:

"دراصل مولانا اوکاڑوی (رح) نے یہ واقعہ البدایۃ والنہایۃ سے نقل کیا ہے (جس پر قرینہ مولانا موصوف کے ترجمہ کے الفاظ ہیں) اور ابن خلدون اور کامل ابن اثیر میں بھی اس واقعہ کے بعض حصوں کا ذکر ہے، لیکن نہ تو البدایۃ والنہایۃ میں کسی ایسی بات کا ذکر ہے کہ جس کی بناء پر حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کی اس تجویز کو ذاتی مفاد پر مبنی قرار دیا جائے اور نہ ہی مولانا اوکاڑوی (رح) نے ترجمہ میں کسی ایسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے، بلکہ البدایۃ والنہایۃ میں تو اور بھی زیادہ واضح اور صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) نے حضرت معاویہ (رض) کے پاس خود آکر امارت کوفہ سے استعفاء دیا تھا"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 614)

قارئین محترم! اوکاڑوی صاحب نے ہرگز نہیں لکھا کہ "میں نے یہ افسانہ البدایۃ والنہایۃ سے نقل کیا ہے"، یہ مفتی وقاص رفیع کا اپنا گمان ہے، پھر ملاحظہ فرمائیں! مفتی وقاص رفیع خود لکھتے ہیں کہ: "البدایۃ والنہایۃ میں تو اور بھی زیادہ واضح اور صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) نے حضرت معاویہ

(رض) کے پاس خود آ کر امارت کوفہ سے استعفاء دیا تھا"، تو اگر البدایۃ والنہایۃ میں صاف طور پر یہ لکھا تھا کہ حضرت مغیرہ (رض) نے خود "استعفاء" دیا تھا، تو اوکاڑوی صاحب نے تو یہ لکھا تھا کہ : " حضرت مغیرہ بن شعبہ کو حضرت معاویہ (رض) نے بوجہ کبر سنی امارت کوفہ سے معزول کر دیا"، کیا "معزول کرنا" اور "خود استعفاء دینا" ایک ہی چیز ہوتی ہے؟؟ اگر اوکاڑوی صاحب نے یہ کہانی "البدایۃ والنہایۃ" سے نقل کی ہوتی تو وہ "معزول کرنا" نہ لکھتے .... مفتی وقاص رفیع نے سب کو اپنے جیسا علمی بونا ہی سمجھ رکھا ہے جو وہ فریب پر فریب دیتے ہیں.

اور مزے کی بات، مفتی وقاص رفیع نے آگے خود "البدایۃ والنہایۃ" کی عبارت لکھی ہے اور اس کا ترجمہ کرنے کے بعد لکھا ہے :

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ (رض) نے حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کو امارت کوفہ سے از خود معزول نہیں کیا بلکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) نے خود اپنے ضعف اور کبی سنی کی وجہ سے استعفاء پیش کر دیا تھا، تاریخ کے اولین مآخذ میں تو واقعہ صرف اتنا ہی ہے" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب : صفحہ 615)

قارئین محترم! مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ مفتی وقاص رفیع، اوکاڑوی صاحب کا دفاع کر رہے ہیں یا انھیں جھٹلا رہے ہیں؟؟ اوکاڑوی صاحب نے جو افسانہ لکھا ہے اس میں تو صاف لکھا ہے کہ "حضرت معاویہ (رض) نے حضرت مغیرہ (رض) کو معزول کیا تھا"..... اور مفتی وقاص رفیع یہ ثابت کر رہے ہیں کہ انہوں نے خود استعفاء دیا تھا.

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے اوکاڑوی عبارت پر آنے والے اصل اعتراض کا جواب دینے کے بجائے ادھر ادھر کی دور از کار تاویلات کی ہیں اور بجائے اوکاڑوی صاحب کی اردو عبارت پر بات کرنے کے وہ ابن کثیر اور ابن اثیر کی عبارات کو لے کر بیٹھے ہیں، اور پھر ان کی عبارات کے دو مفہوم بیان کرتے ہیں جن کی کوئی

ضرورت ہی نہیں کیونکہ یہ واقعہ ہی سرے سے غیر مستند اور ناقابل اعتبار ہے .. اس کا خلاصہ میں عرض کر دیتا ہوں ..

مفتی وقاص رفیع نے "البدایۃ والنہایۃ" سے جو عربی عبارت لکھی ہے اس کے ابتدائی الفاظ ہیں : "فروی ابن جریر عن طریق الشعبی ....." کہ یہ بات "ابن جریر طبری" نے "شعبی" کے واسطے سے ذکر کی ہے ..... یعنی حافظ ابن کثیر (رح) نے یہ بتا دیا کہ یہ بات میں نے "ابن جریر طبری" سے نقل کی ہے، اور جب ہم تاریخ طبری دیکھتے ہیں کہ تو ہمیں سنہ 56 ہجری کے واقعات میں اس قسم کی ایک روایت ملتی ہے جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے، لیکن اس روایت کے الفاظ اس سے کافی مختلف ہیں جو اوکاڑوی صاحب نے لکھے ہیں.... اور وہاں بھی "حضرت معاویہ (رض) کے حضرت مغیرہ (رض) کو معزول کرنے" کا ذکر نہیں بلکہ ان کے "استعفاء" کا ہی ذکر ہے... وہ روایت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

"حَدَّثَنِي الْحَارِثُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْمَاعِيلَ الهمداني وعلي بن مُجَاهِدٍ، قَالا: قَالَ الشَّعْبِيّ: قدم الْمُغِيرَة عَلَى مُعَاوِيَة واستعفاه وشكا إِلَيْهِ الضعف، فأعفاه....."

(ابن جریر طبری کہتے ہیں) مجھ سے حارث نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہم سے علی بن محمد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہم سے ابو اسماعیل الہمدانی اور علی بن مجاہد دونوں نے بیان کیا، ان دونوں نے کہا کہ ہم سے شعبی نے کہا کہ : حضرت مغیرہ، حضرت معاویہ کے پاس آئے اور کمزوری کی بناء پر اپنا استعفاء پیش کیا جو انہوں نے قبول کر لیا ...الخ...

(تاریخ طبری، جلد 5 صفحہ 301 دار التراث بیروت)

ایک تو ملاحظہ فرمائیں، یہاں بھی "استعفاء" پیش کرنے کا ذکر ہے نہ کہ "معزولی" کا، لہٰذا اوکاڑوی صاحب نے یہ "معزولی" والی بات کہاں سے لی؟ اس کا کوئی پتہ نہیں.

اب آیئے اس روایت کے راویوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں، شعبی سے روایت کرنے والے دو راوی ہیں، ایک ہے "**علی بن مجاهد**" اور دوسرا ہے "**ابو اسماعیل الهمدانی**"، علی بن مجاہد سے مراد اگر تو "علی بن مجاہد بن مسلم بن رفیع الکابلی" ہے تو اس کے بارے میں امام یحیٰی بن معین نے فرمایا ہے کہ: **کان یضع الحدیث**... وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا، نیز فرمایا کہ: اس نے مغازی کی ایک کتاب لکھی تھی اور ہر بات کی سند خود گھڑا کرتا تھا... امام ابو حاتم رازی نے یحیٰی بن ضریس کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: "**علی بن مجاهد کذّاب**" کہ علی بن مجاہد بڑا جھوٹا ہے... امام ذہبی نے بھی اسے "**احد الضعفاء**" ضعیف راویوں میں سے ایک.. لکھا ہے... تفصیل کے لیے دیکھیں: (تہذیب التہذیب، جلد 7 صفحہ 377/ میزان الاعتدال، جلد 3 صفحہ 152 و جلد 4 صفحہ 525 نیز دیکھیں "صحیح وضعیف تاریخ الطبری، جلد 9 صفحہ 126 دار ابن کثیر بیروت).

اور اگر "علی بن مجاہد" سے مراد یہ "کابلی" نہیں تو پھر یہ مجہول ہے... اسی طرح دوسرا راوی "ابو اسماعیل الہمدانی" بھی مجہول ہی ہے اس کا کوئی ذکر اذکار ہمیں نہیں ملا.

تو دوستو! یہ ہے اس اوکاڑوی افسانے کی حقیقت... جو اوکاڑوی صاحب نے بغیر کسی حوالے اور بغیر کسی کتاب کا حوالہ دیے لکھا ہے.. اور یقیناً ان کے نزدیک یہ افسانہ سچا اور صحیح تھا تو انہوں نے اتنے اعتماد سے لکھ دیا اور کسی کتاب کا حوالہ دینے کی بھی ضرورت نہ محسوس کی.

مفتی وقاص رفیع اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے

قارئین محترم! آپ نے دیکھا کے مولانا محمد امین اوکاڑوی صاحب (رح) نے صاف طور پر یہ لکھا تھا کہ:

"حضرت مغیرہ بن شعبہ کو حضرت معاویہ (رض) نے بوجہ کبر سنی امارت کوفہ سے معزول کر دیا اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص کو "اس" کی جگہ گورنر بنایا جائے"

اور مفتی وقاص رفیع نے اس جھوٹی روایت پر بات کرتے ہوے اس کا "دوسرا مفہوم" یہ بیان کیا ہے کہ "حضرت مغیرہ (رض) نے خود استعفی پیش کیا تھا"... اور پھر قربان جائیں مفتی وقاص رفیع پر کہ وہ لکھتے ہیں:

"خود ہمارا اور مولانا اوکاڑوی سمیت تمام علمائے اہل سنت کا ضمیر یہ کہتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ (رض) کی جلالت شان اور ان کے مقام صحابیت کے پیش نظر دوسرا مفہوم اختیار کیا جائے" (حضرت معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 617)

یعنی اوکاڑوی صاحب نے "عالم برزخ" سے مفتی وقاص رفیع کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ "بیٹا! میں نے تو جو لکھا تھا ناں کہ: حضرت معاویہ (رض) نے حضرت مغیرہ (رض) کو معزول کیا تھا.. تو اس بارے میں میرا ضمیر یہ کہتا تھا کہ انہوں نے معزول نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے خود استعفاء دیا تھا..... اللہ اللہ کیا زبردست وکالت ہے اکابر کی.

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 29)

اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 618 سے مفتی وقاص رفیع نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی بات شروع کی ہے، سب سے پہلے تو حضرت قاضی صاحب (رح) کے ہاتھوں ہونے والے ایک قتل کی بات کا ذکر ہے، لیکن چونکہ اس کا تعلق قاضی صاحب کی ذات کے ساتھ ہے اس لئے میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا.

دوسرے نمبر پر مفتی وقاص رفیع نے "حق چار یار" کے نعرے پر بات شروع کی ہے، اور دعوا کیا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ قرن اول سے اہل سنت کا یہی اعتقاد چلا آرہا ہے... چنانچہ مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

"حق چار یار سے مراد خلافت راشدہ موعودہ کا اثبات ہے.. اس میں شک نہیں کہ حضرت حسن مجتبی (رض) اور حضرت معاویہ (رض) سمیت خلفاء وغیر خلفاء صحابہ ہی برحق ہیں، کوئی مومن بالقرآن ان کے برحق ہونے کی نفی نہیں کر سکتا، لیکن حق چار یار کا جو نعرہ حضرات خلفائے اربعہ (رض) کے حق میں خصوصیت کے ساتھ لگایا جاتا ہے تو یہ ہر گز نئی چیز نہیں، بلکہ قرن اول سے اہل سنت کا یہی اعتقاد چلا آرہا ہے"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 619 — 620) .

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے امام طحاوی (م 321 ہجری)، امام ابوالحسن اشعری (م 324 ہجری)، امام جوینی (م 478 ہجری)، امام غزالی (م 505 ہجری)، امام عبدالغنی المقدسی (م 600 ہجری)، علامہ ابن قدامہ حنبلی (م 620 ہجری)، امام جلال الدین سیوطی (م 911 ہجری) کی چند عبارات پیش کی ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی "قرن اول" سے تعلق نہیں رکھتا، جبکہ مفتی وقاص رفیع نے دعوی یہ کیا ہے کہ:

"حق چار یار کا جو نعرہ حضرات خلفائے اربعہ (رض) کے حق میں خصوصیت کے ساتھ لگایا جاتا ہے تو یہ ہر گز نئی چیز نہیں، بلکہ قرن اول سے اہل سنت کا یہی اعتقاد چلا آرہا ہے"، پھر جتنی بھی عبارات مفتی وقاص رفیع نے پیش کی ہیں ان میں یہ تو بیان ہے کہ "حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین خلفاء راشدین ہیں"، لیکن کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ "خلافت راشدہ" کا نعرہ لگا کر اس کے جواب میں "حق چار یار" کہنا ہے ... ہمارا اعتراض اس مخصوص نعرے پر ہے نہ کہ اس پر کہ خلفاء اربعہ "خلفاء راشدین" ہیں یا نہیں .. ہمیں ثبوت اس نعرے کا درکار ہے، کیا یہ نعرے بھی ان حضرات نے لگائے تھے جن کے حوالے مفتی وقاص رفیع نے دیے ہیں؟؟، یاد رہے کہ اس نعرے کا پہلا حصہ "خلافت راشدہ" عربی الفاظ پر مشتمل ہے، جبکہ دوسرے حصے میں "چار یار" فارسی کے لفظ ہیں.

مفتی وقاص رفیع پوچھتے ہیں کہ: "کیا محولہ بالا اکابر اور ان جیسے دیگر تمام حضرات علمائے حق اہل سنت ناقدین معاویہ (رض) میں شامل ہیں؟"

تو عرض ہے کہ: اگر تو کسی نے یہ نعرہ اس غرض سے لگایا ہو کہ مقصد حضرت معاویہ (رض) کی خلافت کو غیر راشدہ ثابت کرنا ہو تو وہ یقینا ناقدین میں شامل ہیں، اور قاضی مظہر صاحب کی بات خود مفتی وقاص رفیع نے یوں نقل کی ہے کہ:

"چار یار سے وہی چار خلفاء راشدین مراد ہیں جن کو قرآنی وعدہ کے تحت اللہ تعالی نے خلافت راشدہ عطا فرمائی ہے، اس خلافت راشدہ کے اعلان کے جواب میں چار یار پکارا جاتا ہے، اور قرآن کی خلافت راشدہ کا مصداق صرف یہی چار خلفاء ہیں"

(مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 622)

مزید لکھتے ہیں:

"حضرت حسن (رض) گو خلیفہ برحق ہیں، اور ان کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ (رض) بھی خلیفہ برحق ہیں، اور ان کو رشد و ہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں، لیکن قرآن کی مراد کے تحت ان کو خلیفہ راشد نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ خلافت راشدہ مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے" (حوالہ بالا).

ہمیں قاضی مظہر صاحب (رح) کی اس تحقیق سے اختلاف ہے... کیونکہ:

1: قرآن کریم میں ہر گز ایسی کوئی آیت نہیں جس میں ہو کہ "صرف چار کے لیے خلافت راشدہ کا وعدہ ہے".

2: اگر قاضی صاحب کا اشارہ "آیت استخلاف" کی طرف ہے تو اس میں بھی چار کی تحدید پر اصرار درست نہیں، بہت سے مفسرین نے آیت استخلاف کا خطاب عام امت کے لیے لیا ہے، (جن میں امام قرطبیؒ، حافظ ابن کثیر، حکیم الامت حضرت تھانوی، اور دیگر شامل ہیں)، یعنی امت کے جن افراد میں بھی آیت استخلاف میں بیان کردہ شرط "ایمان اور عمل صالح" پائی جائے، اور انھیں استخلاف فی الارض، تمکین دین اور اِمن بعد الخوف (تینوں کا مجموعہ) عطا ہو تو وہ اس آیت کے وعدے میں داخل ہیں، ہاں یہ وعدہ سب سے پہلے خلفاء اربعہ (رض) کی صورت میں ظہور میں آیا، وہ سب سے پہلے اس میں داخل ہیں (اگرچہ بعض اکابر نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں آیت استخلاف میں مذکورہ تین چیزوں کا مجموعہ نہیں پایا گیا، مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے تفسیر آیت استخلاف میں اس بات کا دو تین بار ذکر کیا ہے جس کا حوالہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں) لیکن ہم حضرت علی (رض) کو بھی اس وعدے میں شامل ہی سمجھتے ہیں.

3: لہٰذا قاضی صاحب کا یہ لکھنا کہ "آیت استخلاف کے وعدے کا مصداق صرف چار ہی ہیں" یہ ان کا موقف ہے، جبکہ ان سے پہلے کے بہت سے مفسرین نے اس وعدے کو چار کے ساتھ خاص نہیں کیا، ہم حضرت قاضی صاحب کے موقف سے اختلاف کا حق رکھتے ہیں.

4: دراصل قاضی صاحب آیت تمکین کو آیت استخلاف کے ساتھ ملا کر اپنا استدلال مکمل کرتے ہیں، جبکہ یہ دونوں آیات الگ الگ ہیں، آیت تمکین میں وعدہ نہیں، بلکہ وہاں مہاجرین کی صفات بیان ہو رہی ہیں اور یہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں تمکین (حکومت) دیں تو یہ فلاں فلاں کام کریں گے، جبکہ آیت استخلاف میں وعدہ کا ذکر ہے، لہٰذا آیت تمکین کے ساتھ آیت استخلاف کو خاص کرنا یہ قاضی صاحب کا اپنا اجتہاد و استنباط ہے.

5: "خلافت راشدہ" کے جواب میں "حق چار" کہنا، اس سے یہی سمجھ آتی ہے کہ "صرف چار یار کی خلافت ہی راشدہ ہے، ان کے علاوہ کسی کی بھی خلافت راشدہ نہیں"، اگر اس نعرے سے یہ مفہوم نہ سمجھ آرہا ہوتا تو پھر یہ تاویل کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی کہ "اس سے مراد قرآن کی موعودہ خلافت" ہے؟؟ جبکہ یہ بھی محل نظر تاویل ہے، یہ صرف اس تفسیر کے مطابق صحیح ہے جس میں اس آیت کا خطاب آیت استخلاف کے نزول کے وقت موجود مومنین و صالحین کو بتایا گیا ہے، لیکن جن مفسرین نے یہ خطاب عام امت کے لیے لیا ہے اس کی رو سے یہ بات بھی درست نہیں کہ قرآن کے موعودہ خلفاء صرف چار ہیں.

6: یہ خلافت راشدہ حق چار کا نعرہ یا اصطلاح قرن اول میں ہمیں کہیں نظر نہیں آتی، اگر یہ نعرہ دور صحابہ میں ہوتا تو پھر کیا وجہ تھی کہ حضرت علی (رض) کی خلافت پر اس وقت کے صحابہ کا اتفاق نہ ہو سکا اور آدھے سے زیادہ صحابہ حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہے؟؟

7: قاضی صاحب کا یہ لکھنا کہ "قرآن کی مراد کے تحت حضرت حسن (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کو خلیفہ راشد نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ خلافت راشدہ مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے"، یہ بات قرآن کی کسی آیت میں نہیں، بلکہ "خلافت راشدہ" کا لفظ ہی قرآن میں نہیں، البتہ تمام صحابہ کرام کو "الراشدون" ضرور کہا گیا ہے.

مفتی وقاص رفیع مزید لکھتے ہیں:

"گویا حق چار یار کا نعرہ خلافت راشدہ منصوصہ کے حق میں قید احترازی کے طور پر لگایا جاتا ہے، بعد کے خلفاء کے برحق ہونے سے قید احترازی کے طور پر ہرگز نہیں لگایا جاتا" (صفحہ 623)

مجھے نہیں معلوم کہ مفتی وقاص رفیع نے "خلافت راشدہ منصوصہ" کا لفظ کس معنی میں استعمال کیا ہے؟ کیونکہ اہل سنت اور شیعہ کا اختلاف ہی اس بات میں ہے کہ ان کے نزدیک "امام" کا منصوص ہونا ضروری ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی (رض) کی خلافت و امامت پر نص فرمادی تھی، جبکہ اہل سنت کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر بھی صریح نص نہیں فرمائی تھی،

اور نہ ہی خلیفہ کا منصوص من اللہ ہونا ضروری ہے، بلکہ مسلمان جسے اپنا خلیفہ بنالیں وہی خلیفہ اور امام بن جاتا ہے...

پھر اگر حضرت قاضی صاحب (رح) اور ان کے وکیل مفتی وقاص رفیع یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "رشد و ہدایت کی وجہ سے حضرت حسن (رض) اور حضرت معاویہ (رض) کو بھی خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں" نیز ان کو بھی "خلیفہ برحق" مانتے ہیں، تو پھر یہ کیوں کہتے ہیں کہ "خلافت راشدہ چار میں بند ہے"؟؟ اور اگر اس سے مراد ان کی "قرآن کی موعودہ خلافت" ہے تو پھر نعرہ یوں لگایا کریں "خلافت موعودہ و منصوصہ حق چار یار".

اس وقت میرے سامنے حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رض) کی ایک اور تحریر موجود ہے، اس میں قاضی صاحب اپنی اس رائے کے حق میں استدلال کر رہے ہیں کہ خلافت راشدہ موعودہ صرف چار میں ہی منحصر ہے، اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

"اور چونکہ وعدہ خداوندی حکومت و خلافت کا مومنین و صالحین ہی کے لیے تھا اس لئے ثابت ہوا کہ ارادہ خداوندی میں یہی تھا کہ ان اصحاب اربعہ کو ہی منصب خلافت عطا کیا جائے گا، اس لیے ان چار یار کی خلافت راشدہ موعودہ کا کوئی مومن بالقرآن انکار نہیں کر سکتا، برعکس اس کے اگر "منکم" اور "الذین اخرجوا من دیارھم" کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس وعدہ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے ان خلفاء کا مومنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا، پھر اس کے بعد ان کو خلفاء راشدین تسلیم کیا جائے گا اور خلفاء اربعہ کے بعد تو کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے"

(موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ کے نادان حامی، غالی گروہ، صفحہ 39 شائع کردہ تحریک خدام اہل سنت پاکستان)

قارئین محترم!

حضرت قاضی صاحب (رح) کی اس تحریر کو دوبارہ پڑھیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر آیت استخلاف میں کیے گئے وعدہ کو عام رکھا جائے تو پھر خلفاء اربعہ کے بعد ہر خلیفہ کے بارے میں پہلے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ وہ مومن اور صالح ہے، اس کے بعد جا کر اسے خلیفہ راشد کہنے کی باری آئے گی، نیز قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ: خلفاء

اربعہ کے بعد تو کسی خلیفہ (بشمول حضرت معاویہ وحضرت حسن رضی اللہ عنہما) کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے... (اگر اس اردو عبارت کا یہ مفہوم میں غلط سمجھا ہوں تو میری اصلاح کر دی جائے، قاضی صاحب نے یہ عبارت صاف اردو میں لکھی ہے جو آپ کے سامنے ہے).

مجھے نہیں معلوم کہ حضرت قاضی صاحب کے اس استدلال کا مقصد کیا ہے؟ جب آیت استخلاف میں وعدہ خلافت ہے ہی مومنین صالحین سے تو کوئی غیر مومن یا غیر صالح اس آیات کا مصداق بن کیسے سکتا ہے؟ یعنی اگر کسی کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مومن نہیں، یا صالح نہیں تو وہ تو خود بخود اس آیت میں کیے گئے وعدے سے نکل جائے گا.. اسی طرح اگر کوئی مومن صالح ہو، لیکن اس کی حکومت میں باقی دو چیزیں "تمکین دین" اور "امن" نہ ہو تو بھی وہ اس آیت میں نہیں آئے گا.. پھر آخر قاضی صاحب کو یہ بات لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟؟ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ قاضی صاحب کو کم از کم حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) کو مومن صالح ثابت کرنا آخر کیوں مشکل لگ رہا ہے؟؟

دراصل قاضی صاحب "آیت تمکین" اور "آیت استخلاف" دونوں کو ملا کر اپنا نتیجہ نکال رہے ہیں، اور آیت استخلاف کی تفسیر آیت تمکین سے کر رہے ہیں جو کہ محل نظر ہے، یہ دونوں الگ الگ سورتوں کی الگ الگ آیات ہیں، ایک دوسرے کی تفسیر نہیں.

مفتی وقاص رفیع، قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی اس عبارت کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے یہ ہر گز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مومنین صالحین میں سے نہیں تھے، کیونکہ اگر وہ مومن صالح ہوتے تو پھر انھیں ضرور خلیفہ راشد تسلیم کر لیا جاتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے اور خلیفہ برحق تھے، اور ان کو رشد و ہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں لیکن قرآن کی مراد کے تحت ان کو خلیفہ راشد ہر گز نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ یہ خلافت راشدہ صرف مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے اور حضرت معاویہ (رض) مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں.. اور دوسرے یہ کہ حضرت قاضی صاحب (رح) کی اس عبارت میں تو حضرت معاویہ

(رض) کی ذات کی طرف اشارہ تک نہیں، اس لیے کہ وہ تو قیامت تک آنے والے علی الاطلاق تمام مسلمان حکم رانوں کی بات کر رہے ہیں...."

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 624)

قارئین محترم! میری گزارش ہے کہ آپ ایک بار پھر وہ الفاظ پڑھیں جو حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے لکھے ہیں:

"اور خلفاء اربعہ کے بعد تو کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے"

قاضی صاحب نے "خلفاء اربعہ کے بعد" ہر خلیفہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ان کو مومنین صالحین میں سے ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا، کیا اس میں حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) ہیں یا نہیں؟ یقینا شامل ہیں، کہ قاضی صاحب نے "خلفاء اربعہ" کے علاوہ تمام کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا ہے.. پھر نہ جانے مفتی وقاص اتنی ڈھٹائی کے ساتھ کیسے لکھتے ہیں کہ: "مطلب یہ ہے کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے اور خلیفہ برحق تھے" اور "اس عبارت میں حضرت معاویہ کی ذات کی طرف اشارہ تک نہیں"؟؟ قاضی صاحب خلفاء اربعہ کے بعد تمام خلفاء کے بارے میں یہ لکھ رہے ہیں کہ "ان کو مومنین صالحین میں سے ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا" اور حضرت معاویہ (رض) تو خلفاء اربعہ میں سے نہیں، پھر یہ ان کی طرف اشارہ کیوں نہیں؟، اور پھر مفتی وقاص اس کا مطلب یہ بیان کر رہے ہیں کہ: "مطلب یہ ہے کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے".... یہ سراسر مفتی وقاص رفیع کا دھوکہ اور فریب ہے اس کے سوا کچھ نہیں.

یاد رہے! ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت قاضی صاحب (رح) کا واقعی یہ عقیدہ تھا کہ حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) مومن صالح نہیں یا ان کو مومن صالح ثابت کرنا مشکل ہے، بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ قاضی صاحب کی یہ تعبیر کم از کم الفاظ کی حد تک درست نہیں، انھیں ایسی تعبیر اختیار کرنی نہیں چاہیے تھے، جبکہ انھیں بھی علم تھا کہ بہت سے قدیم وجدید مفسرین نے آیت استخلاف کا خطاب ساری امت کے لئے عام مانا ہے، قاضی صاحب کی "خارجی فتنہ" میں لکھی گئی ایسی ہی غیر محتاط عبارات و تعبیرات سے دشمنان صحابہ

نے بھی خوب استدلال کیے ہیں، جن کا جواب دینے کے لیے قاضی صاحب کو "دفاع حضرت معاویہ" نامی کتاب بھی لکھنی پڑی تھی.

نوٹ: فرض کریں اگر کوئی خارجی، حضرت قاضی صاحب کے اسی طریق استدلال کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ کہے کہ: "آیت استخلاف کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہو سکتے، کیونکہ آپ کے دور خلافت میں آیت استخلاف میں مذکور تین چیزوں کا مجموعہ نہیں پایا گیا" (جیسا کہ یہ بات مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی لکھی ہے) تو حضرت قاضی صاحب کے لئے یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ اس آیت کا مصداق ہیں... تو کیا ہم اس خارجی کے اس استدلال کے پیش نظر اس آیت کا مصداق صرف خلفاء ثلاثہ میں ہی منحصر کر دیں گے؟؟ ہر گز نہیں.

الغرض! آیت استخلاف سے خلفاء اربعہ کا خلیفہ برحق ہونا ثابت کرنا اور بات ہے، اور یہی تمام مفسرین نے کیا ہے، لیکن اس آیت کو صرف چار کے ساتھ خاص کرنا اور اس پر اصرار کرنا یہ درست نہیں، کیونکہ اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں.. آپ کسی ایک قول کو ترجیح تو دے سکتے ہیں لیکن قطعیت کے ساتھ ایک قول کو درست اور باقیوں کو غلط نہیں قرار دے سکتے.

آگے پڑھیئے! مفتی وقاص رفیع کیا لکھتے ہیں:

"ہاں! حضرت قاضی صاحب (رح) کا حضرت معاویہ (رض) کو اصطلاحی خلیفہ راشد قرار دینے والوں کو حامیان یزید کہنا ایک حقیقت ہے، یہ نیا عقیدہ وہی لوگ الاپ رہے ہیں جو دراصل یزیدی ہیں، اور اس طرح یزید پلید کی حکومت کو خلافت راشدہ کا تسلسل ثابت کرنا چاہتے ہیں"

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 628)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع اور ان کا ہمنوا سبائیت کے جراثیم سے متاثرہ گروہ جب لاجواب ہو جاتا ہے تو "یزیدی یزیدی" کا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے، ورنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد کہنے سے یزید کو خلیفہ راشد کہنا کیسے لازم آتا ہے؟ یوں تو پھر خود قاضی صاحب نے حضرت معاویہ (رض) اور حضرت حسن (رض) کو خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے (اگرچہ یہ قید لگائی ہے کہ وہ قرآن کے موعودہ نہیں) دیکھیں

خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 38 اور صفحہ 648 طبع اول، تو اب میرا سوال ہے کہ قاضی صاحب کے اسی "لغوی معنوں میں" اگر حضرت معاویہ (رض) کو "خلیفہ راشد" تسلیم کیا جائے تو کیا اس سے بھی یزید کا انہی لغوی معنوں میں خلیفہ راشد ہونا لازم آئے گا یا نہیں؟ اگر آئے گا کیا مفتی وقاص رفیع کی منطق یہاں بھی چلے گی؟ کیا اس سے یزید کی خلافت کا "لغوی خلافت راشدہ" کا تسلسل ہونا ثابت ہوگا؟ اور اگر نہیں ہوگا تو پھر مفتی وقاص رفیع کا یہاں "یزیدیت" کا راگ الاپنا چہ معنی دارد؟.

اور یہ بھی عرض کروں کہ سلف میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے حضرت معاویہ (رض) کو بھی خلفاء راشدین میں سے شمار کیا ہے، مثال کے طور پر علامہ ابن خلدون نے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں لکھا ہے کہ :" فهو من الخلفاء الراشدين" کہ وہ خلفاء راشدین میں سے ہیں (تاریخ ابن خلدون، جلد 2 صفحہ 650 دار الفکر بیروت) ، تو کیا مفتی وقاص رفیع کے نزدیک ابن خلدون بھی (مفتی وقاص اینڈ کمپنی کے اصطلاحی) یزیدی ہیں؟؟.

پھر یہ "اصطلاحی خلافت راشدہ" کیا چیز ہوتی ہے؟ یہ "خلافت راشدہ" کا لفظ نہ ہی آیت تمکین میں ہے اور نہ ہی آیت استخلاف میں، پھر خلافت راشدہ کو "اصطلاحی و لغوی" میں تقسیم کرنا کس بنیاد پر ہے؟؟ اگر خلافت کی قسمیں کرنی ہی تھیں تو "خلافت موعودہ و غیر موعودہ" یا "خلافت علی منہاج النبوۃ" وغیرہ پر ہی اکتفا کیا جاتا.

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شخص کے مستحق خلافت ہونے کی دس شرطیں گنوائی ہیں، اور پھر لکھا ہے کہ :

"الحاصل جب یہ شرطیں کسی شخص میں پائی جائیں تو وہ مستحق خلافت سمجھا جائے گا، اور اگر اس کو (اہل حل و عقد) خلیفہ بنائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں تو وہ خلیفہ راشد ہوگا" (ازالۃ الخفاء مترجم، جلد 1 صفحات 18 تا 23، نیز جلد 2 صفحہ 330) .

نوٹ: حضرت شاہ صاحب نے ان شرطوں میں یہ تو ذکر کیا ہے کہ: وہ مسلمان ہو، کافر نہ ہو، عاقل ہو، مجنون نہ ہو، بالغ ہو، نابالغ نہ ہو، مرد ہو، عورت نہ ہو، آزاد ہو، غلام نہ ہو، متکلم، سمیع وبصیر ہو، گونگا بہرہ اور اندھا نہ ہو، بہادر ہو، بزدل نہ ہو، عادل اور صاحب مروت ہو، یعنی کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہو، صغیرہ پر اصرار کرنے والا نہ ہو، مجتہد ہو (حضرت شاہ صاحب کے نزدیک صحابہ کے زمانے میں مجتہد ہونے کے لئے صرف علم قرآن اور حفظ حدیث کافی تھا)، اور پدری نسب سے قریشی ہو... لیکن یہ شرط کہیں نہیں کہ "وہ مہاجرین اولین یا سابقون اولون میں سے ہو".

لہٰذا کسی کے خلیفہ راشد ہونے نہ ہونے کا پہلے بھی یہی معیار اور قاعدہ تھا اور اب بھی یہی ہے، اور آئندہ بھی یہی رہے گا، اس کے علاوہ اور کوئی خاص قاعدہ قانون کسی کے خلیفہ راشد ہونے کے لیے سنی مسلک میں نہ پہلے کبھی ضروری قرار دیا گیا ہے اور نہ ہی آئندہ اسے ضروری قرار دیا جاسکتا ہے.

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ (رح) نے خلیفہ راشد کے فرائض بھی بیان کیے ہیں، (تفصیل کے لیے ازالۃ الخفاء مترجم، جلد 1 صفحہ 28 تا 30 نیز جلد 2 صفحہ 330 دیکھ جاسکتے ہیں) اور جو مسلمان حکمران خلیفہ راشد کے یہ فرائض بخوبی ادا کرے وہ "خلیفہ راشد" ہے.

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 30)

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے ایک عنوان یوں قائم کیا ہے:

"قاضی صاحب (رح) پر حضرت علی (رض) کو منصب نبوت پر فائز کرنے کا اعتراض"...

قارئین محترم! اس کا پس منظر یہ ہے کہ جناب قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی کتاب "خارجی فتنہ طبع اول" میں ایک عبارت یوں لکھی ہے:

"آیت استخلاف کے تحت صحیح انتخاب سے بہ حکم و رضائے خداوندی منصب نبوت پر فائز ہونے والے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضی (رض) نے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو حضرت معاویہ (رض) نے قاتلین حضرت عثمان (رض) کو ان کے سپرد کرنے اور قصاص کی شرط پیش کردی"

(خارجی فتنہ، حصہ اول، صفحہ 481 طبع اول).

اس عبارت میں حضرت علی (رض) کے "منصب نبوت" پر فائز ہونے کے الفاظ لکھے ہیں، اس کی طرف قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے یوں اشارہ کیا تھا کہ:

"حضرت معاویہ (رض) کی مخالفت کرتے کرتے قاضی صاحب نے حضرت علی (رض) کو منصب نبوت پر بھی فائز کردیا فیاإسفاہ"..

اور اس کے ساتھ ہی قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ:

"ظاہر ہے یہ کتابت کی غلطی ہے" (سیدنا معاویہ کے ناقدین، صفحہ 305)

قارئین محترم!

ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) یقیناً "منصب خلافت" لکھنا چاہتے ہوں گے، اور کتابت کی غلطی سے یہ "منصب نبوت" لکھا گیا، اور خود قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے بھی یہ لکھ دیا تھا،

لیکن اکابر کے نادان وکیل مفتی وقاص رفیع یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ یہ کتابت کی غلطی ہے، بلکہ وہ یہ ثابت کرنے کے درپے ہیں کہ یہ عبارت اسی طرح "منصب نبوت پر فائز ہونے والے" ہی درست ہے، وہ لکھتے ہیں:

"حضرت علی (رض) کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا مطلب.. دیگر خلفاء ثلاثہ (رض) کی طرح حضرت علی (رض) کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا وہ مطلب نہیں جو پروفیسر آں موصوف نے مراد لے رکھا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر حضرات خلفائے ثلاثہ سمیت حضرت علی (رض) کی خلافت مطلق حکومت نہیں بلکہ خلافت علی منہاج النبوۃ ہے اور امت مسلمہ شروع ہی سے ان چاروں خلفاء کو جانشین رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی خلافت کو تتمہ "مصطفوی" سمجھتی آئی ہے...."

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 629)

اس کے بعد مفتی وقاص رفیع نے ایک مثال پیش کی ہے کہ:

"اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ آج کل مدارس سے نئے فارغ التحصیل ہونے والے فضلاء کرام کو یہ کہا جاتا ہے کہ اب آپ منصب نبوت کے امین و وارث ہیں یا جیسے تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں کہ دعوت و تبلیغ نبیوں والا کام ہے جو اللہ تعالی نے اس امت کے ہر فرد کے ذمہ لگایا ہے تو اب اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ یہ حضرات منصب نبوت پر فائز ہو گئے ہیں"

(صفحہ 629 – 630)

قارئین محترم! میں مفتی وقاص رفیع سے پوچھتا ہوں کہ اگر قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کے الفاظ میں ایسا کچھ نہیں تھا تو پھر آپ کو یہ وضاحت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے کہ "اس کا مطلب یہ ہے کہ، چونکہ چنانچہ"؟؟؟ چاروں خلفاء میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ "منصب نبوت پر فائز ہو گئے تھے"... انھیں جانشین یا خلیفہ ہی کہا جاتا ہے، اسی لیے "علی منہاج النبوۃ" کا لفظ بولا جاتا ہے صرف "نبوۃ" نہیں بولا جاتا، نیز مفتی وقاص رفیع نے جو مثال دی ہے اس میں نئے فارغ ہونے والے فضلاء کو یہ

نہیں کہا جاتا کہ "آپ اب منصب نبوت پر فائز ہو چکے ہیں" (اگر مفتی وقاص رفیع کو کسی نے یہ کہا ہو تو اس کا ہمیں علم نہیں)، بلکہ علوم نبوت کے امین و وارث کہا جاتا ہے، اسی طرح تبلیغی جماعت والے بھی یہ نہیں کہتے کہ "دعوت و تبلیغ کرنے سے کوئی منصب نبوت پر فائز ہو جاتا ہے" بلکہ یوں ہی کہا جاتا ہے کہ یہ نبیوں والا کام ہے...

آگے مفتی وقاص رفیع لکھتے ہیں:

"حاصل یہ کہ حضرت قاضی صاحب (رح) نے حضرت علی (رض) کے لیے جو منصب نبوت پر فائز ہونے کے الفاظ بولے ہیں تو اس سے دیگر حضرات خلفائے ثلاثہ (رض) سمیت حضرت علی (رض) کی خلافت کا علی منہاج النبوۃ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا تتمہ مصطفویہ ہونا مراد لیا ہے، آپ کا (نعوذ باللہ) نبی ہونا مراد نہیں لیا، ہاں زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب (رح) اس جگہ کوئی زیادہ واضح تعبیر اختیار فرماتے تو بہتر تھا مگر کون سا مصنف ایسا ہے کہ جس کا ہر ہر حرف کامل و اکمل ہو؟" (مفتی وقاص رفیع کی کتاب، صفحہ 630)

قارئین محترم! آپ خود فیصلہ فرمائیں، قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے تو خود یہ لکھ دیا تھا کہ (ظاہر ہے یہ کتابت کی غلطی ہے)، اگر مفتی وقاص رفیع بھی یہی تسلیم کر لیتے تو انھیں اتنی لمبی چوڑی چیستان لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی، لیکن انہوں نے اکابر کی ہر صحیح و غلط بات کے دفاع کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اس لیے وہ اس پر ڈٹ گئے کہ ہاں یہ لفظ قاضی مظہر صاحب نے لکھے ہیں اور درست لکھے ہیں... لیکن چونکہ ان کا ضمیر بھی گواہی دے رہا تھا کہ یہ تعبیر نامناسب ہے تو آخر انہیں بھی یہ لکھنا پڑا کہ: "حضرت قاضی صاحب اگر اس کی جگہ کو زیادہ واضح تعبیر اختیار فرماتے تو بہتر تھا".... یہ ہیں اکابر کے نادان وکیل.

اسکے بعد مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب کے آخری ورق پر اپنے دل میں چھپی "سبائیت" کا اظہار کیا ہے، واقعہ یوں ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے ایک فرضی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ "حضرت علی (رض) کے اجتہادی صواب اور حضرت معاویہ (رض) کی اجتہادی خطا کا یقینی ہونا نص سے ثابت ہے، اور دلیل کے طور پر قاضی صاحب نے سورۃ الحج کی آیت تمکین اور سورۃ النور کی آیت استخلاف کا حوالہ دیا تھا...

اور پھر شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (رح) کی تفسیر کا حوالہ دے کر لکھا تھا کہ "حضرت دہلوی نے واضح فرمادیا کہ جو کوئی ان چاروں خلفاء کی خلافت کا منکر ہو وہ بے حکم یعنی نافرمان ہے".. (ملخصاً: ماہنامہ حق چار یار، مارچ اپریل 1993ء قسط نمبر 13 ومشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال جلد دوم صفحہ 253 تا 264 طبع 2013ء)

نوٹ: اگر واقعی شاہ عبدالقادر نے یہی لکھا ہے کہ "جو کوئی ان چاروں کی خلافت کا منکر ہو وہ بے حکم اور نافرمان ہے" تو یہ ان تمام صحابہ کرم پر زبردست حملہ ہے جنہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہیں کی تھی اور جو اس بات کے قائل تھے کہ حضرت علی (رض) کی خلافت پر چونکہ تمام اہل حل وعقد کا اتفاق نہیں ہوا اس لیے آپ کی خلافت کا عام انعقاد نہیں ہوا... شاہ عبد القادر صاحب کے اس فتوے کی رو سے وہ تمام صحابہ "بے حکم اور نافرمان" ثابت ہوتے ہیں... اور قاضی صاحب نے بھی یہ حوالہ نقل کرکے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے. فیاإسفاہ.

اس پر قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے لکھا تھا کہ:

"اس طرح قاضی صاحب نے حضرت معاویہ (رض) کی خطأ "نص" سے ثابت کردی، معلوم نہیں کہ جو خطأ "نص" سے ثابت ہو تو اسے "خطائے اجتہادی" کیوں کر قرار دیا جاتا ہے"؟

تو یہاں مفتی وقاص رفیع اپنے تقیہ کی چادر اتار کر "مکمل سبائی" کا روپ دھار کر لکھتے ہیں:

"تو حضرت معاویہ کی (یہاں مفتی وقاص رفیع نے ساتھ رضی اللہ عنہ بھی نہیں لکھا_ناقل) نص قرآنی سے ثابت ہونے والی خطائے اجتہادی کو خطائے اجتہادی نہ کہیں تو پھر اور کیا کہیں؟، حضرت معاویہ (رض) کی جو خطأ خلیفہ برحق یعنی حضرت علی (رض) کے خلاف ناحق خروج کی صورت میں واقع ہوئی تھی تو درحقیقت وہ حدیث عمار تقتلك الفئة الباغية کی رو سے بالاجماع بشری خطأ تھی، لیکن حضرت معاویہ (رض) کے شرف صحبت اور علم وفضل کی بناء پر اسے خطائے اجتہادی کہا جاتا ہے، اگر یہی خطأ کسی عام شخص سے صادر

ہوتی تو اس پر گناہ کبیرہ اور فسق کا اطلاق کیا جاتا، مگر یہاں حضرت معاویہ (رض) کا شرف صحابیت اور آپ کا علم و فضل یہ لازم کرتا ہے کہ اگر فسق و معصیت کے اطلاق سے مفر کی کوئی شکل ہو تو اسے اختیار کیا جائے اور وہ واحد شکل یہی ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کی اس خطا کو خطائے اجتہادی قرار دیا جائے.."

(حضرت امیر معاویہ اور عباراتِ اکابر، صفحہ 613)

پھر آگے غور سے پڑھیں کیا لکھتے ہیں:

"یہ تو علماء اہل سنت والجماعت کی انتہائی احتیاط ہے کے انہوں نے حضرت معاویہ (رض) کی انتہائی تعظیم و تکریم سے کام لیا ہے اور کوشش کی ہے کہ ان کے اس عمل کی وجہ سے کسی بھی طرح ان پر فسق و معصیت کا اطلاق نہ ہونے دیا جائے مگر ناصبیت کہاں اس پر راضی ہوتی ہے؟ بلکہ وہ تو مصر ہے اس بات پر کہ حضرت معاویہ (رض) کو بہر حال مصیب ہی مانا جائے چاہے کسی نص شرعی اور حدیث متواتر کا حلیہ ہی کیوں نہ بگاڑنا پڑے" (صفحہ 631 – 632)

قارئین محترم! یہ ہے اس سبائی ذاکر مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا خلاصہ، میرا سوال یہ کہ جن علماء اہل سنت کا یہ مفتی ذکر کر رہا ہے کیا وہ علماء اہل سنت ان صحابہ کرام سے زیادہ نصوص کو سمجھنے والے تھے جن صحابہ کرام نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی تھی؟ یاد رہے ان میں صرف حضرت معاویہ (رض) ہی اکیلے نہیں، بلکہ اس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی تھی، تو جو نصوص قاضی مظہر صاحب کو نظر آئیں اور جن کی دوہائی مفتی وقاص رفیع دے رہا ہے وہ ان صحابہ سے مخفی کیسے رہ گئیں؟.

پھر میرا مفتی وقاص رفیع سے سوال ہے کہ پہلے یہ تو ثابت کرو کہ حضرت علی (رض) کی خلافت جس طرح منعقد ہوئی اس پر اس وقت صحابہ کرام کا اتفاق ہوا تھا؟ یا چلو یہ ثابت کرو کہ صحابہ کرام کی اکثریت نے اس طریقے سے خلافت منعقد ہونے پر اتفاق کیا تھا؟؟ جو مفتی وقاص رفیع نے "بالاجماع" کا لفظ بولا ہے، یہ اجماع کہاں سے شروع ہوتا ہے؟؟ سب سے پہلے ہمیں یہ دکھایا جائے کہ اس وقت موجود صحابہ کرام کا اس پر اجماع تھا کہ حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ رہنے والے نصوص کی مخالفت کی وجہ سے یقینی غلطی پر ہیں... ہمارا چیلنج ہے...

اور تو اور، خود قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے تسلیم کیا ہے کہ:

"دور صحابہ میں تو حضرت علی المرتضی کو ان آیتوں (یعنی آیت تمکین و آیت استخلاف_ ناقل) کا مصداق قرار دینے میں اشکال تھا، کیونکہ حضرت علی (رض) کی حیات کے آخری لمحے تک اس وقت کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ آپ ہی مصداق ہیں..." (خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 372 طبع اول)

پھر مفتی وقاص رفیع یہ بتائے کہ حدیث "تقتلك الفئة الباغية" میں کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ "حضرت عمار (رض) کو حضرت معاویہ (رض) نے قتل کیا تھا"؟ آپ کئی سو سال بعد ہونے والے شارحین کی تشریحات کو بنیاد بنا کر ایسی بات کر رہے ہیں جبکہ حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں... اور "فئۃ باغیۃ" جو جہنم کی طرف بلانے والی تھی اس کے بارے میں ہم پہلے عرض کر آئے ہیں... نیز یہ فرمائیں کہ چلو فرض کر لیا کہ حضرت عمار (رض) کے قتل سے پہلے شاید وہ صحابہ کرام جو حضرت علی (رض) کی بیعت سے الگ تھے شک و شبہ میں ہوں، لیکن حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد جب بقول مفتی وقاص رفیع یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضرت معاویہ (رض) یقیناً غلط ہیں تو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ تمام صحابہ اب حضرت علی (رض) کی بیعت کر لیتے، اب ان کے پاس کیا جواز تھا؟؟ لیکن ایسا نہیں ہوا... (کسی اکا دکا واقعے کی بات نہیں کر رہا)، تو فرمائیں! جو بات آپ کو سمجھ آئی وہ ان صحابہ کو کیوں نہ سمجھ آئی؟

پھر یہ بتائیں کہ آپ کے بقول حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد "نص سے ثابت ہو گیا کہ حضرت معاویہ (رض) باغی ہیں اور غلطی پر ہیں" تو جب تک معاملہ شک میں تھا تو حضرت علی (رض) ان سے جنگ کرتے ہیں، اور جب معاملہ کھل گیا تو حضرت علی (رض) تحکیم قبول فرماتے ہیں اور جنگ بندی پر رضامند ہوتے ہیں، یہ کیوں نہ فرمایا کہ "باغیوں کے ساتھ اس وقت تک قتال کا حکم ہے جب تک وہ اللہ کے امر کی طرف نہ لوٹ آئیں"؟؟ کیا حضرت علی (رض) نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی؟

نیز یہ فرمائیں کہ آپ نے خود اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

"جنگ صفین کے بعد اور اپنی شہادت سے پہلے سنہ 40 ہجری کے وسط میں حضرت علی (رض) نے ایک اتفاق کے تحت حضرت معاویہ (رض) کی امارت بعض علاقوں پر تسلیم کرلی تھی" (دیکھیں مفتی وقاص رفیع کی کتاب: صفحہ 59) .

تو فرمائیں، کہ حضرت علی (رض) کو بھی ان نصوص کی سمجھ آئی تھی کہ نہیں؟ یا انہوں نے جان بوجھ کر (نص سے ثابت شدہ ایک باغی) کے تحت اسلامی ریاست کے کئی علاقے دے دیے؟؟

اس کے بعد حضرت علی (رض) کے فرزند اور آپ کے جانشین حضرت حسن (رض) نے (باقرار مفتی وقاص رفیع، دیکھیں ان کی کتاب: صفحہ 64) حضرت معاویہ (رض) کو صلح کے لئے خط لکھا تھا، اور بالآخر اپنی خلافت سے دست بردار ہو کر حضرت معاویہ رض) کے ہاتھ پر بیعت فرما لی تھی، مفتی وقاص رفیع بتائیں کہ "نصوص قرآنیہ وحدیثیہ" کی مخالفت کرنے والے کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے؟؟ یا حضرت حسن (رض) کو ان نصوص کی تشریح و تفسیر کا درست علم ہی نہ تھا، یہ تو قاضی مظہر حسین صاحب (رح) اور مفتی وقاص رفیع کو سمجھ آئیں؟.

پھر مفتی وقاص رفیع نے یہاں پھر یہ جھوٹ بولا ہے کہ "حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف خروج ناحق کیا تھا"، یا تو مفتی وقاص رفیع کو کسی نے "خروج" کا معنی ومطلب ہی نہیں بتایا، یا وہ جان بوجھ کر تجاہل عارفانہ کے طور پر بار بار یہ لفظ دہراتے ہیں، میرا چیلنج ہے کہ مفتی وقاص رفیع اینڈ سبائی پارٹی ثابت کردے کہ "حضرت معاویہ (رض) نے حضرت علی (رض) کے خلاف خروج کیا ہو" ، لشکر کشی تو حضرت علی (رض) نے فرمائی تھی ، اور نہ ہی حضرت معاویہ (رض) نے جنگ میں ابتداء کی تھی، مفتی وقاص رفیع اپنے ممدوح قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کا ہی ایک حوالہ پڑھ لیں، انہوں نے لکھا ہے:

"حضرت معاویہ (رض) کے لشکر والوں نے جنگ میں ابتداء نہیں کی یہاں تک کہ انہوں نے (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے_ ناقل) ابتداء کی، اور اسی وجہ سے اشتر نخعی نے کہا تھا کہ وہ فریق مخالف جنگ میں ہمارے خلاف اس لیے کامیاب ہورہے ہیں کہ ہم نے ان سے جنگ کرنے میں ابتداء کی تھی" ....

(آگے اسی صفحے پر علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ) : "حضرت معاویہ (رض) نے متوقع خطرات کے تحت دفاعی جنگ لڑی ہے".

(خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 365 طبع اول)

مفتی وقاص رفیع صاحب! آپ جیسے علمی بونے سمجھتے ہیں کے چار لفظ پڑھ کر ایسی بکواس کرتے پھریں گے اور ہمیں یہ بتائیں گے کہ یہ علماء اہل سنت کا احسان ہے کہ حضرت معاویہ (رض) کی اس صریح نصوص کی مخالفت کو صرف ان کے شرف صحابیت کا لحاظ کرتے ہوئے خطائے اجتہادی کہتے ہیں ورنہ یہ تو گناہ کبیرہ اور فسق ہی تھا .... آپ کھل کر سامنے تو آئیں .. ہم آپ کو بتائیں گے کہ انھیں علماء اہل سنت میں ایسے "ائمہ اہل سنت" بھی ہیں جنہوں نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ "آیت استخلاف سے صرف تین خلفاء کی خلافت ثابت ہوتی ہے" اور "اس آیت میں مذکورہ تین شرطوں کا مجموعہ حضرت علی (رض) کے دور میں نہیں پایا گیا"... تو آپ کے لیے پھر حضرت حضرت علی (رض) کی خلافت ہی آیت استخلاف سے ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا .. اسلئے ہمیں "علماء اہل سنت" کی دھونس نہ دیں... صحابہ کرام سب سے بڑے اکابر ہیں، مسلک اہل سنت، اصول کا نام ہے، کسی عالم کی ذاتی رائے کا نام نہیں، اگر آپ میں ہمت ہے تو اس دور میں موجود صحابہ کرام کے جو موقف تھے ان پر بات کریں... اگر اس وقت آدھے سے زیادہ یا بقول بعض اکثر صحابہ کرام غیر جانبدار رہے اور حضرت حضرت عمار (رض) کی شہادت کے بعد بھی بدستور غیر جانبدار رہے اور انہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی تو ثابت ہوا کہ ان نصوص سے جو آپ اور آپ کی "سبائی پارٹی" ثابت کرنے پر زور دے رہی ہے وہ مفہوم ان صحابہ کے ذہن میں نہیں آیا تھا... یا اگر آیا تھا تو نعوذ باللہ وہ سب صریح نصوص کی مخالفت کرتے رہے.. کیا کہتے ہیں؟

کیا آپ کا یہی خیال ہے کہ بقول ابن حزم و ابن تیمیہ (رحمہا اللہ) جمہور صحابہ کرام و تابعین اخیار کی جس جماعت کا موقف ان مشاجرات میں "توقف" یا حضرت معاویہ (رض) کو مصیب سمجھنے کا تھا انہوں نے نعوذ باللہ "کسی نص شرعی اور حدیث متواتر کا حلیہ بگاڑ دیا تھا"؟؟؟

یاد رہے! یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے جس کا جواب مفتی وقاص رفیع نے نہیں دیا کہ "جب ایک خطأ نص سے ثابت ہو جائے تو اسے "اجتہادی خطا" کیسے کہتے ہیں؟ اور "نص کی صریح مخالفت" خطائے اجتہادی ہے تو پھر صرف "خطأ" کیا ہوتی ہے؟؟

اگر یہی سوال اس "سبائیت گزیدہ پارٹی" سے کوئی منکر صحابہ کرے تو یہ اس کا کیا جواب دیں گے؟ وہ کہے گا کہ میں تو حضرت معاویہ (رض) کے شرف صحابیت کا قائل ہی نہیں، لہٰذا مجھے اصل حکم بتائیں تو جناب مفتی وقاص رفیع وہاں کیا فتویٰ دیں گے؟؟ بینوا توجروا.

رہی یہ بات کہ دو مجتہدوں میں سے ایک کا مصیب اور دوسرے کا مخطی ہونا لازمی ہے، تو یہ آپ کا دھوکہ ہے، یہ ممکن ہے کہ اپنی اپنی جگہ الگ الگ حیثیت سے دونوں مجتہد مصیب ہی ہوں.. تفصیل پہلے عرض کر چکا ہوں، اجتہادی اختلاف میں قطعیت کے ساتھ مصیب اور مخطی کا فیصلہ کم از کم اس دنیا میں نہیں ہو سکتا، اور جیسا کہ امام قرطبیؒ (رح) کے حوالہ سے پہلے میں بیان کر آیا ہوں کہ "کسی بھی صحابی کی طرف قطعی خطأ کی نسبت کرنا جائز نہیں"، نیز ابن حزم (رح) کے حوالے سے یہ بھی نقل کر آیا ہوں کہ "صحابہ کرام اور تابعین اخیار کی ایک جماعت" کا موقف یہ تھا کہ جنگ جمل و صفین میں حضرت علی (رض) کے مد مقابل حضرات مصیب تھے، تو فرمائیں ان صحابہ و خیار تابعین پر مفتی وقاص رفیع "ناصبی" کا فتویٰ لگائیں گے؟؟

محترم قارئین! سبِّ صحابہؓ اہل سنت کے نزدیک بھی حرام اور اس کا مرتکب اہل السنۃ سے خارج ہی ہوگا (خیر الفتاویٰ، ج1 ص374) اور سبّ، قاضی مظہر حسین صاحب (رح) صاحب کے نزدیک ہی "ہر اس بات کو کہتے ہیں جس سے مخالف برافروختہ ہو اس میں وہ اپنی توہین سمجھے" (حق چار یار، ص6 بابت ماہ محرم سنہ1413ھ/جولائی 1992ء)، تو آپ ہی فرمایئے کہ اگر حضرت معاویہ (رض) اور وہ تمام صحابہ کرام (رض) جنہوں نے حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کی آج زندہ ہوتے اور ان کو یہ کہا جاتا کہ آپ مشاجراتی اختلاف میں بطورِ اصل حکم نوگناہ، فسق، شرعی و فقہی بغاوت، اللہ و رسول کے حکم کی مخالفت، اور نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ کی خلاف ورزی کرنے کے ہی مرتکب ہوئے ہیں، کہا تو آپ کو باغی، خاطی، جائر اور آپ کے موقف کو از روئے نصِ قرآنی در حقیقت بالکل ناجائز ہی جائے گا، ہاں چونکہ آپ صحابہؓ ہیں اس لئے اس کی اس

شرعی و فقہی بغاوت اور گناہ کو ہم "اجتہادی خطأ" کہیں گے، تو کیا اس سے ان کو انقباض نہ ہوتا؟ اگر ہوتا تو کیا مفتی وقاص رفیع کی یہ ساری باتیں سبِّ صحابہؓ کے ضمن میں نہیں آتیں؟ .

مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں نہایت زیادتی کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں "فقہی باغی" کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں، جبکہ یہی قاضی مظہر حسین صاحب (رح) تو لکھتے ہیں کہ :

"یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت معاویہؓ وغیرہ کے لئے جہاں لفظ باغی کا اطلاق کرتے ہیں اس سے مراد صورتاً بغاوت ہوتی ہے نہ کہ حقیقتاً"۔

(خارجی فتنہ، ص297/ج1)

نوٹ: یہ الگ بات ہے کہ انہی قاضی صاحب (رح) نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے جو قتال کیا تھا وہ انہوں نے قرآن کے حکم "فقاتلوا التي تبغي" کی تعمیل میں کیا تھا، چنانچہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت معاویہؓ نے خلیفہ راشد موعود حضرت علیؓ کی اطاعت نہ کی بلکہ :

"بجائے اطاعت کے الٹا آپ کے معزول ہونے اور دوبارہ انتخاب ہونے کا مطالبہ کیا تو حضرت علیؓ نے قرآن کے حکم فقاتلو التي تبغي پر عمل کیا یعنی امامِ وقت کے خلاف جو بغاوت کرنے والے ہیں ان سے رجوع الی الحق تک قتال کرو"۔

(خارجی فتنہ، ص560/ج1)

اب معلوم نہیں یہ قرآنی حکم "حقیقی بغاوت" کا ہے یا "صوری بغاوت" کا؟)

یہ عقدہ اب مفتی وقاص رفیع ہی کھولیں کہ کیا "فقہی بغاوت" حقیقی بغاوت ہوتی ہے یا صرف "صورتاً" ہوتی ہے؟؟ اور قرآن میں "فقاتلوا التي تبغی...." والا حکم "حقیقی باغیوں" کے بارے میں ہے یا "صورتاً باغیوں" کے لیے بھی ہے؟.

چلتے چلتے انہی قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی یہ بات بھی پڑھتے جائیں:

"جہاں تک حضرت علی المرتضی رفع تنازع کے لیے رواداری کر سکتے تھے آپ نے فرمائی چنانچہ حکمین کا تقرر تسلیم کر لیا، اس لئے کہ آپ فریق ثانی یعنی حضرت معاویہ (رض) کو حقیقتاً باغی قرار نہیں دیتے تھے (بوجہ ان کے اجتہادی اختلاف کے)....الخ"

(خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 454 طبع اول)

مفتی وقاص رفیع فرمائیں کہ کیا قاضی صاحب کی یہ بات درست ہے کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حقیقی باغی قرار نہیں دیتے تھے"؟؟

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 31)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع نے، قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی طرف سے قاضی مظہر حسین صاحب (رح) پر اٹھائے گئے تمام اعتراضات کا جواب نہیں دیا، مثال کے طور پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے سورہ توبہ کی آیت نمبر 100 "وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ".

(اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب امت سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ (ایمان لانے میں) ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا (کہ ان کا ایمان مقبول فرمایا جس پر جزا ملے گی) اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے (کہ طاعت اختیار کی جس کی جزا سے یہ رضا اور زائد ہو گی) اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔

(تفسیری ترجمہ از حضرت تھانوی رحمہ اللہ).

اس آیت سے حضرت معاویہؓ کے خلاف استدلال کرتے ہوئے پہلے تو انہوں نے یہ بتایا ہے کہ اس آیت میں "اللہ تعالیٰ نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ 1: مہاجرین اولین 2: الانصار، ان دو طبقوں کا مقام معیاری ہے 3: تیسرا طبقہ وہ ہے جو مہاجرین وانصار کی پیروی خوش اسلوبی سے کرے (والذین اتبعوہم باحسان)، اس تیسرے طبقے سے رضاء الٰہی مشروط ہے مہاجرین اولین اور انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ" اور پھر حضرت معاویہؓ کے اسی تیسرے طبقے سے ہونے کی تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "حضرت معاویہؓ نہ تو مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں، آپ تیسرے طبقہ سے وابستہ ہیں، ان

کے لئے حضرت علی المرتضیٰؓ کی پیروی لازم تھی بوجہ ان کے مہاجرین اولین میں ہونے اور بوجہ خلیفہ ہونے کے، بہر حال از روئے نصِ قرآنی حضرت علیؓ کی پیروی حضرت معاویہؓ پر لازم ہے".

جس کا مطلب یہ ہوا کہ قاضی صاحب کے نزدیک حضرت معاویہؓ سے رضاء الٰہی مشروط تھی مہاجرین وانصار، بالخصوص حضرت علیؓ کے اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ۔ اب رہی یہ بات کہ انہوں نے رضاء الٰہی کی یہ شرط پوری کی یا نہیں، تو قاضی صاحب کا فرمانا ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ شرط پوری ہی نہیں کی بلکہ اُلٹا حضرت علیؓ کی قولی و عملی مخالفت کی، چنانچہ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے تصریح کی ہے کہ:

"لیکن بجائے پیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا" (خواہ دفاعی ہی ہو)۔ (خارجی فتنہ، ص476/ج1)

پھر آگے چل کر قاضی صاحب نے خود ہی اپنے اس استدلال کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تصریح کردی ہے کہ حضرت علی (رض) تو وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بیعتِ رضوان کے سلسلہ میں بھی اپنے راضی ہونے کا اعلان کیا ہوا تھا، نیز مسابقت اور مہاجرین اولین میں سے ہونے کی وجہ سے بھی وہ "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کے مصداق تھے، لیکن ان کے مقابلہ میں "حضرت معاویہؓ تو والذین اتبعوہم باحسان کے طبقہ میں تھے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مہاجرین وانصار کی حسن اسلوب سے پیروی کریں" (خارجی فتنہ، ص548/ج1)

قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کی ان دونوں عبارات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "چونکہ حضرت معاویہ (رض) سورہ توبہ کی آیت مذکورہ میں بیان کردہ تیسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کے ساتھ اللہ کے راضی ہونا مشروط تھا سابقون اولون مہاجرین وانصار کی پیروی کے ساتھ، یوں ان پر حضرت علی (رض) کی پیروی لازم تھی، اور یہ پیروی انہوں نے نہیں کی بلکہ الٹا ان کے ساتھ لڑائی کی.. لہٰذا ان کے ساتھ اللہ کے راضی ہونے

کے لیے جو شرط تھی وہ پوری نہیں ہوئی، اور جب وہ پوری نہیں ہوئی تو اللہ کی رضاء ان کے لیے حاصل نہ ہوئی

....

قارئین محترم! اگر قاضی صاحب کی ان دونوں عبارتوں سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا تو میری اصلاح فرمادیں، میں یہ نہیں کہتا کہ حضرت قاضی صاحب (رح) حضرت معاویہ کو (رضی اللہ عنہ) نہیں کہتے تھے، میرا یہ کہنا ہے کہ ان کی اس عبارت سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ درست نہیں، اور ان کا طریق استدلال حضرت معاویہ (رض) کو "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" سے نکال رہا ہے...

جناب قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے یہ اعتراض اپنی کتاب "سیدنا معاویہ (رض) کے ناقدین" کے صفحہ 303 تا 305 ذکر کیا ہے، اس کا شاید مفتی وقاص رفیع کے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہ تھا اس لیے انہوں نے اسے ذکر نہ کرنا ہی مناسب سمجھا.

یاد رہے کہ سورۃ التوبہ کی اس آیت کا مفہوم یہ نہیں کہ اس آیت میں مذکور تیسرے طبقے کے لیے رضاء الٰہی کی شرط، سابقون اولون مہاجرون وانصار کے ہر ہر فرد کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے، بلکہ اگر لوگ سابقون اولون مہاجرین وانصار میں سے کسی ایک کی بھی پیروی کرلیں تو یہ ان کے لیے کافی ہے، نیز یہاں پیروی سے مراد کیا ہے؟ ایمان لانے میں پیروی؟ یا ہر ہر عمل میں بھی پیروی؟ تو اس بارے میں مختلف تفاسیر ملتی ہیں، لہٰذا قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کا اس آیت سے حضرت معاویہ (رض) کے لیے خاص حضرت علی (رض) کی پیروی لازم ہونا ثابت کرنا محل نظر ہے، کیونکہ اس آیت میں سابقون اولون مہاجرین وانصار کے کسی خاص فرد کی اتباع باحسان کا ذکر نہیں بلکہ بطور طبقہ ان کی اتباع باحسان مراد ہے، اور حضرت علی (رض) کی بیعت نہ کرنے والوں میں بھی طبقہ سابقون اولون کے صحابہ کرام بھی تھے اس لیے اگر کہا جائے کہ حضرت معاویہ (رض) نے ان کی اتباع کی تھی تو پھر اس کا کیا جواب ہے؟؟ اس کی مزید تفصیل آپ کو حضرت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی (رح) کی حال ہی میں آنے والی کتاب "دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" میں ملے گی (از صفحہ 312 تا صفحہ 430) جس میں انہوں نے قاضی مظہر حسین صاحب (رح) کے حضرت

معاویہ (رض) کے خلاف چار قرآنی آیات سے استدلال پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا ہے یعنی "آیت اولی الامر، آیت اتباع باحسان، آیت تمکین اور آیت استخلاف".

اسی طرح حضرت قاضی مظہر حسین صاحب نے حکمین (حضرت ابو موسی اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما) کے خلاف شاہ ولی اللہ دہلوی (رح) کی کتاب ازالۃ الخفاء کے حوالے سے ایک غیر مستند حدیث سے استدلال کیا ہے، پہلے عنوان باندھا ہے "حکمین خطاء کریں گے" پھر اس روایت کے یہ عربی الفاظ نقل کیے ہے:

"اخرج البيهقي عن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان بني اسرائيل اختلفوا فلم يزل اختلافهم فيما بينهم حتى بعثوا حكمين فضلّا واضلّا وان هذه الامة مختلفة فلا يزال اختلافهم بينهم حتى يبعثوا حكمين ضلّا وضلّ من اتبعهما ... الخ (پھر قاضی حسین صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا اردو ترجمہ یوں کیا ہے) "پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ تحکیم کی خبر دی، خصائص میں ہے کہ بیہقی نے حضرت علی (رض) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں اختلاف پیدا ہوا جو بڑھتا رہا حتی کہ انہوں نے حکمین (دو ثالث) مقرر کئے تو انہوں نے غلط فیصلہ کیا اور دوسروں کو بھی غلطی میں ڈالا (روایت کے اصل الفاظ میں "فضلّا و اضلّا کے الفاظ ہیں جن کا لفظی ترجمہ ہے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا، قاضی صاحب نے اس کا ترجمہ غلطی کرنے سے کیا ہے_ناقل) اور اس امت میں بھی اختلاف بڑھے گا حتی کہ وہ حکمین کو مقرر کریں گے جو غلطی کریں گے اور جو ان کی پیروی کریں گے وہ بھی غلط راہ پر چلیں گے (یہاں بھی "ضلّا وضل من اتبعهما" کے لفظ ہیں، جن کا ترجمہ قاضی صاحب نے غلطی کرنے سے کیا ہے_ناقل) ان ثالثوں کے گمراہ ہونے (یہاں صحیح ترجمہ کیا ہے_ناقل) مراد ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد میں خطا کی ہے اور ان کی پیروی کرنے والے گمراہ ہوں گے (یہاں بھی درست ترجمہ کیا ہے_ناقل) سے مراد یہ ہے کہ یہ خطا بہت سے مفاسد کا موجب بن گئی.... الخ"

(خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 456 – 457 طبع اول)

نوٹ: حضرت شاہ ولی اللہ (رح) نے بھی حضرت علی (رض) کی طرف منسوب یہ روایت امام سیوطی کی کتاب "الخصائص الکبری" (دیکھیں: جلد 2 صفحہ 488 طبع دار الکتب الحدیثۃ، قاہرہ) سے بلا سند نقل کی ہے، اور امام سیوطی نے بھی صرف یہ لکھا ہے کہ "اخرج البیهقي" کہ یہ روایت امام بیہقی نے نقل کی ہے ... سند سیوطی نے بھی ذکر نہیں کی.

قارئین محترم! اس روایت میں صریح طور پر دو جلیل القدر صحابہ کرام (حضرت ابو موسی اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما) کے بارے "ضلا وضل من اتبعهما" کے الفاظ ہیں، جن کا مطلب ہے کہ "وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور جو ان کی پیروی کریں گے وہ بھی گمراہ ہوں گے"، اسی لیے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"وَهُوَ حَدِيثٌ مُنْكَرٌ جِدًّا وَآفَتُهُ مِنْ زَكَرِيَّا بْنِ يَحْيَى هَذَا، وَهُوَ الْكِنْدِيُّ الْحِمْيَرِيُّ الْأَعْمَى قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ: لَيْسَ بِشَيْءٍ. وَالْحَكَمَانِ كَانَا مِنْ خِيَارِ الصَّحَابَةِ، وَهُمَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ السَّهْمِيُّ مِنْ جِهَةِ أَهْلِ الشَّامِ، وَالثَّانِي أَبُو مُوسَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ قَيْسٍ الْأَشْعَرِيُّ، مِنْ جِهَةِ أَهْلِ الْعِرَاقِ، وَإِنَّمَا نُصِبَا لِيُصْلِحَا بَيْنَ النَّاسِ وَيَتَّفِقَا عَلَى أَمْرٍ فِيهِ رِفْقٌ بِالْمُسْلِمِينَ، وَحَقْنٌ لِدِمَائِهِمْ، وَكَذَلِكَ وَقَعَ، وَلَمْ يَضِلَّ بِسَبَبِهِمَا إِلَّا فِرْقَةُ الْخَوَارِجِ..."

یہ حدیث شدید قسم کی منکر ہے، اور اس کی آفت (راوی) زکریا بن یحییٰ کندی حِمیَری نابینا کی وجہ سے ہے، یحییٰ بن معین نے اس کے بارے میں کہا کہ وہ کچھ بھی نہیں، جبکہ حکمین خیار صحابہ میں سے تھے، اور وہ اہل شام کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص اور دوسرے اہل عراق کی طرف سے حضرت ابو موسی اشعری تھے، ان دونوں کا تقرر اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان صلح کروائیں اور کسی ایسی بات پر متفق ہو جائیں جس میں مسلمانوں کے لیے نرمی ہو، اور ان کی خون ریزی سے بچا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان دونوں کی وجہ سے سوائے خوارج کے کوئی گمراہ نہیں ہوا...

(البدایۃ والنہایۃ، جلد 9 صفحہ 197 دار ہجر).

پھر انہی حافظ ابن کثیر (رح) نے ایک اور جگہ بیہقی کی پوری سند کے ساتھ پہلے تو یہ روایت ذکر کی ہے:

"فَأَمَّا الْحَدِيثُ الَّذِي قَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي " الدَّلَائِلِ ": أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدَانَ، أَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدٍ الصَّفَّارُ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ الْفَضْلِ، ثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ وَحَبِيبِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ: إِنِّي لَأَمْشِي مَعَ عَلِيٍّ بِشَطِّ الْفُرَاتِ فَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ اخْتَلَفُوا فَلَا يَزَالُ اخْتِلَافُهُمْ بَيْنَهُمْ حَتَّى يَبْعَثُوا حَكَمَيْنِ فَضَلَّا وَأَضَلَّا، وَإِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ سَتَخْتَلِفُ فَلَا يَزَالُ اخْتِلَافُهُمْ بَيْنَهُمْ حَتَّى يَبْعَثُوا حَكَمَيْنِ، فَيَضِلَّانِ وَيُضِلَّانِ مَنِ اتَّبَعَهُمَا».

اور پھر اس کے بعد لکھا ہے:

"فَإِنَّهُ حَدِيثٌ مُنْكَرٌ وَرَفْعُهُ مَوْضُوعٌ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ - إِذْ لَوْ كَانَ هَذَا مَعْلُومًا عِنْدَ عَلِيٍّ لَمْ يُوَافِقْ عَلَى تَحْكِيمِ الْحَكَمَيْنِ حَتَّى لَا يَكُونَ سَبَبًا لِإِضْلَالِ النَّاسِ، كَمَا فِي هَذَا الْحَدِيثِ. وَآفَةُ هَذَا الْحَدِيثِ هُوَ زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى، وَهُوَ الْكِنْدِيُّ الْحِمْيَرِيُّ الْأَعْمَى. قَالَ ابْنُ مَعِينٍ: لَيْسَ بِشَيْءٍ".

پس یہ حدیث منکر ہے، اور اس کا رفع (یعنی اگر اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بتایا جائے) تو یہ موضوع ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ بات حضرت علی (رض) کو پہلے سے معلوم ہوتی (جیسا کہ یہ روایت ان کی طرف منسوب ہے_ناقل) تو آپ حکمین کی تحکیم پر کبھی راضی نہ ہوتے تاکہ یہ تحکیم لوگوں کی گمراہی کا سبب نہ بنے جیسا کہ اس حدیث میں بیان ہے، اس حدیث کی آفت زکریا بن یحییٰ کندی حِمیَری نابینا ہے، اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ "لیس بشيء" وہ کچھ بھی نہیں.

(البدایۃ والنہایۃ، جلد 10 صفحہ 576).

نوٹ: اس زکریا بن یحییٰ کے بارے میں امام یحییٰ بن معین کا یہ قول کہ وہ "کچھ بھی نہیں" ابو حاتم رازی نے "الجرح والتعدیل" میں ذکر کیا ہے (الجرح والتعدیل، جلد 3 صفحہ 600، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت).

نیز خود قاضی مظہر حسین صاحب (رح) نے اپنی کتاب "بشارۃ الدارین بالصبر علی شہادۃ الحسین" میں سید سلیمان ندوی کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات و معجزات پر لکھی گئی جن کتابوں کو "غیر معتبر" بتایا ہے ان میں بیہقی کی کتاب بھی ذکر کی ہے. (بشارۃ الدارین، صفحہ 59 طبع تحریک خدام اہل سنت چکوال، طبع اول، محرم 1395 ہجری)

قارئین محترم! جب حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (رح) پر جب یہ اعتراض ہوا کہ جناب! آپ نے دو جلیل القدر صحابہ کرام کے بارے میں "گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے" کے الفاظ ایک غیر مستند اور نا قابل احتجاج روایت کی بناء پر نقل کر دیے تو بجائے اپنی غلطی تسلیم کرنے کے انہوں نے یہ عذر کیا کہ "میں نے تو یہ ساری عبارت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی پیش کی تھی، حالانکہ یہ حدیث شریف کے الفاظ تھے اور اس حدیث سے استدلال کرنے والے حضرت شاہ ولی اللہ محدث ہیں، اگر اعتراض ہے تو دراصل حدیث پر ہے اور اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی پر اس کے بعد میری باری آتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ نے ضلا و اضلا کی مراد بھی واضح کر دی ہے کہ ان ثالثوں سے اجتہادی غلطی سرزد ہو گی تو اب اعتراض کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟" (ملخصاً: کشف خارجیت، صفحہ 445 – 446)

یہاں تو قاضی صاحب یہ لکھ کر جان چھڑا رہے ہیں کہ میں نے تو حضرت شاہ ولی اللہ (رح) کی عبارت پیش کی تھی، لیکن اپنی کتاب "خارجی فتنہ" میں ایک دوسری جگہ وہ یوں لکھتے ہیں:

"حکمین کے فیصلہ کے غلط ہونے کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں جس کا ذکر فرمایا ہے وہ حق تعالی کے وعدہ قرآن کی روشنی میں بالکل صحیح ہے"

(خارجی فتنہ، جلد اول، صفحہ 583 طبع اول)

ملاحظہ فرمائیں! یہاں قاضی صاحب اپنی ذمہ داری پر اس روایت کو قرآن کریم کی رو سے صحیح ثابت کر رہے ہیں، اور بالواسطہ یہ بتا رہے ہیں کہ حکمین (رضی اللہ عنہما) نے صریح طور پر قرآن کی مخالفت کی، نیز حضرت علی (رضی اللہ عنہ) پر بھی اس سے الزام آئے گا (جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اسی وجہ سے اس روایت کو غلط

بتایا ہے کہ) اگر آپ کو علم تھا کہ یہ حق تعالی کے وعدہ قرآن کی روشنی میں جان بوجھ کر گمراہی کا راستہ اپنایا جارہا ہے تو آپ تحکیم پر راضی کیوں ہوتے؟؟

ہم سمجھتے ہیں کہ قاضی صاحب کا اس روایت کو بلا تحقیق یوں نقل کر دینا اور پھر اسے صحیح بتانا درست نہیں، قاضی صاحب کا یہ طرز استدلال نہ صرف حضرات حکمین (رض) بلکہ حضرت علی (رض) پر بھی طعن کا دروازہ کھولنا ہے.

اور پھر ان کی یہ توجیہ کرنا کہ "ضلا و اضلا" سے مراد "اجتہادی غلطی" ہے "عذر گناہ، بدتر از گناہ" کے مترادف ہے... جب روایت ہی صحیح نہیں، اور بقول حافظ ابن کثیر اگر اسے مرفوع کہا جائے تو یہ "موضوع" ہے تو پھر اس کی مرادیں بیان کرنا چہ معنی دارد؟.

اکابر کے نادان وکیل: (قسط: 32)....آخری قسط

(02/اگست 2018)

قارئین محترم! مفتی وقاص رفیع (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ تبلیغی مرکز) کی کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر" پر میرے بطور قاری مختصر تبصرہ کی یہ آخری قسط ہے (پہلی قسط مورخہ 14 مئی 2018 کو سوشل میڈیا پر پوسٹ کی گئی تھی اور آج مورخہ 2 اگست 2018 ہے، درمیان میں رمضان المبارک کا پورا مہینہ اس پر کچھ نہیں لکھا گیا تھا)، یہ مفتی وقاص رفیع کی کتاب کا باقاعدہ جواب نہیں، یہ کتاب اس قابل ہی نہیں کہ اس کا باقاعدہ جواب لکھا جائے، تضادات در تضادات، دور از کار اور مضحکہ خیز تاویلات، اور آداب اختلاف سے عاری تحریر کا آخر جواب کیا دیا جائے؟ اور اس پر وقت کیوں برباد کیا جائے؟ نیز چونکہ مفتی وقاص رفیع کا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب قاضی محمد طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کے جواب میں لکھی ہے، اس لیے اس کا جواب الجواب لکھنا یا نہ لکھنا یہ قاضی طاہر ہاشمی کا صوابدیدی اختیار ہے، چونکہ میں تاریخ کا طالب علم ہوں اس لیے اس کتاب کے مطالعہ کے دوران جو نوٹ لکھے انھیں تبصرہ کی صورت میں پیش کر دیا، امید کرتا ہوں کہ مفتی وقاص رفیع صاحب تک اگر میری یہ گزارشات پہنچ جائیں تو وہ ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے، اور خاص طور پر انہوں نے اپنی اس کتاب میں جو انداز تخاطب اپنایا ہے اس پر نظر ثانی فرمائیں گے کہ یہ طرز تخاطب کم از کم اہل رائے ونڈ کے طرز سے جوڑ نہیں کھاتا.

میں نے اپنے اس تبصرے میں چند حضرات "راوی صحیح بخاری محدث عبدالرزاق الصنعانی" "امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم" اور "ابن جریر طبری" پر جان بوجھ کر کوئی تبصرہ نہیں کیا، مفتی وقاص رفیع نے خوامخواہ

عبدالرزاق صنعانی اور حاکم نیشاپوری کی توثیق ثابت کرنے پر ورق سیاہ کیے ہیں، جبکہ قاضی طاہر ہاشمی صاحب نے ان حضرات کی بطور راوی وثاقت پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا، انہوں نے تو صاف لکھا تھا کہ:

"یہ ملحوظ رہے کہ کسی راوی کے صادق یا کاذب ہونے کا اس کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ ائمہ رجال نے جہاں بہت سے سنی راویوں کو جھوٹا قرار دیا ہے وہاں انہوں نے متعدد شیعہ رواۃ کو سچا بھی کہا ہے"

(سیدنا معاویہ کے ناقدین، صفحہ 63)

لہٰذا یہاں بات یہ نہیں تھی کہ عبدالرزاق صنعانی ثقہ ہیں یا نہیں؟ یا امام حاکم روایت حدیث میں ثقہ ہیں یا نہیں، بلکہ بات یہ تھی کہ ان حضرات کے حضرت معاویہ (رض) کے بارے میں کیا خیالات تھے..

اور یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ان دونوں حضرات کو علماء اسماء الرجال نے "شیعہ" یا "تشیع کی طرف مائل" بتایا ہے، مثلاً عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی کے بارے میں:

امام عجلی نے لکھا ہے کہ: **كان يتشيع** "کہ وہ شیعہ تھے (الثقات للعجلی، ج1 صفحہ 302)

امام ابن حبان نے بھی لکھا کہ: ان میں تشیع تھا (الثقات لابن حبان، ج8 صفحہ 412)

ابن عدی نے لکھا کہ: ان کی طرف تشیع کی نسبت کی گئی ہے (الکامل فی الضعفاء، ج8 صفحہ 538)

امام ذہبی نے ایک جگہ لکھا کہ: **وفيه تشيع معروف** ..اور معروف ہے کہ ان کے اندر تشیع تھا، اور دوسری جگہ لکھا کہ: "**قُلتُ كان يتشيع**" میں کہتا ہوں کہ ان میں تشیع تھا

(**الرواة الثقات المتكلم فيهم**، ج1 صفحہ 125 اور **المغنى في الضعفاء**، ج2 صفحہ 393)

اس کے علاوہ ان پر "اختلاط وتدلیس" کی جرح بھی موجود ہے.

اسی طرح امام حاکم نیشاپوری (صاحب مستدرک) کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ ان میں بھی تشیع تھا، مثلاً:

ابن الجوزی نے لکھا کہ : "كان متشيعاً ظاهر التشيع" وہ ایسے شیعہ تھے جن کا تشیع ظاہر تھا (المنتظم، ج16 صفحہ 134)

ابن تیمیہ نے لکھا کہ : ان کی طرف تشیع کی نسبت کی گئی ہے (منہاج السنۃ، ج7 صفحہ 373)

ابن کثیر نے لکھا کہ :كان فيه تشيع .. ان میں تشیع تھا (البدایۃ والنہایۃ، ج9 صفحہ 243)

ابن الجزری نے لکھا کہ : وہ شیعہ تھے لیکن حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بھی محبت رکھتے تھے (غایۃ النہایۃ، ج2 صفحہ 185)

ابن الوزیر نے لکھا کہ : تمام علماء نے ان کی توثیق کی ہے اس کے باوجود کہ وہ جانتے تھے کہ وہ شیعہ ہیں (الروض الباسم، ج1 صفحہ 237)

امام ذہبی نے پہلے ان کے بارے میں ابو اسماعیل عبداللہ الانصاری کی وہ بات نقل کی جس میں انہوں نے امام حاکم کے بارے میں کہا کہ : "وہ رافضی خبیث تھے"، پھر امام ذہبی نے اس پر اپنا تبصرہ یوں فرمایا کہ : قلت: الله يحب الانصاف، ما الرجل برافضي، بل شيعي فقط ... میں کہتا ہوں کہ اللہ انصاف کو پسند فرماتا ہے، یہ آدمی (یعنی امام حاکم_ناقل) رافضی نہیں تھے بلکہ صرف شیعہ تھے . (میزان الاعتدال، ج3 صفحہ 603)

میں ابھی اس پر بحث نہیں کرتا کہ ان دونوں حضرات کی طرف "تشیع" کی نسبت صحیح ہے یا غلط، ابھی صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ کئی ائمہ نے ان دونوں کی طرف تشیع کی نسبت کی ہے جن میں سے کچھ حوالے میں نے اوپر بیان کیے ہیں .

ہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ علماء جرح و تعدیل کے نزدیک "تشیع" اور "رفض" میں فرق ہے، وہ "تشیع" اسے کہتے ہیں کہ کوئی حضرت علی (رض) کی حضرت عثمان (رض) پر افضیلت کا قائل ہو اور یہ کہے کہ حضرت علی (رض) کے ساتھ جن کی بھی جنگ ہوئی وہ سب غلط تھے (تہذیب التہذیب، جلد 1 صفحہ 53 مؤسسۃ

الرسالۃ) اور امام ذھبی کے بقول "غالی شیعہ" اسے کہا جاتا ہے جو حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت معاویہ وغیرہم (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں کلام کرے اور ان کی تنقیص کرے (میزان الاعتدال، جلد 1 صفحہ 50، دار الرسالۃ).

جبکہ علماء اسماء الرجال کے نزدیک جسے "رافضی" کہا جاتا ہے اس سے مراد آج کل کا معروف شیعہ ہوتا ہے...

اسی طرح ابن جریر طبری کی شخصیت بھی مختلف فیہ ہے، اگرچہ ان کی طرف منسوب تفسیر اور ان کی تاریخ طبری، قدیم ترین ہیں، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ انہوں نے ہر رطب و یابس جمع کر دیا ہے، لیکن انہوں نے اپنی تاریخ طبری میں جو حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں "لعنہ اللہ" (اللہ ان پر لعنت کرے) کے الفاظ نقل کے ہیں جو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں، (دیکھیں تاریخ طبری: جلد 11 صفحہ 529 دار التراث بیروت)

اس کے پانچ صفحے بعد طبری نے ایک اور روایت ذکر کی ہے جس میں حضرت معاویہ (رض) اور ان کے بیٹے یزید کا ذکر ہے اور اس میں ان دونوں کے بارے میں "لعنھما اللہ" کے الفاظ نقل کیے ہیں (جلد 11 صفحہ 535)

اگر یہ عبارات واقعی ابن جریر طبری کی ہی ہیں اور الحاقی نہیں تو پھر یہ عذر ہر گز قابل قبول نہیں کہ طبری نے تو روایت نقل کی ہے، خود تو نہیں کہا، کیونکہ ایسی روایت نقل کرنا بھی اپنی جگہ نا قابل قبول ہے.

الغرض! عرض یہ کر رہا تھا کہ میں نے ان مذکورہ بالا تین اشخاص کو چھوڑ کر باقی تقریباً ان تمام حضرات کی عبارات پر تبصرہ کیا ہے اور مفتی وقاص کی طرف سے ان حضرات کی عبارات کی جو تاویلات کی گئی ہیں ان کا جائزہ لیا ہے.

آخر میں چند باتیں بطور خاص عرض کرنا چاہتا ہوں...

- صحابہ کرام (رض) کے درمیان رونما ہونے والے مشاجرات اجتہادی تھے۔

- مجتہد کی خطأ وصواب کا قطعی فیصلہ قیامت تک نہیں ہو سکتا، اس کی خطأ وصواب ظنی ہے۔
- اسی ظنی خطأ وصواب کو بھی اگر کسی وقت بامرِ مجبوری بیان کرنا پڑے تو اندازِ بیان ایسا ہونا چاہیے کہ جانبِ خطأ کی توہین و تنقیص نہ ہوتی ہو، اس کی کسر شان کا کوئی پہلو نہ نکلتا ہو۔
- اجتہادیات میں ہر مجتہد کے لئے اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنا لازم وضروری ہوا کرتا ہے۔
- کسی مخطی مجتہد کا مخطی ہونا بوقت ضرورت بتایا تو جاسکتا ہے لیکن اس کو ضرور بالضرور قطعی ہی بنانے پر ادھار کھائے بیٹھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔
- صحابہ کرام (رض) کے اجتہادی خصوصاً مشاجراتی اختلافات پر بوقتِ ضرورت بھی گفتگو کرتے وقت صرف ان فقہی اجتہادی ضابطوں کو ہی پیش نظر رکھ لینا بھی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان سے متعلق صریح و صحیح نبوی ارشادات وہدایات کو بھی پیش نظر رکھنا از بس ضروری ہے.

امام احمد بن حنبل (رح) سے سوال کیا گیا کہ : **يا ابا عبدالله ما تقول فيما كان من علي ومعاوية رحمهما الله؟ فقال ابو عبدالله: ما أقول فيها الا الحسنىٰ رحمهم الله أجمعين**۔ اے ابو عبداللہ (امام احمد بن حنبل کی کنیت ہے) جو کچھ حضرت علیؓ ومعاویہؓ کے درمیان ہوا آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: میں اس بارے میں سوائے اچھی بات کے کچھ نہیں کہتا، اللہ کی ان دونوں پر رحمت ہو"۔

(السنة لابى بكر الخلال، الجزء الثانى، ص460، روایت نمبر713، طبع دار الرایۃ، الریاض)

اس روایت کے نیچے کتاب کے محقق ڈاکٹر عطیہ زہرانی لکھتے ہیں : **"اسناده صحيح"، وهذا هو مذهب السلف واحسان القول فيهم والسكوت عما شجر بينهم**۔ اس روایت کی سند صحیح ہے، سلف کا یہی مذہب ہے کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں اچھی بات کی جائے اور جو کچھ ان کے درمیان ہوا اس بارے سکوت اختیار کیا جائے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد القُرطبی (رح) لکھتے ہیں :

"لا يجوز ان يُنسب الى أحد من الصحابة خطأ مقطوع به، اذ كانوا كلهم اجتهدوا فيما فعلوه، وارادو الله عزوجل، وبم كلهم لنا ائمة ، وقد تعبّدنا بالكف عما شجر بينهم، وألا نذكرهم الا بأحسن الذكر...الخ"۔ کسی صحابی کی طرف قطعی طور پر غلطی کی نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ ان سب نے جو کیا وہ اس میں مجتہد تھے اور ان کا ارادہ اللہ کی رضا تھی، وہ سب ہمارے امام ہیں، اور ہمیں چاہیے کہ جو کچھ ان کے درمیان ہوا، اس (کو بیان کرنے) سے رک جائیں اور ان سب کا ذکر اچھے طریقے سے کریں۔

پھر اگلے صفحے پر حضرت حسن بصری (رح) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ سے صحابہؓ کے درمیان ہونے والی لڑائیوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا :

"قتالٌ شهده اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم وغِبنا، وعلِموا وجهِلنا، واجتمعوا فاتبعنا، واختلفوا فوقفنا"۔ اس لڑائی میں صحابہ کرامؓ موجود تھے اور ہم نہیں تھے، اُن کا جن باتوں میں اختلاف ہوا وہ اُن کا خوب علم رکھتے تھے جبکہ ہم ان باتوں سے جاہل ہیں، جن باتوں پر ان کا اتفاق ہوا ہم ان کی پیروی کرتے ہیں، اور جن باتوں میں ان کا اختلاف ہوا ہم وہاں توقف کرتے ہیں"۔ (الجامع لأحكام القرآن، ج19، ص382و383، مؤسسۃ الرسالۃ)۔

امام حافظ ابو القاسم اسماعیل بن محمد الاصبہانیؒ (م535ھ) لکھتے ہیں :

"ومن السنة السكوت عما شجر بين اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ونشر فضائلهم والاقتداء بهم...الخ" سنت (کا مقتضیٰ) یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے مابین جو اختلافات ہوئے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، ان کے فضائل بیان کئے جائیں اور ان کی اقتداء کی جائے۔

(الحجة فى بيان المحجة وشرح عقيدة اہل السنة، ج1/ص236، دار الرایہ، سعودیہ)

اسی کتاب میں دوسری جگہ یوں رقمطراز ہیں:

"وما جرىٰ بين علي ومعاوية فقال السلف: من السنة السُّكوتُ عمّا شَجر بين اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم" حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے مابین

جو اختلافات ہوئے، اس سلسلے میں سلف کا موقف یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مابین اختلافات میں خاموشی اختیار کرنا سنت (کا مقتضیٰ) ہے۔

(الحجۃ فی بیان المحجۃ وشرح عقیدۃ اہل السنۃ، ج2/ص526)

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعریؒ (م324ھ) اہل سنت کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ونتولّیٰ سائر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونکفّ عمّا شَجر بینہم" ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان کے مابین جو اختلافات ہوئے ان (کے بیان کرنے) سے رُک جاتے ہیں (کفِ لسان کرتے ہیں)۔

(الابانۃ عن اصول الدیانۃ، ص11، دار ابن زیدون، بیروت)

امام موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی الحنبلیؒ (م620ھ) لکھتے ہیں :

"ومن السنۃ تولي اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومحبتہم ، وذکر محاسنہم، والترحم علیہم، والاستغفار لہم، والکف عن ذکر مساوئہم وماشجر بینہم... الخ" سنت (کا مقتضیٰ) ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے دوستی اور محبت رکھی جائے اور ان کی خوبیوں کا ذکر کیا جائے، ان کے لئے رحمت کی دعا کی جائے اور ان کے لئے مغفرت مانگی جائے، اور ان کے عیوب اور جو کچھ اختلافات ان کے مابین ہوئے ان کو بیان کرنے سے اپنے آپ کو روکا جائے۔ (لُمعۃ الاعتقاد، ص40، المکتب الاسلامی بیروت)۔

یہ بطورِ نمونہ چند حوالے ذکر کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوا کہ مشاجراتِ صحابہؓ میں اہل سنت کا "حقیقی مسلکِ اعتدال" توقف وامساک اور سکوت ہے، نہ یہ کہ اپنی اپنی عدالتیں لگا کر اور صحابہ کرامؓ کو کٹہرے میں کھڑا کرکے فیصلے صادر کرتے رہیں کہ ان کے اجتہادی اختلافات ومشاجرات میں فلاں قطعی طور پر مخطی تھا اور فلاں مصیب، اور جو اُس زمانے میں موجود صحابہ کرامؓ کی اکثریت اور سلف صالحین کی اتباع میں توقف وامساک کو "احوط واسلم واقویٰ" بتائے، اُس پر "خارجی وناصبی ویزیدی" جیسی پھبتی اڑائی جائے۔

حتیٰ کہ مفتی وقاص رفیع کے مقتدا حضرت قاضی مظہر حسین صاحبؒ نے بھی اصولی طور پر اس بات سے اتفاق کیا تھا (اگرچہ ان کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اصول پر کاربند نہیں رہے تھے)، چنانچہ لکھتے ہیں :

"احتیاط اسی میں ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کا ذکر ہی نہ کیا جائے لیکن اگر کسی ضرورت کے تحت کرنا پڑے تو طرزِ بیان ایسا ہو جس سے کسی صحابی کی تنقیص وتوہین لازم نہ آئے"۔ (خارجی فتنہ طبع اول، ص304،303/ج1)

ایک اور جگہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رح) کے حوالہ سے امام قرطبیؒ (رح) کی عبارت پر تبصرہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"حضرت مفتی صاحب (رح) کے مندرجہ تبصرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلم اور بہتر تو یہی ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں سکوت کیا جائے...الخ"۔ (خارجی فتنہ طبع اول، ص315/ج1)

نوٹ: مفتی وقاص رفیع نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر عربی عبارات کا غلط اردو ترجمہ بھی کیا ہے، ہم نے اس پر تبصرہ نہیں کیا ورنہ تبصرہ مزید طویل ہو جاتا.

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابرؒ"

مقدمہ کتاب پر گزارشاتِ معاویہ

عبدالمنان معاویہ

(قسط: 1 تا 5..... 5 تا 10 جولائی 2018

Abdul Manan Maviya

5 July2018 at 10:54

قسط اول

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابرؒ" مقدمہ کتاب پر گزارشاتِ معاویہ

عبدالمنان معاویہ

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابرؒ" جناب مفتی محمد وقاص رفیع صاحب، فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور، کی تصنیف ہے، کتاب ہذا آج صبح ہمیں دستیاب ہوئی، صرف مقدمہ کا مطالعہ کیا اور مکرر مطالعہ کیا، جس شوق سے کتاب کا آغاز کیا تھا مقدمہ کتاب پڑھ کر ہمارے شوق کو گھن لگ گیا کہ جناب کیا فرمارہے ہیں، ہم تو سمجھے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس کا دفاع ہوگا اور جو ہمارے اکابرین سے سہو ہوا، اس کی مناسب توجیح وتاویل ہوگی، لیکن مقدمہ کتاب سے معلوم ہوا کہ محقق دوراں جناب پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب حفظہ اللہ کی کتاب ناقدین معاویہ کا جواب ہے۔ ہم نے سوچا کہ چلو یہ بھی اچھا ہے کہ قاضی صاحب بھی آخر انسان ہی ہیں اُن کے سمجھنے میں، ان کے مطالعہ یا تحقیق میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔ لیکن سچ پوچھئے کہ مقدمہ کتاب نے ہی ہماری نیک تمناؤں پر پانی پھیر دیا ہے۔

ہمیں افسوس اس بات پر بھی ہوا کہ مفتی محمد وقاص رفیع صاحب نے اپنے نام کے ساتھ "مدرسہ عربیہ رائے ونڈ" کی نسبت بھی ظاہر کی ہے، اس سے اہل علم حضرات مفتی صاحب کی کتاب کے مطالعہ کے بعد رائے ونڈ والوں کے بارے میں بھی شکوک وشبہات میں پڑ سکتے ہیں کیونکہ درخت اپنے پھل سے ہی پہچانا جاتا ہے ، ہمیں تو خیر پہلے ہی معلوم تھا کہ مدرسہ عربیہ کے فاضلین کس نفسیاتی مرض میں مبتلاء ہوتے ہیں، ہمارے ایک کزن نے بھی مدرسہ عربیہ سے سندِ فراغت حاصل کی ہے، کسی دوست نے انہیں دعائیہ کلمات کہہ دے کہ "اللہ تجھے ہدایت دے" بس اتنی سی بات پر وہ آپے سے باہر ہوگئے، گویا کہ انہیں کافر کہہ دیا گیا ہو، الامان والحفیظ۔ تو راقم کو ان حضرات کی نفسیاتی کیفیت کا بخوبی علم ہے کہ یہ حضرات اپنے سواء دوسروں کو عالم نہیں

سمجھتے اور یہ نفسیات یہود کی تھی کہ وہ بھی خود کو "فضلنا علیٰ العالمین" تصور کرتے تھے۔

مفتی محمد وقاص رفیع صاحب کی کتاب سے ابھی صرف مقدمہ ہی پڑھا ہے، اس میں مفتی صاحب تحریر فرماہیں:۔" چنانچہ موجودہ زمانہ میں اسی طرح کے ایک نئے ٹولے نے جنم لے رکھا ہے جو مشہور صحابی ،کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصنوعی محبت و عقیدت کی آڑ میں ہماری مسلمان نسل کو اپنے اکابر واسلاف سے بُری طرح متنفر اور بدظن کرنے پر تلا ہوا ہے"۔

مفتی صاحب کی معروضات پر ہماری گزارشات ملاحظہ فرمالیں:۔" جس طرح حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ ہمارے اکابر ہیں اور ان بزرگوں کے مقابل پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب کی کوئی علمی حیثیت یا تحقیقی قابلیت تسلیم نہیں کی جاسکتی، تو میرے بھائی اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بالمقابل حضرات علمائے دیوبند رحمہم اللہ کی کسی بھی قسم کی کوئی حیثیت قابل تسلیم نہیں، جس طرح آپ پروفیسر قاضی طاہر ہاشمی صاحب کی جرح علیٰ الاکابر کو تسلیم نہیں کرتے تو اگر اسی طرح ہم بھی اکابر کی جرح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر قبول نہیں کرتے، ذرا انصاف آپ صرف اکابر علمائے دیوبندؒ پر جرح تسلیم نہ کرکے اہل سنت کے فرد اور قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب صحابہ کرامؓ پر جرح تسلیم نہ کرکے "ناصبی" کیوں۔۔؟ یہ ضابطہ آپ کا خود ساختہ ہے۔

میرے بھائی! حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو اکابر علمائے دیوبند رحمہم اللہ کے بھی اکابر ہیں ،اگر ہمارے اکابر سے حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں سبقتِ لسانی یا قلمی سرزد ہو گئی تو ہم اس کی مناسب توجیح یا تاویل کی جائے گی، یا اسے پیش کرکے واضح کیا جائے گا کہ ہم حضرت ..... کی عبارت درج ذیل سے متفق نہیں ہیں، کیونکہ اس عبارت سے صحابہ کرامؓ یا اہل بیت عظامؓ کی شانِ رفیعہ میں توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہے، ان سے اس باب میں سہو واقع ہوا ہے۔

جہاں تک مفتی محمد وقاص رفیع صاحب کا فرمان ہے کہ:۔" مسلمان نسل کو اپنے اکابر واسلاف سے بری طرح سے متنفر و بدظن کرنے پر تلا ہوا ہے"۔ تو اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ مفتی صاحب اور ان کے

کارپرداز حضرات نسلِ نو کو حضرات صحابہ کرامؓ سے متنفر وبد ظن کرنے پر تلے ہوئے ہیں، مفتی صاحب کا اکابر علمائے دیوبندؒ کے دفاع کی ضرورت تو پیش آئی، لیکن حضرات صحابہ کرامؓ کے دفاع بارے انہوں نے کبھی سوچا تلک نہیں۔۔ یا مفتی صاحب، جناب عبدالمطلب کی طرح فرمائیں گے کہ اونٹ میرے ہیں مجھے واپس کردو اور کعبہ اللہ کا گھر ہے تم جانو اور اللہ۔ مفتی صاحب بھی اسی طرح گویا ہونگے کہ اکابر علمائے دیوبند تو میرے تھے اور صحابہ کرامؓ نبی علیہ السلام کے ہیں تو نبی جانے اور ناقدین صحابہ جانیں۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ :۔"سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصنوعی محبت وعقیدت کی آڑ میں . . . الخ"۔ جناب مفتی صاحب سے پوچھنا یہ تھا کہ آپ دلوں کے بھید کب سے جاننے لگ گئے، اگر بریلوی کہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب حاصل ہے تو آپ انہیں مشرک کہیں اور آپ خود لوگوں کے دلوں کی کیفیت کا اظہار کریں تو مومن . . . ؟ یہ دو طرح کے رویے کیوں ہیں آپ کے جناب من!

Abdul Manan Maviya

5 July at 13:57

قسط دوم

مقدمہ کتاب پر گزارشاتِ معاویہ

عبدالمنان معاویہ

جناب مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ :۔" انہیں حضرات میں حویلیاں سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب پروفیسر طاہر ہاشمی بھی ہیں، جنہوں نے اپنے مذموم افکار و نظریات اور مکروہ عزائم وخیالات کی بناپر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کا مصنوعی لبادہ اوڑھ کر اکابر علماء اہل سنت واساطین اُمت کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عبارات توڑ مروڑ کر اور ان کا سیاق وسباق حذف کرکے خواہ مخواہ انہیں "ناقدین معاویہؓ" کی فہرست میں شامل کرکے عوام الناس کو ان سے متنفر وبدظن کرنے کا بیڑہ اُٹھار کھا ہے "۔(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر: ۳۴)

مفتی صاحب کی عبارات میں چند باتیں قابل غور ولائق توجہ ہیں۔(۱) پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے کچھ مذموم افکار و نظریات اور مکروہ عزائم وخیالات ہیں۔

جواب :۔پروفیسر صاحب اگر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دفاع کرے تو اُن کے افکار و نظریات مذموم اور عزائم وخیالات مکروہ قرار دے دیئے گئے اور جو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو چھوڑ کر اپنے اکابر علماء کا دفاع کرے تو اُس کے افکار و نظریات محمود اور عزائم وخیالات مستحب کیسے قرار دیئے جاسکتے ہیں..؟یہ بات میری سمجھ سے بالا ہے،اگر کسی کو سمجھ آرہی ہے تو ضرور وضاحت فرمادے، کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دفاع مذموم ومکروہ ہو اور چودہ صدیوں بعد پیدا ہونے

والے علماء کا دفاع محمود و مستحب کیسے...؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر قاضی صاحب نے عبارات علماء توڑ مروڑ کر پیش کی ہیں تو آپ کو چاہیے کہ وہ عبارات مکمل پیش کر دیں اور اسے آپ کا تعمیری کام قرار دیا جائے گا اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر صرف لفاظی وسب وشتم کو تخریبی کاروائی قرار دیا جائے گا نہ کہ تحقیق۔

شہید ملتِ اسلامیہ، مورخ اسلام حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اہل تشیع سے متعلق ایک دستاویز بنام "تاریخی دستاویز" تیار کی، جس میں اہل تشیع کی کم و بیش تین سو کتب کے حوالہ جات درج فرمائے، جن میں "توحید، رسالت و نبوت، عقیدہ ختم نبوت، حضرات خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کی توہین، حضرات اہل بیت رسولؐ کی توہین اور متفرق امور"۔ شامل ہیں، تاریخی دستاویز کم و بیش 700 صفحات پر مشتمل ہے، اس کے جواب میں اہل تشیع نے 1200 صفحات پر مشتمل کتاب "تحقیقی دستاویز" لکھ ڈالی، جس میں لکھا کہ جو باتیں ہماری کتب میں ہیں یہی یا اس کے قریب تر آپ کی کتب میں بھی موجود ہیں، فیصلہ آپ کریں، کہ ہمارے بزرگوں سے سہو ہوا، یا ان کی کتابوں میں اہل تشیع نے ایسا مواد ڈالا اور محنت ایسی کی کہ اس مواد کو ہم اپنا قرار دے رہے ہیں، اس لیے قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب نے محنت فرمائی اور ایسا مواد جمع کر کے کہہ دیا کہ یا تو ہمارے بزرگوں سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے بلا سوچے سمجھے دوسرے بزرگوں پر بھروسہ کرتے ہوئے حوالہ جات نقل کر دیئے، لیکن اس سے حضرات صحابہ کرامؓ کے خلاف مخالفین کو کیسا زبردست مواد مل رہا ہے، اس عنوان پر غور نہیں کیا، بس یہ قاضی صاحب کی غلطی ہے کہ انہوں نے اس مواد کو یکجاء کر دیا، جو مختلف کتابوں میں تھا۔ مفتی محمد وقاص رفیع صاحب قاضی صاحب کی نیت پر شک کر کے غیب دانی کا دعویٰ کر رہے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے اور اپنی حدود سے تجاوز ہے۔

Abdul Manan Maviya

6 July at 00:09

قسط سوم:

مقدمہ کتاب پر گزارشاتِ معاویہ

عبدالمنان معاویہ

جناب مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایک بھی صحابہ کا ایسا دیوانہ پیدا نہیں ہوا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام دیتا، ان کا احتساب کرتا اور ان کے خلاف تقریراً یا تحریراً یا احتجاجاً کوئی کاروائی عمل میں لاتا، اور ''ناقدین معاویہ'' نامی کتاب لکھ کر جو سعادت آج پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب نے اپنی قسمت میں سمیٹی ہے وہ حاصل کرتا؟ آخر یہ امام احمد بن حنبل، امام ابو جعفر طحاوی، امام ابوالحسن اشعری، امام ابو منصور ماتریدی، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام الحرمین الجوینی، حجۃ الاسلام امام غزالی، امام فخر الدین رازی، امام نووی، علامہ شمس الدین ذہبی، علامہ بدر الدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ تاج الدین سبکی، علامہ ابن ہمام حنفی، علامہ ابن حجر ہیتمی، علامہ عبدالعزیز فرہاروی، مولانا سرفراز خان صفدر، علامہ علی شیر حیدری، اور مولانا محمد نافع وغیرہ حضرات کہاں تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام نہ دے سکے، ان کا احتساب نہ کرسکے، اور آنے والی نسل کو ان کی صحابہ دشمنی سے آگاہ نہ کرسکے؟ جس کا سارا بوجھ آج پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب کو اپنے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر اٹھانا پڑ رہا ہے"۔ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر: ۳۴)

جواب: (1) مفتی محمد وقاص رفیع صاحب کو مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل ہیں، لہٰذا وہ پہلے یہ بتائیں کہ

جس انداز میں کام حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے شروع فرمایا، اسلام کی چودہ صدیوں میں کوئی بھی عالم اس انداز میں کام کیوں نہ کرسکا..؟اور آخر کار مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو یہ غم کھاگیا کہ امت مسلمہ کی اصلاح اس طرح کی جائے..؟کیا اسلام کی چودہ صدیوں میں کوئی بھی ایسا عالم دین، فقیہ ملت، محدث وقت، مفسر قرآں، ولی اللہ نہیں پیدا ہوا جس کے دل میں امت مسلمہ کا غم اس طرح سرایت کرگیا ہو جس طرح مولانا محمد الیاس کے دل میں کرگیا تھا، اور وہ امت مسلمہ کی اصلاح کی غرض سے اس طرح کی کوئی جماعت تشکیل نہ دے پایا...تو کیوں؟

اگر آپ یوں کہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس سے چاہتے ہیں دین کا کام لیتے ہیں تو ہماری طرف سے بھی یہی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب سے دفاع صحابہؓ کا کام لینے تھا اور وہ باری تعالیٰ لے بھی رہا ہے، اور یہ تو نصیبے کی بات ہے کہ قاضی صاحب دام ظلہم تو دفاع امہات المومنینؓ ، دفاع بنات رسولؐ، دفاع اصحاب رسولؐ کا فریضہ سرانجام دیں، یہ وہ مقدس گروہ ہے جو سب کے سب قرآنی شخصیات ہیں، لیکن آپ کے نصیبے میں کیا آیا، علماء امت جو کہ تاریخی شخصیات ہیں، اوتر شاید ان حضرات کی زندگیوں پر لکھی جانے والی کتب مبالغہ آمیزی سے پاک بھی نہ ہوں۔

(2) جناب مفتی وقاص صاحب آپ چند علمائے کرام کا نام درج فرما کر لکھتے ہیں کہ :۔" حضرات کہاں تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام نہ دے سکے، ان کا احتساب نہ کرسکے، اور آنے والی نسل کو ان کی صحابہ دشمنی سے آگاہ نہ کرسکے؟جس کا سارا بوجھ آج پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب کو اپنے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر اٹھانا پڑ رہا ہے"۔ میں کہتا ہوں کہ مبلغ تبلیغی جماعت جناب مولوی طارق جمیل سے جو خطرناک غلطیاں ہوئیں ہیں، اس وقت موجود اکابر علمائے دیوبند میں سے سوائے حضرت مفتی محمد عیسیٰ خان رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ اور شیخ التفسیر حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب حفظہ اللہ کے اور کوئی عالم دین کیوں نہ بولا..؟اور سب کے سب بزرگ ہیں، عمر رسیدہ ہیں ، اور طارق جمیل کی مخالفت کا سارا بوجھ انہوں نے اپنے کندھوں پر کیوں اٹھایا، احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے، تو میرے بھائی کوئی بولے یا نہ بولے وکیل صحابہؓ حضرت قاضی صاحب بولے، بجائے اس کے کہ ہم

قاضی صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے کہ ہم نوجوان ہو کر بھی وہ کام نہ کر سکیں جو اس ساٹھ سالہ بزرگ کر دیا، الٹے اُن کے خلاف اوراق سیاہ کرنے بیٹھ گئے، یاللعجب

(3) مفتی وقاص رفیع صاحب! پوچھنا تو ان سے چاہیے تھا جو نہیں بولے کہ آپ کیوں نہیں بولے، آپ اُن سے پوچھ رہے ہو، جس نے جانتے بوجھتے ہوئے کہ جب میں حق کا اظہار کروں گا تو اپنے پرائے سب میرے مخالف ہو جائیں گے، اس مرد نَر نے جرات کا مظاہرہ کیا، اور دفاع صحابہؓ کا فریضہ سرانجام دیا، میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرد واحد تھے جنہوں نے مفکر اسلام حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ، شہید ملت اسلامیہ حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ، خطیب اسلام مولانا عبدالمجید ندیمؒ، اور کئی دیگر علمائے دیوبند کے خلاف زبان قلم کو حرکت دی، تو کسی نے نہیں پوچھا کہ جناب من! اور تو کوئی نہیں بولا آپ عمر کی اس حصہ میں جب آپ کو مسجد و مصلیٰ سنبھالنا چاہیے تھا، آپ اپنے ہی لوگوں کی مخالفت پر کمربستہ ہیں..؟ بلکہ سب بزرگوں نے قاضی مظہر حسین صاحب کی خاموش تائید کی، تو پتہ چلا کہ کسی کے نہ بولنے یا نہ کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوسرے بھی وہ کام نہ کریں۔

Abdul Manan Maviya

7 July at 18:12

قسط چہارم:

کتاب "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابرؒ"

کے مقدمہ پر گزارشاتِ معاویہ

عبدالمنان معاویہ

جناب مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ :۔ گو کہ بعض چیدہ چیدہ حضرات (مثلاً امام عبدالرزاق، امام حاکم، امام ابوبکر جصاص اور علامہ تفتازانی وغیرہ) پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بعض علماء نے نقد ضرور کیا ہے، لیکن ایک تو انہوں نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی نہیں بلکہ فرداً فرداً ایک ایک شخص پر نقد کیا ہے، دوسرے یہ کہ انہیں نقد کرنے والے علماء ہی کے ہم عصر بعض دوسرے علماء نے ان کے اس نقد کو قطعی طور پر تسلیم نہیں کیا، اور مذکورہ بالا حضرات کے دفاع میں نقد کرنے والے علماء کو اپنے دلائل قویہ اور حجج بینہ کی بناء پر خاموش کرکے ان پر سے نقدِ معاویہ کا الزام صاف کرکے اس کی دوٹوک الفاظ میں نفی کی ہے "۔ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر: 34)

فارسی کی مثل مشہور ہے کہ " دروغ گو را حافظہ نباشد" کہ جھوٹے شخص کا حافظہ نہیں ہوتا، وہ ایک لمحہ قبل کچھ کہتا ہے تو دوسرے ہی لمحہ اپنی ہی بات کی نفی کر دیتا ہے، مفتی محمد وقاص رفیع صاحب پر یہ مثل سو فیصدی صادق آتی ہے کہ انہوں نے درج بالا صفحہ کے پہلے پیرا میں قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب پر طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہوئے فرمایا کہ لکھا ہے کہ :۔ " انہیں حضرات میں حویلیاں سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب پروفیسر طاہر ہاشمی بھی ہیں، جنہوں نے اپنے مذموم افکار و نظریات اور مکروہ عزائم و خیالات کی بنا پر حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کا مصنوعی لبادہ اوڑھ کر اکابر علماء اہل سنت واساطین اُمت کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عبارات توڑ مروڑ کر اور ان کا سیاق و سباق حذف کرکے خواہ مخواہ انہیں "ناقدین معاویہؓ" کی فہرست میں شامل کرکے عوام الناس کو ان سے متنفر و بدظن کرنے کا بیڑہ اُٹھا رکھا ہے"۔(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عباراتِ اکابر: 34) اب فیصلہ فرمائیے کہ ایک طرف فرمارہے ہیں کہ علمائے اہل سنت واساطین امت کو قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب نے خواہ مخواہ ناقدین معاویہ میں شامل کیا ہے اور صفحہ 34 ہی کے آخری پیرا میں فرماتے ہیں کہ :۔" گو کہ بعض چیدہ چیدہ حضرات (مثلاً امام عبدالرزاق، امام حاکم، امام ابوبکر جصاص اور علامہ تفتازانی وغیرہ) پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بعض علماء نے نقد ضرور کیا ہے"۔اب فیصلہ قارئین محترم کی صوابدید پر ہے کہ قارئین فیصلہ فرمائیں کہ جناب مفتی صاحب اپنے لکھے کو ہی بھول بیٹھے، اور جن علماء نے امام عبدالرزاق، امام حاکم، امام ابوبکر جصاص، اور علامہ تفتازانی وغیرہما کے جوابات تحریر فرمائیں تو وہ علماء کرام تو لائق ادب واحترام ہیں جب کہ قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب مفتی صاحب کی زد میں ہیں اور لائق جرم وسزا، فرقہ ناجیہ سے خارج، مفتی صاحب کے سب وشتم کے لائق... آخر کیوں؟

اگر پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب کا "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" نامی کتاب لکھنا جرم ہے تو پھر وہ علماء بھی جنہوں نے امام عبدالرزاق، امام حاکم، امام ابوبکر جصاص حنفی اور علامہ تفتازانی پر نقد کیا ہے وہ بھی لائق جرم وفرقہ ناجیہ سے خارج اور اگر ان حضرات پر نقد کرنے والے علماء فرقہ ناجیہ سے خارج نہیں تو صرف قاضی صاحب پر ہی مار و مار کیوں.؟

مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ :۔"ایک تو انہوں نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی نہیں بلکہ فرداً فرداً ایک ایک شخص پر نقد کیا ہے"۔(ص: 34) اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب کا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے سب ناقدین معاویہ کا تذکرہ یکجاء کر دیا، اگر وہ بھی سب کا فرداً فرداً تذکرہ کرتے تو شاید مفتی وقاص رفیع صاحب کو اتنی تکلیف نہ ہوتی، اور وہ یہ کتاب لکھنے کی مشقت سے بھی بچ جاتے۔

مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ :۔"دوسرے یہ کہ انہیں نقد کرنے والے علماء ہی کے ہم عصر بعض

دوسرے علماء نے ان کے اس نقد کو قطعی طور پر تسلیم نہیں کیا، اور مذرہ بالا حضرات کے دفاع میں نقد کرنے والے علماء کو اپنے دلائل قویہ اور حجج بینہ کی بناء پر خاموش کرکے ان پر سے نقدِ معاویہ کا الزام صاف کرکے اس کی دوٹوک الفاظ میں نفی کی ہے"۔(ص:34)

یعنی امام عبدالرزاق، امام حاکم، امام ابوبکر جصاص اور علامہ تفتازانی پر نقد کرنے والے علماء کے نقد کو دلائل وبراہین سے غلط ثابت کیا ہے اور یہ بات واضح کی ہے کہ ان حضرات پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کے الزام محض بے جاء ہیں، تو مفتی محمد وقاص رفیع صاحب کو بھی چاہیے تھا کہ وہ بھی ان علماء کے طرز کو اپناتے اور قاضی صاحب کی جانب سے جن علماء کی کتابوں کے حوالہ جات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اُن علماء سے دانستہ یا غیر دانستہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں توہین و تنقیص ہوئی ہے، تو مفتی وقاص صاحب دلائل کے زور پر ثابت کرتے کہ قاضی صاحب جن عبارات پر معترض ہیں اُن کا اصل مقصد یہ ہے اور عبارت کی مناسب توجیہ و تشریح پیش کرکے قاضی صاحب و قاضی صاحب کی کتاب پڑھنے والوں کی غلط فہمی کو دور کرتے، لیکن افسوس کہ مفتی وقاص صاحب ایسا نہ کرسکے، بلکہ اُن کی کتاب کا مقدمہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل کی زبان میں شائستگی نہیں ہے، مفتی صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ قاضی صاحب ساٹھ سال کی عمر کے ہیں، تو یقیناً آپ سے عمر میں بڑھے ہیں اُن کا نام ادب واحترام سے لینا چاہیے تھا، لیکن افسوس صد افسوس کہ مفتی صاحب نے ایسا نہ کیا۔

10-07-2017

: قسط پنجم

کتاب

" حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابرؒ"

کے

مقدمہ پر گزارشاتِ معاویہ

عبدالمنان معاویہ

جناب مفتی محمد وقاص رفیع صاحب لکھتے ہیں کہ :۔" پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی اور بے ادبی کی ہے، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی اور گستاخی ملاحظہ ہو :

..... امام جصاص حنفی رازی کی مذکورہ تبرائی عبارت سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں

قرآن (لاینال عھدی الظالمین) کی رو سے معاویہ رضی اللہ عنہ امامت خلافت اور امارت کا مستحق نہیں۔... ۳

معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جائز حکم ران یا خلیفہ نہیں تھا بلکہ... ۴

(متغلب تھا۔ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر: 35/36

جناب مفتی محمد وقاص رفیع کی درج بالا عبارات سے تاثر یہ ملتا ہے کہ شاید پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب کی عبارات ہیں اور پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب قرآن کریم کی آیت مبارکہ سے نتیجہ یہ نکال رہے ہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت مبارکہ کی رو سے خلافت وامامت وامارت کے مستحق نہیں ہیں، اور دوسری عبارت سے تومزید یہ واضح ہورہا ہے کہ پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جائز خلیفہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

عزیزان من! ایسا نہیں ہے بلکہ وقاص رفیع صاحب نے اِن مقامات پر بجائے اصل بات نقل کرنے کے اُلٹا

قاضی صاحب کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے، میں آپ کے سامنے ایک مثال سے بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں کہوں کہ آج صبح کے روزنامہ خبریں لاہور ایڈیشن میں " مولانا فضل الرحمٰن اور علمائے دیوبند کے خلاف "حیدر" نامی شخص نے کالم میں لکھا ہے کہ مولانا اور علمائے دیوبند پاکستان کے مخالف ہیں"۔اس کے بعد آپ روزنامہ خبریں کو چھوڑ دیں، کالم نگار کا ذکر نہ کریں اور میرے سر الزام تھوپ دیں کہ میں نے کہا ہے کہ علمائے دیوبند اور مولانا فضل الرحمٰن پاکستان کے مخالف ہیں، یعنہ وقاص رفیع صاحب نے یہی کچھ کیا ہے ،آیئے حقیقت حال آپ کے سامنے بیان کیے دیتے ہیں، پروفیسر قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ :۔ موصوف (یعنی امام ابوبکر جصاص حنفی) پھر اس کے صحابہ وتابعین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔(ہم عربی عبارت نقل کرنے کے بجائے صرف ترجمہ نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ع،م، معاویہ) اور تمام صحابہ وتابعین ان ظالموں کے ہاتھوں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے، لیکن اس بناء پر نہیں کہ وہ ان کو دوست یا ان سے محبت رکھتے ہوئے یا ان کی خلافت وامامت اور امارت کو درست سمجھتے ہوئے، بلکہ وہ اس خیال سے وظائف قبول کرتے تھے کہ یہ ان کے اپنے حقوق تھے، جو ظالم اور فاجر لوگوں کے قبضے میں تھے، اور یہ طرز عمل ان کے ساتھ دوستی اور محبت کی بناء پر نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حضرات عبدالملک بن مروان کی بیعت توڑے ہوئے تھے، ان پر لعنت کرتے تھے اور ان پر تبراء کرتے تھے، اور ان سے پہلے صحابہ وتابعین کا معاویہ کے ساتھ بھی یہی سلوک اور رویہ تھا، جب علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد خلافت پر جبراً قابض ہو گیا تھا اور حضرات حسنین اور جو صحابہ اس کے دور میں موجود تھے وظائف تو قبول کرتے تھے مگر اس کے ساتھ دوستی اور محبت کے بغیر، بلکہ اس سے اسی طرح تبرا کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنی جنت اور رضوان میں لے گئے، لہٰذا اس دور کے صحابہ وتابعین کا (عبدالملک، حجاج اور معاویہ جیسے اظلم ،افجر اور اکفر لوگوں کے ہاتھوں سے) عہدہ قضاء اور وظائف قبول کرنا اس بات دلیل نہیں کہ وہ حضرات ان سے محبت اور دوستی رکھتے تھے یا ان کی امامت وخلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے" (احکام القرآن، جلد اول، ص ۱۷

امام جصاص حنفی رازی کی مذکورہ تبرائی عبارت سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے :۱۔ معاویہ، عبدالملک بن

مروان اور حجاج بن یوسف کی مثل ہے۔ ۲۔ عبدالملک اور حجاج سے بڑھ کر پورے عرب اور آل مروان میں کوئی کافر، ظالم اور فاجر نہیں (اظلم واجر واکفر) ۳۔ قرآن (لاینال عھدی الظالمین) کی رو سے معاویہ، امامت ،خلافت اور امارت کا مستحق نہیں۔ ۴۔ معاویہؓ، حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی جائز حکمران یا خلیفہ نہیں تھا بلکہ متغلب تھا۔ ۵۔ حضرت علیؓ، حضرات حسنینؓ اور دیگر صحابہؓ وتابعینؒ، معاویہؓ سے دوستی ومحبت نہیں رکھتے تھے بلکہ اس پر لعنت اور تبراء کے علاوہ اس سے نفرت بھی کرتے تھے۔ ۶۔ جو صحابہؓ وتابعینؒ معاویہؓ سے وظائف اور مناصب قبول کرتے تھے وہ دراصل ان کے اپنے حقوق تھے جو اس ظالم اور فاجر کے قبضے میں تھے۔

قارئین کرام! امام ابوبکر جصاص کی اس جرات سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس تبرے کی زد سے کون کون (سے حضرات محفوظ رہے؟ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین: 94/95

جناب مفتی محمد وقاص رفیع صاحب، قاضی پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :۔"

پروفیسر آں موصوف نے اپنی کتاب میں اکابر اہل سنت کے عبارات کو توڑ مروڑ کر، ان میں قطع وبرید کرکے اور ان کا سیاق وسباق حذف کرکے جس دجل وفریب اور تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کیا ہے اسے دیکھ کر عزازیل (بھی شرما جاتا ہے"۔ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر: 35

میں یہ کہتا ہوں کہ چند سطور قبل آپ پڑھ چکے ہیں کہ مفتی وقاص رفیع صاحب نے امام جصاص کی عبارات قاضی صاحب کے کھاتے میں ڈال کر اُن کے اپنے الفاظ میں "عبارات کو توڑ مروڑ کر، ان میں قطع وبرید کرکے اور ان کا سیاق وسباق حذف کرکے جس دجل وفریب اور تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کیا ہے اسے دیکھ کر عزازیل بھی شرما جاتا ہے"۔ اور یہ مفتی وقاص رفیع صاحب کی بیان کردہ جملہ صفات مفتی وقاص رفیع صاحب میں بدرجہ اتم پائی جاتیں ہیں، جس کا ایک نمونہ آپ نے ابھی ملاحظہ کیا، مزید اگلی قسط میں ان شاء اللہ ۔ (جاری ہے)

{ یا أیھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا (القرآن) }

(اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو) (الحجرات ۴۹/ ۶)

امیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

اور

عباراتِ اکابرؒ

تصنیف:

مفتی محمد وقاص رفیعؔ

فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور

من منشورات:

ادارۃ التحقیق والأدب

﴿یا ایھا الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنبأ فتبینوا (القرآن)﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو! (الحجرات: ۴۹/۶)

حضرت معاویہ رضؓ

اور

عباراتِ اکابر رحؒ

تصنیف:

مفتی محمد وقاص رفیع

فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ لاہور

من منشورات:

ادارۃ التحقیق والنشر

ایبٹ آباد روڈ، اسلام پور، واہ کینٹ، ضلع راولپنڈی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

کتاب کا نام: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر

تصنیف: مفتی محمد وقاص رفیع

کمپوزنگ: مکرمہ عکراش

اشاعت: 2018ء

ناشر: ادارۃ التحقیق والادب ایبٹ آباد وہ اسلام پور (واہ کینٹ)

+92300-5808678

قیمت: -/1000 روپے

ملنے کے پتے

ادارۃ التحقیق والادب اسلام پور واہ کینٹ

مکتبہ سراجیہ سرگودھا

مکتبہ سید احمد شہید، لاہور

المحمود پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور

مرکز اہلسنت، سرگودھا 0300-3166018

مکتبہ شہید اسلام لال مسجد اسلام آباد

مکتبہ صفدریہ چوہڑ چوک، راولپنڈی

دار النعیم اردو بازار، لاہور

مکتبہ جمال قاسمی، سہراب گوٹھ کراچی

اشاعت

دار الکتاب، یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

0300-8099774, 0300-4768740

انتساب:

کچھ عرصہ سے ارباب قلم کا دستور ہے کہ وہ اپنی دینی وعلمی خدمات کو کسی عظیم ترین شخصیت یا کسی مشہور ترین مرکزیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بناء بریں میں بھی اپنی اس دینی وعلمی خدمت کو اپنے مادر علمی، منبع علوم وفنون، مرکز دعوت وتبلیغ ''مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ'' کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، جس کی خوش گوار فضاؤں اور مشک بار ہواؤں کے دامن تربیت میں پل کر میں اس علمی کاوش کے لائق ہوا۔

فہرست مضامین

۱	انتساب	۳
۲	فہرست مضامین	۴
۳	مقدمہ	۳۳
۴	جرنیل اسلام سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	۴۰
۵	نام ونسب	۴۰
۶	حلقہ بگوش اسلام	۴۰
۷	حسن صورت اور حسن سیرت	۴۱
۸	خدمت نبوی ﷺ اور کتابت وحی	۴۱
۹	مختلف غزوات میں شرکت	۴۱
۱۰	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں	۴۱
۱۱	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں	۴۳
۱۲	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں	۴۳
۱۳	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں	۴۳
۱۴	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد مرتضوی رضی اللہ عنہ میں	۴۳
۱۵	حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں	۴۵
۱۶	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں	۴۶
۱۷	حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت	۴۸
۱۸	فتوحات معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک نظر	۵۰

۱۹	وفات حسرت آیات	۵۱
۲۰	سیدنا معاویہ ؓ کا دور ابتلاء و خلافت علمائے اہل سنت والجماعت کی نظر میں	۵۳
۲۱	خلافت عثمانی ؓ کا زوال	۵۳
۲۲	حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی بیعت خلافت	۵۴
۲۳	شہادت عثمانی ؓ کے صحابہ کرام ؓ پر اثرات	۵۴
۲۴	اہل شام کی طرف شہادت عثمانی ؓ کی اطلاع	۵۵
۲۵	عمال عثمانی ؓ کی معزولی	۵۵
۲۶	اہل شام کا موقف	۵۶
۲۷	اہل عراق کا موقف	۵۷
۲۸	رنگ میں بھنگ یعنی فریقین کے درمیان مساعی صلح میں فسادیوں کا کردار	۵۸
۲۹	تحکیم حکمین	۵۸
۳۰	جنگ جمل وصفین کے فریقین کی صحیح حیثیت	۶۰
۳۱	جنگ صفین میں فریقین میں سے حق پر کون تھا؟	۶۱
۳۲	باہمی مصالحت اور معاہدۂ جنگ بندی	۶۳
۳۳	شہادت علی المرتضیٰ ؓ	۶۳
۳۴	حضرت حسن مجتبیٰ ؓ کی بیعت خلافت	۶۴
۳۵	عام الجماعت	۶۴
۳۶	مصالحت حسن ؓ کی صحت وحقانیت	۶۴
۳۷	خلافت یا ملوکیت؟ ایک شبہ اور اُس کا ازالہ	۶۵
۳۸	استلحاق زیاد کا مسئلہ	۶۶
۳۹	استخلاف یزید	۶۷
۴۰	نقاب کشائی یا تلخ نوائی	۷۰

۴۱	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور علمائے اہل سنت	۷۳
۴۲	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوئے ظن رکھنے والے تین گروہ ہیں!	۷۳
۴۳	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور کے بارے میں علمائے اہل سنت کا معتدل مسلک	۷۴
۴۴	علمائے اہل سنت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنے کا الزام	۷۵
۴۵	الزام تنقید کا وقیعہ	۷۶
۴۶	دیگراں را نصیحت خود را فضیحت!	۷۶
۴۷	پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ایک سوال	۷۷
۴۸	توقف وامساک اور کف لسان کا حکم علی الاطلاق نہیں!	۷۷
۴۹	توقف وامساک اور کف لسان کا شرعی حکم	۷۸
۵۰	مجتہد خطی حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے بھی خطی ہوتا ہے یا نہیں؟	۸۹
۵۱	جی ہاں! مجتہد خطی حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے بھی خطی ہوتا ہے!	۸۹
۵۲	ایک مثال	۹۰
۵۳	کیا خطائے اجتہادی عند اللہ قابل گرفت ہے؟	۹۱
۵۴	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد خطی اور غیر مجتہد خطی ہونے کی بحث	۹۳
۵۵	حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں خطی تھے!	۹۶
۵۶	کیا کسی مجتہد خطی کا یقینی طور پر تخطیہ کیا جا سکتا ہے؟	۱۰۰
۵۷	پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا ایک اعتراض	۱۰۱
۵۸	ہاشمی صاحب کے اعتراض کا جواب	۱۰۱
۵۹	قتل عمار رضی اللہ عنہ کے بعد لشکر علوی رضی اللہ عنہ میں شامل ہونے والے حضرات	۱۰۱
۶۰	حضرت خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ	۱۰۱
۶۱	حضرت زید بن عبد الخولانی رضی اللہ عنہ	۱۰۳
۶۲	حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۳

۶۳	ایک شبہ اور اُس کا ازالہ	۱۰۷
۶۴	دلیل قوی کی بنیاد پر کسی سے اختلاف رائے رکھنے کی بحث	۱۱۰
۶۵	اجماع کا مخالف مسلک اہل سنت سے خارج ہے!	۱۱۰
۶۶	اقتدار از جانب مصنف کتاب	۱۱۱
۶۷	عذر گناہ بدتر از گناہ	۱۱۲
۶۸	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے متعلق بحث	۱۱۲
۶۹	''مؤلفۃ القلوب'' میں سے ہونا کوئی عیب نہیں ہے!	۱۲۱
۷۰	''مؤلفۃ القلوب'' کی فہرست	۱۲۲
۷۱	ہنوز بر سر مطلب آدم!	۱۲۴
۷۲	''طلقاء'' میں سے ہونا بھی کوئی عیب نہیں ہے!	۱۲۷
۷۳	کلمہ ''طلقاء'' کا مختصر پس منظر	۱۲۸
۷۴	''طلقاء'' کے مخاطب کون لوگ تھے؟	۱۲۷
۷۵	بحث کا خلاصہ اور لب لباب	۱۲۹
۷۶	ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۱۳۱
۷۷	پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا خود اپنے ہی اُصول سے انحراف	۱۳۲
۷۸	پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی دو متضاد عبارتیں	۱۳۳
۷۹	اجتہادی خطاؤں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی پیش پیش کیوں؟	۱۳۳
۸۰	اجتہادی خطائیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی کئی حضرات سے صادر ہوئیں!	۱۳۴
۸۱	دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم و ائمہ مجتہدین سے اجتہادی خطائیں صادر ہونے کی مثالیں	۱۳۴
۸۲	پہلی مثال	۱۳۴
۸۳	دوسری مثال	۱۳۵
۸۴	تیسری مثال	۱۳۵

۸۵	چوتھی مثال	۱۳۶
۸۶	صحابہ کرام ؓ سے بشری خطائیں صادر ہونے کی مثالیں	۱۳۶
۸۷	پہلی مثال	۱۳۷
۸۸	دوسری مثال	۱۳۸
۸۹	تیسری مثال	۱۳۹
۹۰	ہنوز بر سر مطلب آدم!	۱۳۹
۹۱	مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کی ابتداء اور اُس کے اسباب	۱۳۹
۹۲	شیعہ	۱۴۰
۹۳	خوارج	۱۴۱
۹۴	مرجیہ	۱۴۱
۹۵	معتزلہ	۱۴۱
۹۶	اہل سنت والجماعت	۱۴۱
۹۷	کیا کسی مجتہد کو قطعی طور پر مصیب یا مخطی کہا جاسکتا ہے؟	۱۴۲
۹۸	جی ہاں! کسی مجتہد کو قطعی طور پر مصیب یا مخطی کہا جاسکتا ہے!	۱۴۲
۹۹	خطائے اجتہادی پر جب اجماع منعقد ہو جائے تو وہ قطعی اور یقینی خطاء تصور کی جاتی ہے!	۱۴۳
۱۰۰	اصحاب پیغمبر ؓ کا ذکر ہمیشہ بالخیر ہی کرنا چاہیے!	۱۴۵
۱۰۱	مشاجرات صحابہ ؓ کا ذکر علمائے اہل سنت نے ضرورت شرعیہ ہی کی بناء پر کیا ہے!	۱۴۶
۱۰۲	مولانا عبدالغفور سیال کوٹی صاحب کا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اُصول سے انحراف	۱۴۶
۱۰۳	ایک کی تنقیص سے دوسرے کا دفاع کرنا اہل سنت کے دائرے سے باہر ہے!	۱۴۷
۱۰۴	لیاقت وصلاحیت میں رفض وتفضیلیت کی نمائندگی کرنے والوں کا اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں!	۱۴۸
۱۰۵	علمائے اہل سنت کا دفاع کیوں ضروری ہے؟	۱۴۹

﴿ — راوئ بخاری محدث عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ — ﴾

۱۰۷	نام ونسب	۱۵۲
۱۰۸	ولادت باسعادت	۱۵۲
۱۰۹	علمی اسفار	۱۵۲
۱۱۰	اساتذہ وشیوخ	۱۵۲
۱۱۱	شاگرد وتلامذہ	۱۵۳
۱۱۲	فضل وکمال	۱۵۴
۱۱۳	علمی مقام	۱۵۴
۱۱۴	وفات حسرت آیات	۱۵۵
۱۱۵	امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق	۱۵۵
۱۱۶	امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۵۵
۱۱۷	امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۵۵
۱۱۸	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۵۶
۱۱۹	امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۵۶
۱۲۰	امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۵۶
۱۲۱	امام ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۵۶
۱۲۲	امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۵۷
۱۲۳	امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۵۸
۱۲۴	امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۵۸
۱۲۵	امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۵۹
۱۲۶	امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۵۹
۱۲۷	امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۱
۱۲۸	حافظ ضیاء المقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۳

۱۲۹	امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۵
۱۳۰	علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۵
۱۳۱	حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۵
۱۳۲	حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۶
۱۳۳	امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۶
۱۳۴	امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۶
۱۳۵	امام ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۷
۱۳۶	امام ابوعوانہ الاسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۷
۱۳۷	امام ابوزرعہ الرازی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۷
۱۳۸	محیی السنۃ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۶۷
۱۳۹	ایک ضروری وضاحت!	۱۶۸
۱۴۰	امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر کی جانے والی جرح کی صورتیں	۱۶۹
۱۴۱	امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر ''تشیع'' کا الزام	۱۷۰
۱۴۲	امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے ''تشیع'' کی نوعیت	۱۷۱
۱۴۳	امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا ''تشیع یسیر'' سے بھی رجوع	۱۷۲
۱۴۴	امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر ''تشیع شدید'' کا الزام اور روایات کی حقیقت	۱۷۶
۱۴۵	امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی گستاخی کا الزام	۱۷۶
۱۴۶	پہلا راوی ابوالفرج محمد بن جعفر صاحب المصلی ضعیف ہے!	۱۷۷
۱۴۷	دوسرا راوی ابوزکریا غلام احمد بن ابی خیثمہ مجہول ہے!	۱۷۸
۱۴۸	ہاشمی صاحب کی نیم علمی تحقیق یا اُن کی طوطا چشمی	۱۷۹
۱۴۹	امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گستاخی کا الزام	۱۷۹
۱۵۰	پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب	۱۸۰

۱۵۱	روایت بذا کی فنی حیثیت	۱۸۲
۱۵۲	امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کے الزام والی روایات کا جائزہ	۱۸۳
۱۵۳	روایت بذا کی فنی حیثیت	۱۸۵
۱۵۴	امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر اختلاط کا الزام	۱۸۵
۱۵۵	اختلاط کے الزام کی حقیقت	۱۸۵
۱۵۶	اختلاط سے پہلے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایات کا سماع	۱۸۶
۱۵۷	امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع و تدلیس کا الزام	۱۸۷
۱۵۸	امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر جرح کا الزام	۱۸۷
۱۵۹	پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا ایک اور دجل و فریب	۱۸۸
۱۶۰	روایت بذا کی فنی حیثیت	۱۹۰
۱۶۱	خلاصۂ کلام	۱۹۲
۱۶۲	مؤرخ اسلام امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ	۱۹۵
۱۶۳	نام و نسب	۱۹۵
۱۶۴	ولادت باسعادت	۱۹۵
۱۶۵	تحصیل علم	۱۹۵
۱۶۶	شیوخ و اساتذہ	۱۹۶
۱۶۷	علمی اسفار	۱۹۷
۱۶۸	درس و تدریس	۱۹۷
۱۶۹	تلامذہ و شاگرد	۱۹۷
۱۷۰	تصانیف	۹۷
۱۷۱	امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اساطین علم کی نظر میں	۱۹۸
۱۷۲	امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۱۹۸

۱۷۳ امام ابن العماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۱۹۸

۱۷۴ امام ابو محمد عبداللہ بن اسعد الیافعی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۱۹۹

۱۷۵ حافظ ابن قطان الفاسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۲۰۱

۱۷۶ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۲۰۱

۱۷۷ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۲۰۲

۱۷۸ علامہ ابو الفداء الملک المؤید رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۲۰۲

۱۷۹ وفات حسرت آیات ۲۰۳

۱۸۰ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے گھر میں دفن کرنے کا سبب ۲۰۳

۱۸۱ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر دو بنیادی اعتراضات ۲۰۵

۱۸۲ پہلا مشہور اعتراض ۲۰۵

۱۸۳ دوسرا مشہور اعتراض ۲۰۵

۱۸۴ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے ''تشیع'' کی اصل حقیقت ۲۹۶

۱۸۵ سلف صالحین کے نزدیک لفظ ''تشیع'' کا مفہوم ۲۱۲

۱۸۶ لفظ ''تشیع'' کا مفہوم علمائے متقدمین کے نزدیک ۲۱۳

۱۸۷ لفظ ''تشیع'' کا مفہوم علمائے متاخرین کے نزدیک ۲۱۳

۱۸۸ نتیجہ ۲۱۸

۱۸۹ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر توہین آمیز روایات نقل کرنے کا الزام اور اُن کی حقیقت ۲۱۹

۱۹۰ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی تاریخ و تفسیر میں توہین آمیز روایات نقل کرنے کی حقیقت ۲۲۰

۱۹۱ طرفہ تماشا ۲۲۵

مفسر قرآن امام ابو بکر الجصاص الرازی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۳ نام و نسب ۲۲۷

۱۹۴ ولادت باسعادت ۲۲۷

۱۹۵	علمی مقام	۲۲۷
۱۹۶	تقویٰ وطہارت	۲۲۹
۱۹۷	اساتذہ وشیوخ	۲۲۹
۱۹۸	تصانیف	۲۳۰
۱۹۹	وفات حسرت آیات	۲۳۰
۲۰۰	امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی تفسیر احکام القرآن	۲۳۰
۲۰۱	امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر	۲۳۱
۲۰۲	امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کا علمی وتحقیقی جائزہ	۲۳۲
۲۰۳	بعض مسائل میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے معتزلی مذہب سے متاثر ہونے کی حقیقت	۲۳۳
۲۰۴	پہلا جواب	۲۳۴
۲۰۵	دوسرا جواب	۲۳۴
۲۰۶	پہلا قرینہ	۲۳۵
۲۰۷	دوسرا قرینہ	۲۳۶
۲۰۸	کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آیت استخلاف وآیت تمکین کے مصداق ہیں؟	۲۳۹
۲۰۹	پہلی مثال	۲۳۹
۲۱۰	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آیت استخلاف وآیت تمکین کے مصداق نہیں ہیں!	۲۳۹
۲۱۱	دوسری مثال	۲۳۹
۲۱۲	امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت صاف اور بے غبار ہے!	۲۴۱
۲۱۳	تیسری مثال	۲۴۱
۲۱۴	امام برحق کے خلاف ناحق خروج کرنے والے کو باغی نہیں تو پھر اور کیا کہا جائے؟	۲۴۲
۲۱۵	امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ پر بدعت کا الزام	۲۴۳
۲۱۶	چوتھی مثال	۲۴۳

۲۱۷ امام بصاص رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کرنے کا الزام اور اُس کی حقیقت ۲۵۰

۲۱۸ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت ۲۵۱

۲۱۹ امام بصاص رحمۃ اللہ علیہ کی خلفائے بنوامیہ پر طعن و تشنیع ۲۵۱

۲۲۰ ہاشمی صاحب کی ساٹھ سالہ قلمی بددیانتی ۲۵۳

۲۲۱ امام بصاص رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا منی پر انصاف ترجمہ ۲۵۵

۲۲۲ بنوامیہ کے دو ظالم اور فاسق حکمران ۲۵۸

۲۲۳ تاریخ کی شہادت ۲۵۹

۲۲۴ عبدالملک بن مروان ۲۵۹

۲۲۵ حجاج بن یوسف ۲۶۲

۲۲۶ أئمة الكفر سے مراد "طلقاء" حضرات ہیں! ۲۷۱

۲۲۷ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وضاحت ۲۷۲

امام ابوعبداللہ محمد حاکم نیشاپوری

۲۲۹ نام و نسب ۲۷۹

۲۳۰ ولادت باسعادت ۲۷۹

۲۳۱ عہدۂ قضاء ۲۷۹

۲۳۲ تحصیل علم ۲۸۰

۲۳۳ علمی اسفار ۲۸۰

۲۳۴ علم سے شغف ۲۸۱

۲۳۵ اساتذہ و شیوخ ۲۸۱

۲۳۶ تلامذہ و شاگرد ۲۸۱

۲۳۷ علمی مقام ۲۸۲

۲۳۸ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اساطین علم کی نظر میں ۲۸۲

۲۳۹ علامہ ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق ۲۸۲

۲۴۰ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق ۲۸۳

۲۴۱ علامہ خلیل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق ۲۸۳

۲۴۲ امام عبدالغافر بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق ۲۸۳

۲۴۳ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا فن حدیث میں عالی مقام ۲۸۳

۲۴۴ تصانیف ۲۸۴

۲۴۵ وفات حسرت آیات ۲۸۵

۲۴۶ وفات کے بعد ایک نیک خواب ۲۸۵

۲۴۷ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر رفض وتشیع کا الزام اور اُس کی حقیقت ۲۸۵

۲۴۸ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت ۲۸۷

۲۴۹ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی دوسری علمی خیانت ۲۸۹

۲۵۰ لایحبني فلبي کے واقعہ کی تحقیق ۲۹۱

۲۵۱ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر "تشیع" کے الزام کی حقیقت اور اُس کا علمی وتحقیقی جائزہ ۲۹۲

۲۵۲ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے "تشیع" کے متعلق دو قابل بحث امر ۲۹۳

۲۵۳ پہلا قابل بحث امر ۲۹۳

۲۵۴ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جان دار تبصرہ ۲۹۴

۲۵۵ پہلی حدیث ﴿من کنت مولاہ فعلي مولاہ﴾ کی تحقیق ۳۰۵

۲۵۶ دوسری حدیث "حدیث طیر" کی تحقیق ۳۰۹

۲۵۷ حاصل کلام ۳۱۲

﴿..... صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ .....﴾

۲۵۹ نام نسب ۳۱۷

۲۶۰ ولادت باسعادت ۳۱۷

۲۶۱	وطن عزیز	۳۱۷
۲۶۲	تحصیل علم	۳۷۱
۲۶۳	مکمل تصویر	۳۲۰
۲۶۴	تصانیف	۳۹۱
۲۶۵	وفات حسرت آیات	۳۲۱
۲۶۶	علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر	۳۲۰
۲۶۷	یہاں لفظ "جور" سے اُس کی لغوی نہیں بلکہ فقہی اصطلاح مراد ہے!	۳۲۳
۲۶۸	کیا مصالحت سے پہلے حضرت معاویہ ؓ نے کسی کو عہدۂ قضا سونپا تھا؟	۳۲۳
۲۶۹	شہادت عثمانی ؓ سے لے کر مصالحت حسن ؓ کے دور تک کا اجمالی جائزہ	۳۲۴
۲۷۰	مصالحت حسن ؓ سے پہلے کے دور میں حضرت معاویہ ؓ کا لوگوں کو عہدے سونپنا	۳۲۵
۲۷۱	حضرت عمرو بن العاص ؓ	۳۲۶
۲۷۲	حضرت شرحبیل بن سمط ؓ	۳۲۶
۲۷۳	حضرت نعمان بن بشیر ؓ	۳۲۷
۲۷۴	حضرت عبداللہ بن مسعدہ الفزاری ؓ	۳۲۷
۲۷۵	حضرت حبیب بن مسلمہ الفہری ؓ	۳۲۸
۲۷۶	امام قوال اور امام فعال کی بحث	۳۲۹
۲۷۷	صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب	۳۳۳
۲۷۸	پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج	۳۳۴
۲۷۹	صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں ایک لطیف توجیہ	۳۳۴
۲۸۰	کلمۃ حق أرید بہا الباطل	۳۳۵
۲۸۱	علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ	۳۳۵
۲۸۲	علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ	۳۳۶

۲۸۴ حاصل کلام ۳۳۶

﴿.....علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ.....﴾

۲۸۵ نام ونسب ۳۳۸
۲۸۶ ولادت باسعادت ۳۳۹
۲۸۷ ابتدائی حالات ۳۳۹
۲۸۸ تحصیل علم ۳۳۹
۲۸۹ درس وتدریس ۳۳۹
۲۹۰ علمی مقام ۳۴۰
۲۹۱ تصانیف ۳۴۰
۲۹۲ فقہی مسلک ۳۴۰
۲۹۳ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ تیموریہ میں ۳۴۱
۲۹۴ امیر تیمور لنگ ۳۴۱
۲۹۵ وفات حسرت آیات ۳۴۲
۲۹۶ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر ۳۴۲
۲۹۷ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی علمی خیانت ۳۴۳
۲۹۸ ہنوز بر سر مطلب آمدم! ۳۴۵
۲۹۹ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا دفاع ۳۴۵
۳۰۰ دیگر توجیہ ۳۴۶
۳۰۱ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی صحیح وضاحت ۳۴۸
۳۰۲ یزید اور اُس کے اعوان وانصار پر لعنت بھیجنے کی بحث ۳۵۰
۳۰۳ یزید کے اعوان وانصار سے کون سے اشخاص مراد ہیں؟ ۳۵۲
۳۰۴ وصف عام کے ساتھ لعنت کرنا بالاتفاق جائز ہے! ۳۵۳

۳۰۵	شخص معین (یزید) پر لعنت بھیجنے کی بحث	۳۵۵
۳۰۶	اسلام میں سب سے پہلے بغاوت کرنے والے کی بحث	۳۵۵
۳۰۷	ہاشمی صاحب کی عربی گرائمر سے بے خبری یا اُن کا تجاہل عارفانہ	۳۵۶
۳۰۸	علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت	۳۵۷
۳۰۹	ہاشمی صاحب کا طشت از بام ہونا دجل وفریب	۳۵۹
۳۱۰	اسلام میں سب سے پہلے بغاوت کس نے کی؟	۳۶۰
۳۱۱	اسلام میں دو قسم کی بغاوتیں ہوئی ہیں!	۳۶۱
۳۱۲	پہلی بغاوت	۳۶۱
۳۱۳	اصحاب جمل کی طرف بغاوت کی نسبت	۳۶۲
۳۱۴	ہاشمی صاحب کے بطلان دعویٰ پر چند دلائل	۳۶۲
۳۱۵	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حوالہ	۳۶۲
۳۱۶	امام عبدالقاہر البغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۳۶۵
۳۱۷	امام ابو منصور الماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۳۶۵
۳۱۸	علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۳۶۵
۳۱۹	علامہ ابن الوزیر الحسنی القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۳۶۶
۳۲۰	علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۳۶۶
۳۲۱	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۳۶۶
۳۲۲	علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۳۶۷
۳۲۳	امام الحرمین امام ابوالمعالی الجوینی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۳۶۷
۳۲۴	امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۳۶۷
۳۲۵	امام قاضی ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۳۶۷
۳۲۶	حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ	۳۶۸

۳۲۷ علامہ محمد بن علی الولوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۳۶۸

۳۲۸ باغی صاحب کا حضرت علی ؓ اور علمائے اہل سنت پر کفر کا فتویٰ ۳۶۸

۳۲۹ کیا بیعت نہ کرنے سے بغاوت کا حکم ساقط ہو جاتا ہے؟ ۳۶۹

۳۳۰ قاتلین عثمان ؓ باغی نہیں بلکہ ظالم و سرکش تھے! ۳۷۰

۳۳۱ حضرت معاویہ ؓ کی اپنے بدخواہوں سے مراد کون لوگ ہیں؟ ۳۷۲

۳۳۲ حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ کے مابین مسئلہ تفضیل پر علمی بحث ۳۷۵

۳۳۳ حضرت عثمان ؓ کو حضرت علی ؓ پر فضیلت دینے کا مسئلہ قطعی ہے یا ظنی؟ ۳۷۸

۳۳۴ پہلا نکتہ ۳۷۸

۳۳۵ حضرت عثمان ؓ کی حضرت علی ؓ پر افضلیت ثابت ہونے کے چند شرعی دلائل ۳۷۹

۳۳۶ پہلی دلیل ۳۷۹

۳۳۷ دوسری دلیل ۳۸۰

۳۳۸ تیسری دلیل ۱۸۱

۳۳۹ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا دامن رفض و تشیع سے پاک ہے! ۳۸۲

۳۴۰ خلاصۂ کلام ۳۸۳

۳۴۱ دوسرا نکتہ ۳۸۳

۳۴۲ متقدمین کی اصطلاح میں ''تشیع'' کا مطلب ۳۸۴

﴿..... جامع المعقول والمنقول میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ ..... ﴾

۳۴۴ نام و نسب ۳۹۴

۳۴۵ سن پیدائش ۳۹۴

۳۴۶ تحصیل علم ۳۹۴

۳۴۷ علمی تبحر اور استاذ پر وجد ۳۹۵

۳۴۸ اساتذہ و شیوخ ۳۹۶

۳۴۹ جرح وتنقید ۳۹۶

۳۵۰ تصانیف ۳۹۶

۳۵۱ وفات حسرت آیات ۳۹۷

۳۵۲ میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر ۳۹۸

۳۵۳ ہاشمی صاحب کا دجل اور میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب عبارت کی وضاحت ۳۹۸

حضرت ملا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ

۳۵۵ نام ونسب ۴۰۲

۳۵۶ ولادت باسعادت ۴۰۲

۳۵۷ تحصیل علم ۴۰۳

۳۵۸ تصوف وسلوک ۴۰۳

۳۵۹ زیارت حرمین شریفین ۴۰۳

۳۶۰ خویشگی وفرویشگی ۴۰۴

۳۶۱ تصانیف ۴۰۵

۳۶۲ وفات حسرت آیات ۴۰۶

۳۶۳ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باہمی اختلاف ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں ۴۰۷

۳۶۴ جمہور کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باہمی اختلاف مبنی بر اجتہاد تھا! ۴۰۸

۳۶۵ ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ ۴۰۹

۳۶۶ لعنت بر یزید کے متعلق ایک دل چسپ واقعہ ۴۱۰

۳۶۷ ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا سہو وتسامح ۴۱۱

۳۶۸ ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ۴۱۱

۳۶۹ ہمارا موقف ۴۱۴

۳۷۰ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں شیعہ سنی دونوں قسم کے عقائد مندرج ہونے کی بنیادی وجہ ۴۱۵

محدث جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ

۳۷۲ نام ونسب ۳۱۸

۳۷۳ ولادت باسعادت ۳۱۸

۳۷۴ ابتدائی تعلیم ۳۱۸

۳۷۵ منتہی تعلیم ۳۱۸

۳۷۶ فقہی مسلک ۳۱۸

۳۷۷ زہد وتقویٰ ۳۱۸

۳۷۸ شیوخ واساتذہ ۳۱۸

۳۷۹ تلامذہ وشاگرد ۳۱۸

۳۸۰ تصانیف ۳۱۹

۳۸۱ وفات حسرت آیات ۳۲۰

۳۸۲ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور فسق وبغاوت ۳۲۱

۳۸۳ حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے بموجب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی تھے! ۳۲۲

۳۸۴ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد مخطی ہونے سے عرفی نہیں بلکہ فقہی اصطلاح مراد ہے! ۳۲۳

۳۸۵ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے ہاشمی صاحب کا غلط استدلال ۳۲۳

۳۸۶ دریں چہ شک؟ ۳۲۴

۳۸۷ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی کج فہمی ۳۲۵

۳۸۸ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مطلب ۳۲۵

۳۸۹ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری عبارت سے ہاشمی صاحب کا غلط استدلال ۳۲۶

۳۹۰ محاربین اہل بیت رضی اللہ عنہم سے کون لوگ مراد ہیں؟ ۳۲۷

شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۳۹۲ نام ونسب ۳۲۹

۳۹۳ خاندان ۴۲۹

۳۹۴ ولادت باسعادت ۴۳۰

۳۹۵ ابتدائی تعلیم ۴۳۰

۳۹۶ مطالعہ سے شغف ۴۳۰

۳۹۷ اساتذہ وشیوخ ۴۳۱

۳۹۸ درس وتدریس کا آغاز ۴۳۱

۳۹۹ سفر حج وزیارت مدینہ ۴۳۲

۴۰۰ تصانیف ۴۳۲

۴۰۱ وفات حسرت آیات ۴۳۴

۴۰۲ حضرت معاویہ ﷺ کے فضائل میں عدم صحت روایت سے کیا مراد ہے؟ ۴۳۵

۴۰۳ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ۴۳۵

۴۰۴ مسئلہ ہذا پر چند تمثیلات ۴۳۸

۴۰۵ خلاصۂ کلام ۴۳۹

۴۰۶ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن صحابہ ﷺ کا الزام ۴۴۰

۴۰۷ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر سے طعن صحابہ ﷺ کے الزام کی تردید ۴۴۲

۴۰۸ ہاشمی صاحب کا مشاجرات صحابہ ﷺ کے ناقابل اعتماد واقعات سے غلط استدلال ۴۴۲

۴۰۹ مقام صحابہ ﷺ اور تاریخی روایات کا مسئلہ ۴۴۳

۴۱۰ بسر بن ارطاۃ کی صحابیت وعدم صحابیت کے متعلق بحث ۴۴۳

۴۱۱ بسر بن ارطاۃ کی صحابیت وعدم صحابیت کے متعلق علماء کا مسلک ۴۴۴

۴۱۲ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی ملوطا چشمی ۴۴۴

۴۱۳ استلحاق زیاد کے متعلق شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر ہاشمی صاحب کا اعتراض ۴۴۷

۴۱۴ استلحاق زیاد حضرت معاویہ ﷺ کی اجتہادی غلطی تھی! ۴۴۷

۴۱۵ لوگوں میں فتنہ وفساد پھیلانے والے دو آدمی ۴۵۵

۴۱۶ اصل ماخذ کو چھوڑ کر ثانوی ماخذ پر اعتراض کرنا مناسب نہیں! ۴۵۶

۴۱۷ خلاصۂ کلام ۴۵۹

۴۱۸ کیا واقعۂ حرہ میں حضرت معاویہ ﷺ بھی یزید کے ساتھ برابر کے شریک ہیں؟ ۴۵۹

۴۱۹ واقعۂ حرہ میں رُونما ہونے والے سانحات سے حضرت معاویہ ﷺ کا دامن پاک ہے! ۴۶۱

۴۲۰ فن حدیث وسیر ومغازی میں امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ۴۶۲

۴۲۱ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ میزانِ جرح وتعدیل میں ۴۶۳

۴۲۲ پہلا طبقہ جس نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کی ہے ۴۶۳

۴۲۳ دوسرا طبقہ جس نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی تعدیل کی ہے ۴۶۴

۴۲۴ تیسرا طبقہ جس نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر جرح وتعدیل دونوں کی ہیں ۴۶۴

﴿..... علامہ احمد بن شیخ ابوسعید ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ .....﴾

۴۲۶ پیدائش اور سکونت ۴۷۰

۴۲۷ تحصیل علم ۴۷۰

۴۲۸ قوت حافظہ وسادگی مزاج ۴۷۱

۴۲۹ شاہ عالم گیر ملا صاحب کے سامنے ۴۷۱

۴۳۰ زیارت حرمین شریفین ۴۷۱

۴۳۱ حرمین شریفین کی دوبارہ حاضری ۴۷۱

۴۳۲ تصوف وسلوک ۴۷۱

۴۳۳ ایک عجیب وغریب خواب ۴۷۱

۴۳۴ تصانیف ۴۷۱

۴۳۵ وفات حسرت آیات ۴۷۲

۴۳۶ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر ۴۷۳

۴۳۷ صحابہ کرام ؓ کا معمول بہا مسئلہ جہل باطل یا بدعت کے زمرے میں نہیں آتا! ۴۷۶
۴۳۸ طعن معاویہ ؓ سے ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کا دامن پاک ہے! ۴۷۸
۴۳۹ صحابہ کرام ؓ مغفور ہیں معصوم نہیں! ۴۷۸

﴿..... بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ .....﴾

۴۴۱ تعارف ۴۷۹
۴۴۲ ابتدائی تعلیم ۴۷۹
۴۴۳ بیعت وخلافت ۴۷۹
۴۴۴ علمی مقام ۴۸۰
۴۴۵ تصانیف ۴۸۰
۴۴۶ وفات حسرت آیات ۴۸۰
۴۴۷ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر ۴۸۱
۴۴۸ کیا حضرت معاویہ ؓ کی خلافت اہل حل وعقد کے مشورے سے قائم ہوئی؟ ۴۸۲
۴۴۹ صلح کے بعد باہمی گفتگو ۴۸۵
۴۵۰ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج! ۴۸۷
۴۵۱ کیا جنگ صفین میں حضرت معاویہ ؓ حق پر تھے؟ ۴۸۸
۴۵۲ حضرت علی ؓ کے خلاف حضرت معاویہ ؓ کا خروج بالاتفاق ناحق تھا! ۴۸۸
۴۵۳ حاصل کلام ۴۸۹

﴿..... حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ .....﴾

۴۵۵ نام ونسب ۴۹۰
۴۵۶ ولادت باسعادت ۴۹۰
۴۵۷ درس وتدریس ۴۹۰
۴۵۸ تصانیف ۴۹۱

۴۵۹ وفات حسرت آیات ۴۹۱

۴۶۰ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر ۴۹۱

۴۶۱ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درمیانی دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیثیت ۴۹۱

۴۶۲ خلافت علی رضی اللہ عنہ ومصالحت حسن رضی اللہ عنہ کا درمیانی دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بغاوت کا کہلاتا ہے! ۴۹۲

۴۶۳ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بعض موہم عبارات اور اُن کے جوابات ۵۰۷

۴۶۴ مروان کی صحابیت وعدم صحابیت کی بحث ۵۰۷

۴۶۵ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے دلائل کا جائزہ ۵۰۷

۴۶۶ پہلی دلیل ۵۰۷

۴۶۷ دوسری دلیل ۵۰۸

۴۶۸ تیسری دلیل ۵۰۸

۴۶۹ کیا مروان کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حاصل ہے؟ ۵۱۰

۴۷۰ حافظ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب ۵۱۲

﴿..... حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ..... ﴾

۴۷۲ نام ونسب ۵۱۹

۴۷۳ ولادت باسعادت ۵۱۹

۴۷۴ تحصیل علم ۵۲۰

۴۷۵ ایک نیک خواب ۵۲۰

۴۷۶ حج بیت اللہ کی سعادت ۵۲۰

۴۷۷ فتنوں کا تعاقب اور اُن کی سرکوبی ۵۲۱

۴۷۸ قیام دارالعلوم دیوبند ۵۲۱

۴۷۹ شادی اور اولاد ۵۲۱

۴۸۰ باقیات الصالحات ۵۲۲

۴۸۱ وفات حسرت آیات ۵۲۲

۴۸۲ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر ۵۲۲

۴۸۳ حضرت معاویہ ؓ کو میسر آنے والی تمکین کی حقیقت ۵۲۳

۴۸۴ حضرات خلفائے اربعہ ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے عہد حکومت میں فرق ۵۲۵

۴۸۵ خلافت راشدہ وموعودہ صرف خلفائے اربعہ ؓ ہی میں منحصر ہے! ۵۲۶

۴۸۶ خلافت حسن ؓ کی شرعی نوعیت ۵۲۹

۴۸۷ علماء کے اقوال میں تطبیق ۵۳۱

۴۸۸ کیا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ ؓ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کیا؟ ۵۳۳

۴۸۹ ہنر پیچشم عداوت بزرگ تر عیب است! ۵۳۵

۴۹۰ مولانا انوار الحسن شیر کوٹی کا تسامح اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی وضاحت ۵۳۵

﴿..... قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ .....﴾

۴۹۲ نام ونسب ۵۳۷

۴۹۳ ولادت باسعادت ۵۳۷

۴۹۴ تحصیل علم ۵۳۸

۴۹۵ نکاح اور بیعت ۵۳۸

۴۹۶ اولاد واحفاد ۵۳۸

۴۹۷ انگریز کے خلاف جہاد میں شرکت ۵۳۹

۴۹۸ حج بیت اللہ کی سعادت ۵۴۰

۴۹۹ تصانیف ۵۴۰

۵۰۰ وفات حسرت آیات ۵۴۰

۵۰۱ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر ۵۴۰

۵۰۲ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت معاویہ ؓ کی گستاخی کا الزام ۵۴۰

۵۰۳ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مفہوم ۵۴۲

۵۰۴ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر شیعوں کے بارھویں امام کو اہل سنت کا پیشوا قرار دینے کا اعتراض ۵۴۲

۵۰۵ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حقانیت اور ہاشمی صاحب کا طشت از بام ہونا دجل وفریب ۵۴۳

۵۰۶ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت وفوقیت کا شبہ ۵۴۴

۵۰۷ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا صحیح مفہوم ۵۴۵

۵۰۸ مولانا میرٹھیؒ کے والہانہ کلام کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے سر تھوپنا آخر کہاں کا انصاف ہے؟ ۵۴۶

۵۰۹ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج! ۵۴۷

۵۱۰ الزامی جواب ۵۴۷

خاتمۃ المحدثین علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

۵۱۲ نام ونسب ۵۴۹

۵۱۳ ولادت باسعادت ۵۴۹

۵۱۴ تحصیل علم ۵۴۹

۵۱۵ شیوخ واساتذہ ۵۵۰

۵۱۶ زیارت حرمین شریفین ۵۵۰

۵۱۷ عقد نکاح ۵۵۰

۵۱۸ تلامذہ وشاگرد ۱۵۱

۵۱۹ علمی مقام ۵۱۵

۵۲۰ تصانیف ۵۱۵

۵۲۱ وفات حسرت آیات ۵۵۲

۵۲۲ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کے متعلق حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ۵۵۳

۵۲۳ ہاشمی صاحب کی نرالی گپ ۵۵۵

۵۲۴ پہلا اعتراض ۵۵۵

۵۲۵ اعتراض کا جواب ۵۵۶

۵۲۶ طحاوی شریف کی بعض قابل اعتراض عبارات کا علمی و تحقیقی جائزہ ۵۵۶

۵۲۷ طحاوی شریف کی مذکورہ بالا روایات کا ماحصل ۵۵۷

۵۲۸ طحاوی شریف کی مذکورہ بالا روایات کا جواب ۵۵۸

۵۲۹ قرائن و شواہد ۵۵۸

۵۳۰ روایت حدیث کے قبول و عدم قبول میں محدثین عظام کا اُصول ۵۶۱

۵۳۱ عکرمہ مولیٰ ابن عباس ؓ میزان جرح و تعدیل میں ۵۶۱

۵۳۲ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ابن عباس ؓ کی تصویب کو اغماض و تسامح پر محمول کرنے کا الزام ۵۶۶

۵۳۳ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ابن عباس ؓ کی تصویب کو اغماض و تسامح پر محمول کرنے کا مطلب ۵۶۶

۵۳۴ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ابن عباس ؓ کی تصویب کو تقیہ پر محمول کرنے کا مطلب ۵۶۷

۵۳۵ تحقیقی جواب ۵۶۹

۵۳۶ طحاوی کی لفظ "حمار" والی روایت کی بابت علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ ۵۷۰

۵۳۷ حضرت شاہ صاحبؒ پر حضرت مغیرہ ؓ و حضرت عمرو بن عاص ؓ کو فتنہ پرداز قرار دینے کا الزام ۵۷۰

۵۳۸ تاکید المدح بما یشبہ الذم ۵۷۱

۵۳۹ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خدا واسطے کا بیر ۵۷۱

۵۴۰ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث قول کا علمی و تحقیقی جائزہ ۵۷۲

۵۴۱ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۵۷۲

۵۴۲ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا حوالہ ۵۷۴

۵۴۳ علامہ عبدالملک بن حسین عصامی مکی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۵۷۴

۵۴۴ مؤرخ شہیر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۵۷۴

۵۴۵ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۵۷۵

۵۴۶ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۵۷۹

۵۴۷ علامہ محمد رشید بن علی رضا قلمونی حسینی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۵۷۹

۵۴۸ زحر بن حصن میزان جرح وتعدیل میں ۵۷۹

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۵۵۰ نام ونسب ۵۸۱

۵۵۱ ولادت باسعادت ۵۸۱

۵۵۲ تحصیل علم ۵۸۱

۵۵۳ درس وتدریس ۵۸۲

۵۵۴ آزادئ ہند کا مطالبہ ۵۸۲

۵۵۵ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کے لئے جدوجہد ۵۸۲

۵۵۶ تحریکات میں حصہ ۵۸۲

۵۵۷ جمعیت علمائے ہند کی صدارت ۵۸۲

۵۵۸ وفات حسرت آیات ۵۸۳

۵۵۹ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر ۵۸۳

۵۶۰ یزید کی ولی عہدی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی تھی! ۵۸۴

۵۶۱ بحالت موجودہ بیعت یزید ناگزیر تھی! ۵۸۴

۵۶۲ حاصل کلام ۵۸۵

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

۵۶۴ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر ۵۸۹

۵۶۵ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث قول کی مختلف توجیہات ۵۹۰

۵۶۶ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر بحث جملہ کی بہترین توجیہ ۵۹۱

۵۶۷ حسب مراتب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ طبقات ۵۹۱

۵۶۸ پہلا طبقہ ۵۹۲

۵۶۹ دوسرا طبقہ ۵۹۲

۵۷۰ تیسرا طبقہ ۵۹۲

۵۷۱ چوتھا طبقہ ۵۹۲

۵۷۲ پانچواں طبقہ ۵۹۲

۵۷۳ چھٹا طبقہ ۵۹۲

۵۷۴ ساتواں طبقہ ۵۹۲

۵۷۵ آٹھواں طبقہ ۵۹۲

۵۷۶ نواں طبقہ ۵۹۳

۵۷۷ دسواں طبقہ ۵۹۳

۵۷۸ گیارھواں طبقہ ۵۹۳

۵۷۹ بارھواں طبقہ ۵۹۳

۵۸۰ ولی عہد بنتے وقت یزید کی کیفیت ۵۹۵

۵۸۱ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ایک سوال ۵۹۶

۵۸۲ ایک وہم اور اُس کا ازالہ ۵۹۷

۵۸۳ ہاشمی صاحب کی تلبیس اور علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی توضیح ۵۹۷

﴿..... شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ .....﴾

۵۸۵ مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ پر پہلا اعتراض ۵۹۹

۵۸۶ مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی توضیح ۶۰۰

۵۸۷ مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ پر دوسرا اعتراض ۶۰۱

۵۸۸ للأکثر حکم الکل کا قاعدہ ۶۰۲

۵۸۹ مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ پر تیسرا اعتراض ۶۰۳

۵۹۰ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے متعلق تحقیق ۶۰۳

۵۹۱ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر چوتھا اعتراض ۶۰۳

۵۹۲ ''طلقاء'' اور ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے ہونا کوئی عیب نہیں ہے! ۶۰۴

﴿.....مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ.....﴾

۵۹۴ نام ونسب ۶۰۶

۵۹۵ ولادت باسعادت ۶۰۶

۵۹۶ تحصیل علم ۶۰۶

۵۹۷ اصلاحی تعلق ۶۰۷

۵۹۸ تجدید بیعت ۶۰۷

۵۹۹ علمی مقام اور فرق باطلہ کا تعاقب ۶۰۸

۶۰۰ وفات حسرت آیات ۶۰۸

۶۰۱ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ حاسدین ومعاندین کے نشانے پر ۶۰۸

۶۰۲ یزید کی کردار کشی ۶۰۸

۶۰۳ یزید کی کردار کشی کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا بڑی ناانصافی ہے! ۶۰۹

۶۰۴ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کی تادیب ۶۰۹

۶۰۵ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا دجل وفریب ۶۱۰

۶۰۶ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی صحیح وضاحت ۶۱۰

۶۰۷ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر تلمیحانہ اعتراض ۶۱۱

۶۰۸ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی تلبیس کا منظر ۶۱۲

۶۰۹ مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی نیت پر حملہ کرنے کا الزام ۶۱۳

۶۱۰ الزام کا دفعیہ ۶۱۴

۶۱۱ ایک سوال اور اُس کا جواب ۶۱۵

۶۱۲ دوسرا جواب ۶۱۶

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۶۱۴ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر پہلا اعتراض ۶۱۸

۶۱۵ ضروری نہیں کہ عدم ضرورت صحت کو بھی مستلزم ہو! ۶۱۹

۶۱۶ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر دوسرا اعتراض ۶۱۹

۶۱۷ حق چار یارؓ سے مراد خلافت راشدہ موعودہ کا اثبات ہے! ۶۱۹

۶۱۸ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۶۲۰

۶۱۹ امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۶۲۰

۶۲۰ امام الحرمینؒ رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۶۲۰

۶۲۱ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۶۲۱

۶۲۲ امام عبدالغنی المقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۶۲۱

۶۲۳ علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۶۲۱

۶۲۴ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ۶۲۲

۶۲۵ ثمرۂ حق چار یارؓ کا مقصد ۶۲۲

۶۲۶ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تیسرا اعتراض ۶۲۳

۶۲۷ ہاشمی صاحب کا دجل اور حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی وضاحت ۶۲۴

۶۲۸ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حامیانِ یزید کے تعاقب کرنے پر ہاشمی صاحب برہمی ۶۲۷

۶۲۹ ہاشمی صاحب کا دجل اور حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی وضاحت ۶۲۷

۶۳۰ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت علیؓ کو منصب نبوت پر فائز کرنے کا اعتراض ۶۲۸

۶۳۱ حضرت علیؓ کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا مطلب ۶۲۹

۶۳۲ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر توہین معاویہؓ کا الزام ۶۳۰

۶۳۳ نص سے ثابت ہونے والی خطائے اجتہادی کو خطائے اجتہادی نہ کہیں تو پھر اور کیا کہیں؟ ۶۳۱

۶۳۴ خاتمہ، کھلا خط ..... بنام پروفیسر طاہر علی ہاشمی صاحب ۶۳۳

مقدمہ

الحمد لله الذي هدانا بنبيه التوبة ورسوله الرحمة وفضلنا بجماعة الصحابة وأمير المؤمنين معاوية ثم سلكنا مسلك أهل السنة والجماعة من الأئمة الأخيار وأصحاب البراعة وعصمنا من الذين هم عووا صياحا وصباءً أسلافا وأخلافا ويقرون بأنهم يتبعون الصحابة وان كانوا هم أسوء حالاً والصلوة والسلام الأتمان الأكمال علي نبيه وحبيه محمد المصطفي وعلي آله المجتبي من الصحابة والتابعين والأئمة الهدي . أما بعد

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

قرب قیامت کا زمانہ رواں دواں ہے۔ چند صدیں ہجری اپنے جوبن پر ہے۔ چراغ نبوت اور شمع رسالت کو چودہ صدیاں بیت چکیں ہیں۔ زمانہ خیر القرون کے انوار و برکات سمٹتے جا رہے ہیں۔ بدعات و رسومات کا دور دورہ ہے۔ ایسے میں دن بدن فتنوں اور نت نئے فرقوں کا ظہور ایک بدیہی امر ہے۔ کفر و شرک اور ظلمت و جہالت اس وقت اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ کبھی تو قرآن و حدیث پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر کے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان و یقین کے ساتھ کھیلا جاتا ہے تو کبھی سیرت و تاریخ کو ہدف تنقید بنا کر ان کے ایمانی کیفیت کو ڈانواڈول کیا جاتا۔ کبھی نت نئی ایجادات کے ذریعے اُن کے افکار و خیالات کو منتشر کیا جاتا ہے تو کبھی اساطین اُمت، اکابرین اسلام اور بزرگان دین کی زندگیوں کو غلط رنگ دے کر اُن کے روحانی آباؤ اجداد سے اُن کا رشتہ ایمانی کاٹا جاتا ہے۔

چنانچہ موجودہ زمانہ میں اسی طرح کے ایک نئے ٹولے نے جنم لے رکھا ہے جو مشہور صحابی، کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصنوعی محبت و عقیدت کی آڑ میں ہماری مسلمان نسل کو اپنے اکابر و اسلاف سے بہت بری طرح سے متنفر اور بدظن کرنے پر تلا ہوا ہے۔

انہیں حضرات میں سے حویلیاں سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب پروفیسر طاہر ہاشمی بھی ہیں جنہوں نے اپنے مذموم افکار ونظریات اور اپنے مکروہ عزائم وخیالات کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت وعقیدت کا مصنوعی لبادہ اوڑھ کر اکابر علمائے اہل سنت واساطین اُمت کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عبارات کو توڑ مروڑ کر اور اُن کا سیاق و سباق حذف کر کے خواہ مخواہ انہیں "ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ" کی فہرست میں شامل کر کے عوام الناس کو اُن سے متنفر و بدظن کرنے کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے۔

اگر واقعی یہ حضرات ایسے ہی تھے جیسا کہ دعویٰ ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایک بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایسا دیوانہ پیدا نہیں ہوا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام دیتا، اُن کا احتساب کرتا اور ان کے خلاف تقریر یا تحریر یا احتجاجاً کوئی کارروائی عمل میں لاتا اور "ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ" نامی کتاب لکھ کر جو سعادت آج پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی قسمت میں سمیٹی ہے وہ حاصل کرتا؟ آخر یہ امام احمد بن حنبلؒ، امام ابوجعفر الطحاویؒ، امام ابوالحسن الاشعریؒ، امام ابومنصور الماتریدیؒ، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، امام الحرمین الجوینیؒ، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ، امام فخر الدین رازیؒ، امام نووی شافعیؒ، علامہ شمس الدین ذہبیؒ، علامہ بدر الدین عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ تاج الدین سبکیؒ، علامہ ابن ہمام حنفیؒ، علامہ ابن حجر ہیتمیؒ، علامہ عبدالعزیز فرہاروی، مولانا سرفراز خان صفدر، علامہ علی شیر حیدری، اور مولانا محمد نافع صاحب وغیرہ حضرات کہاں تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے ان ناقدین کی زبانوں کو لگام نہ دے سکے، اُن کا احتساب نہ کر سکے اور آنے والی نسل کو اُن کی "صحابہ دشمنی" سے آگاہ نہ کر سکے؟ جس کا سارا بوجھ آج پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو اپنے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر اُٹھانا پڑ رہا ہے۔

گو کہ بعض چیدہ چیدہ حضرات (مثلاً امام عبدالرزاقؒ، امام حاکمؒ، امام ابوبکر الجصاص، اور علامہ تفتازانی وغیرہ) پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بعض علماء نے نقد ضرور کیا ہے، لیکن ایک تو انہوں نے مذکورہ حضرات پر اجتماعی نہیں بلکہ فرداً فرداً ایک ایک شخص پر نقد کیا ہے اور دوسرے یہ کہ انہیں نقد کرنے والے علماء ہی کے ہم عصر بعض دوسرے علماء نے اُن کے اس نقد کو قطعی طور پر تسلیم نہیں کیا اور مذکورہ بالا حضرات کے دفاع میں نقد کرنے والے علماء کو اپنے دلائل قویہ وحجج بینہ کی بناء پر خاموش کر کے اُن پر سے نقد معاویہ رضی اللہ عنہ کا الزام صاف کر کے اُس کی دوٹوک الفاظ میں نفی کی ہے۔ (تفصیل آگے کتاب میں آرہی ہے۔)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنے کتاب "سید نا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین" کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:

"زیرِ نظر کتاب میں بعض ایسے حضرات کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں جن کی زندگی "مدحِ صحابہ" و "ردِ قدحِ صحابہ" میں بسر ہوئی اور اُن کی عبارات اس کتاب میں شامل کرنے سے دل و دماغ پر سخت بوجھ محسوس ہوتا رہا۔ اگر حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں ان کے قابلِ اعتراض ریمارکس عدالت میں پیش نہ ہوتے (جو آج بھی ایبٹ آباد کی ایک عدالت میں مقدمہ کی مثل کا باقاعدہ حصہ ہیں) اور دشمنانِ معاویہ ؓ اپنے موقف کی تائید میں ان سے استدلال نہ کرتے تو اس بوجھ کے اُٹھانے سے معذوری کا اظہار کر دیا جاتا۔"[1]

لیکن اگر ان قابلِ اعتراض ریمارکس کا کوئی تسلی بخش جواب پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے پاس نہیں تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کے حکم ﷺ فاسئلوا أهل الذكر ان كنتم لا تعلمون ﷺ کے بموجب اگر ان کا جواب دیگر حضرات علمائے کرام سے لے لیا جاتا اور خواہ مخواہ اپنے تھکے ماندے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر اس بوجھ کے اُٹھانے سے معذرت کر لی جاتی تو کیا یہ زیادہ مناسب نہیں تھا؟:

آپ ہی اپنی اداؤں پر غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

بہر حال پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اگر اس بوجھ کو خوب امانت داری و دیانت داری کے ساتھ اُٹھاتے اور اعلیٰ حضرت صاحب کی طرح اکابر کی عبارات کو توڑے مروڑے، اُن میں قطع و برید کیے اور اُن کا سیاق و سباق حذف کیے بغیر ایسا کرتے تو اسے بھی کسی نہ کسی درجے میں ایک کام اور ایک فریضے کا اتمام کہا جا سکتا تھا، لیکن پروفیسر آں موصوف نے اپنی کتاب میں اکابر علمائے اہل سنت کے عبارات کو توڑ مروڑ کر، اُن میں قطع برید کر کے اور اُن کا سیاق و سباق حذف کر کے جس دجل و فریب، اور تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کیا ہے اُسے دیکھ کر عزازیل بھی شرما جاتا ہے۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ ؓ سمیت دیگر بھی کئی صحابہ کرام ؓ کی گستاخی اور بے ادبی کی ہے۔

چنانچہ حضرت معاویہ ؓ کی بے ادبی اور گستاخی ملاحظہ ہو:

---

[1] (ناقدین سیدنا معاویہ ؓ، ص ۷، طبع اول ۲۰۱۳ء)

''امام جصاص حنفی رازی کی مذکورہ تحریری عبارت سے حسب ذیل اُمور ثابت ہوتے ہیں۔

۳-قرآن ﴿ لاینال عهدي الظالمین ﴾ کی رُو سے معاویہ ؓ امامت خلافت اور امارت کا مستحق نہیں۔

۴-معاویہ ؓ حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد جائز حکمران یا خلیفہ نہیں تھا بلکہ متغلب تھا۔ [1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں

''علی سوار ہوئے اور معاویہ بھاگ گیا۔'' [2]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اور معاویہ فاسد تاویل کرتا تھا۔'' [3]

اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اللہ کی قسم! بلی والا (ابوہریرہ) اگر میرے قابو میں آجاتا تو میں اُس کی گردن مار دیتا۔'' [4]

اور صرف یہی نہیں بلکہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک جگہ تو مشہور صحابی، فاتح قادسیہ و ایران حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو دشمنانِ معاویہ ؓ کی صف میں لا کھڑا کر دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''دشمنانِ معاویہ ؓ'' کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ انہیں زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے اور اُن کے ساتھ کسی فضیلت کو جمع نہ ہونے دیا جائے، وہ انہیں اسلام دشمن ثابت نہ کر سکے، انہیں کسی معرکے میں آنحضرت ﷺ کا مدمقابل نہ دکھا سکے تو یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ مجبور ہو کر ''فتح مکہ'' کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان ؓ کے ساتھ اسلام لائے۔'' [5]

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۹۵)

[2] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۱۲)

[3] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۱۹)

[4] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۱۳۲)

[5] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۲۸)

حالاں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ، اُن لوگوں میں سے ہیں جو حضرت معاویہ ؓ کے فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے کے قائل نہیں ہیں بلکہ فتح مکہ کے بعد اُن کے اسلام لانے کے قائل ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فسعد ممن لم یعلم به ."[1]

ترجمہ: پس حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ، اُن لوگوں میں سے ہیں جنہیں (حضرت معاویہ ؓ کے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے کا) علم نہیں ہے۔

اور صرف یہ بھی نہیں بلکہ ایک اور موقع پر تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت علی ؓ پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"جنگ جمل میں حضرت طلحہ ؓ اور حضرت زبیر ؓ نے حضرت علی ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔"[2]

حالاں کہ خود حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے اہل جمل و صفین حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت کی ہے۔ تسلی کے لئے مندرجہ ذیل حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(مصنف ابن أبي شيبة : ٥٣٥/٧ ، الناشر : مكتبة الرشد - الرياض) و (الفتاوى الكبرى لابن تيمية : ٥٣٩/٣ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (حقوق آل البيت لابن تيمية : ٣١/١ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (مجموع الفتاوى لابن تيمية : ٥١٦/٢٨ الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان) و (منهاج السنة النبوية لابن تيمية : ٤٠٦/٧،٤٩٧/٤ الناشر : جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية) و (المنتقى من منهاج الاعتدال في نقض كلام أهل الرفض والاعتزال للذهبي : ٢٧٤/١) و (السنن الكبرى للبيهقي :٣١٥/٨ الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)و (مناقب الشافعي للبيهقي : ٤٥٠/١ ، الناشر : مكتبة دار التراث ، القاهرة)

---

[1] (تطهیر الجنان للہیتمی ، ص ۷ ، الناشر : مکتبۃ الحقیقۃ ، شارع دار الشفقۃ ، فاتح ۵۷ ، استنبول ، ترکی)

[2] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ، ص ۱۱۶)

و(التنبيه على مشكلاة الهداية لابن أبي العز : ٢٩٩/٤، الناشر : مكتبة الرشد ، ناشرون ، المملكة العربية ، السعودية) و (حياة الصحابة للكاندهلوي : ١٩٩/٣ ، الناشر : مؤسسة الرسالة ، للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت ، لبنان) ان تمام حوالہ جات کی تفصیل عربی اور اردو عبارات کے ساتھ آگے کتاب میں آرہی ہے۔

ان تمام حوالہ جات میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصحاب جمل وصفین کی طرف بغاوت کی نسبت کی ہے، جس کی بناء پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد صحابی پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے۔

بہر حال ہم نے اپنی طاقت بشریہ کے مطابق پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی ان تمام شنیعہ وردیلہ، تلبیسات و دجالیات اور فریب کاریوں کی مکمل طور پر قلعی کھولی اور انہیں طشت از بام کیا ہے اور اکابر علمائے اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب ایک ایک واقعہ اور ایک ایک جزئی کی اصل حقیقت کا قدیم وجدید ماخذ کی طرف مراجعت کر کے بڑی محنت وجاں فشانی کے ساتھ اصل حقیقت کا سراغ لگایا ہے اور اُن کی طرف غلط طور پر منسوب ''نقد معاویہ رضی اللہ عنہ'' جیسے بدنما داغ کا انصاف کے کٹہرے میں رہتے ہوئے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ دفاع کیا ہے۔

ہماری یہ کتاب ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبارات اکابر'' پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین'' کا جواب برائے جواب ہی نہیں بلکہ ایک مستقل تصنیف بھی ہے جو اکابر علمائے اہل سنت کی بعض موہوم ومشتبہ عبارات کے دفاع میں اگرچہ بہت پہلے لکھنی چاہیے تھی لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کو کہ آدھا کام تو انہوں نے ہمارے لئے آسان کر دیا ہے اور باقی آدھا یا اس سے بھی زیادہ کام اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اُس کی مہربانی سے ہم نے خود مکمل کیا ہے۔

ہمیں اُمید تو نہیں ہے کہ ہاشمی ٹولہ ہماری اس کتاب کو انصاف کے کٹہرے میں رہتے ہوئے ہدایت کی نیت سے پڑھنے کی کوشش کرے گا، تاہم اتنا ضرور ہے کہ ہاشمی صاحب کی مذکورہ بالا کتاب پڑھ کر ہمارے جن بھائیوں کا دماغ تشویش کا شکار ہوا ہے اُن کی تسلی وتشفی کا سامان اس سے ان شاء اللہ ضرور ہو جائے گا۔

ہم نے اپنی کتاب میں اہل سنت والجماعت کے صرف اُنہیں اکابر علماء کی عبارات کا دفاع کیا ہے جو علمی دنیا میں اپنا ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتے ہیں اور اب وہ اس جہان فانی سے رخصت بھی ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ جو

دوسرے علماء ہیں اُن پر کام کرنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اس لئے کہ جملہ عبارات اکابر کا احاطہ ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کا اجماعی موقف بیان کرنا مقصود ہے، اس لئے سردست صرف اکیس کبار علماء ہی کی عبارات کے دفاع پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

باقی رہے وہ کبار علماء جو ابھی بقید حیات ہیں جیسے مبلغ اسلام حضرت مولانا ڈاکٹر طارق جمیل صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد سعید خان صاحب تو اولاً تو عرض یہ ہے کہ بندہ نے از خود ان دونوں حضرات سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے، مولانا طارق جمیل صاحب سے تو تا حال کوئی رابطہ قائم نہیں ہو سکا، البتہ مفتی محمد سعید خان صاحب سے بندہ کی ایک دو نشستیں ہوئی ہیں اور حضرت مفتی صاحب نے اپنی عبارات کے جوابات دینے کا وعدہ بھی فرمایا ہے لیکن دوبارہ تا حال حضرت مفتی صاحب بندہ کا کوئی رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔ اب ان شاء اللہ ان دونوں حضرات سے دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں تا کہ ان کی مبہم اور متنازعہ عبارات وتعبیرات کا تسلی بخش حل سامنے آسکے اور ان کی مراد واضح ہو سکے۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ بندہ کی یہ کوشش بھی رہے گی کہ اگر یہ دونوں حضرات اپنی اپنی عبارات وتعبیرات کا جواب از خود ہی تحریر فرمادیں تو بہت ہی زیادہ مناسب اور کارآمد رہے گا کہ:

"تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں"

باقی رہے شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ بندہ نے اُن کی طرف پروفیسر ظاہر ہاشمی صاحب کے تمام اعتراضات فوٹو سٹیٹ کرا کے بھجوائے تھے جس کے جواب میں حضرت نے بندہ کو فون کر کے آگاہ فرمایا کہ میری سوائے ایک غلطی کے جو سہواً مجھ سے لاعلمی کی بنیاد پر صادر ہوگئی تھی اور بعد میں اُس پر میں نے معذرت نامہ بھی لکھ دیا تھا باقی تمام اعتراضات بے بنیاد اور خلاف حقیقت ہیں۔ اس لئے مولانا اللہ وسایا صاحب پر بھی فی الحال کام کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ ہاں ہاشمی صاحب حضرت کے متعلق مطلوبہ مواد ہمیں فراہم کر کے دیں تو ہم حضرت سے رابطہ کر کے اُس کے بارے میں تحقیق کر کے دے سکتے ہیں۔

فقط والسلام:

بندہ محمد وقاص رفیع

اسلام پور (واہ کینٹ)

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جرنیل اسلام سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

آپ رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی معاویہ رضی اللہ عنہ کنیت ابو عبدالرحمٰن، والد کا نام ابوسفیان رضی اللہ عنہ دادا کا نام حرب اور والدہ کا نام ہندؓ ہے۔ حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے والد کی طرف سے آپؓ کا سلسلہ نسب یوں تحریر فرمایا ہے:

''معاویہ (رضی اللہ عنہ) بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی.....الخ۔ [1]

ولادت باسعادت:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت بعثت نبوی ﷺ سے پانچ سال قبل ۶۰۸ء میں ہوئی، ماں باپ نے اُس وقت کے عرب کے دستور کے مطابق مختلف علوم وفنون سے آپ رضی اللہ عنہ کو آراستہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

حلقہ بگوشِ اسلام:

مشہور قول کے مطابق ویسے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد ۷ھ میں عمرۃ القضاء سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے، لیکن کچھ والدہؓ کے ڈر اور کچھ دیگر معقول اعذار کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا قبول اسلام مخفی رکھا، پھر عین فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد بزرگوار حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہم راہ واشگاف الفاظ میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام

---

[1] (جمهرة أنساب العرب لابن حزم، ۱/۱۱۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت) و (نسب قريش لمصعب الزبيري: ۱/۱۲۶، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

لانے کا اعلان کیا۔[1]

حسن صورت اور حسن سیرت:

حضرت معاویہ ؓ کو قدرت الٰہیہ نے جہاں ظاہری حسن صورت کے لحاظ سے گلابی رنگ، کتابی چہرہ، سرو قد جاذب نظر، اور پُرکشش بانکپن جیسی خوب صورت شکل و وجاہت سے نواز رکھا تھا، تو وہیں حسن سیرت کے لحاظ سے بھی آپ کو اپنی خشیت وللّٰہیت، اطاعت پیمبری ﷺ، حلم و بردباری، عفو درگزر، عمدگی اخلاق، بلندیٔ کردار، فقر و استغناء، عاجزی وانکساری، نظر افت طبع اور سادگی جیسی عمدہ صفات اور اعلیٰ صلاحیتوں سے بھی وافر حصہ عطا فرما رکھا تھا۔

خدمت نبوی ﷺ اور کتابت وحی:

چوں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ''کتابت وحی'' ایک نازک ترین مگر عظیم ترین کام تھا اور اس کے لئے جس احساس ذمہ داری، امانت داری و دیانت داری اور حسن علم وفہم کی ضرورت تھی وہ تمام باتیں حضرت معاویہ ؓ میں بہ بہ اتم موجود تھیں اس لئے حضرت معاویہ ؓ کے حلقہ بگوش اسلام ہو جانے کے بعد حضور اقدس ﷺ کی نظر دور شناس نے آپ ؓ کی علمی پختگی اور عملی شیفتگی کو فوراً بھانپ لیا اور آپ ؓ کو ''وحی'' جیسے نازک مگر عظیم کام پر مامور فرما دیا، جسے نہایت عمدگی اور بہتر انداز میں آپ ؓ انجام دیتے رہے تا آں کہ آپ ؓ کا شمار کاتبین وحی کے کبار اور جلیل القدر صحابہ ؓ میں ہونے لگا۔ چنانچہ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق کتابت وحی کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سب سے زیادہ رہنے کا شرف پہلے نمبر پر اگر حضرت زید بن ثابت ؓ کو حاصل ہے تو دوسرے نمبر پر بلا شرکت غیرے حضرت معاویہ ؓ کو حاصل ہے۔[2]

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ نے اپنے باہر اور دور دراز سے آنے والے مہمانوں کی خاطر مدارات اور ان کے

---

[1] "حكي ابن سعد انه كان يقول : لقد اسلمت قبل عمرة القضية ولكني كتمت اخاف ان اخرج الي المدينة ، لان امي كانت تقول : ان خرجت قطعنا عنك القوت ." (الاصابة في تمييز الصحابة : ۴۱۲/۳ ، البشر ، دار الكتب العلمية ، بيروت)

[2] "وكان زيد بن الثابت من الزم الناس للذلك ، ثم تلاه معاوية بعد الفتح ، فكانا ملازمين الكتابة بين يديه صلي الله عليه وسلم في الوحي وغيره ذلك ، لا عمل لهما غير ذلك ." (جوامع السيرة لابن حزم : ۲۷/۱ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

قیام وطعام کا انتظام واہتمام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد فرما رکھا تھا۔ [1] اور مکہ مکرمہ سے آجانے کے بعد تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مستقل طور پر اپنے آپ کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ [2]

مختلف غزوات میں شرکت:

مکہ مکرمہ سے آجانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ مستقل طور پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہنے لگ گئے تھے اور تمام غزوات بالخصوص غزوۂ حنین، غزوۂ طائف، غزوۂ یمامہ اور چھوٹی بڑی کئی لڑائیوں اور جنگی مہموں میں شرکت فرمائی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مسلسل حاضری، کتابت وحی، امانت داری ودیانت داری اور دیگر صفات محمودہ سے متاثر ہو کر حضور نبی پاک ﷺ نے متعدد بار کئی مواقع پر آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائیں فرمائی۔

چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"اَللّٰهم اجعله هاديا مهديا واهد به" [3]

ترجمہ: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو (لوگوں کے لئے) "ہادی" (سیدھا راستہ دکھانے والا) اور "مہدی" (ہدایت یافتہ) بنا دیجئے اور اس کے ذریعہ دوسرے لوگوں کو بھی ہدایت عطا فرما دیجئے!۔

---

[1] (تاریخ اسلام ۲/ ۷ بحوالہ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ ص ۴۰، ناشر اشاعت المعارف فیصل آباد)

[2] (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ ص ۴۰، ناشر اشاعت المعارف فیصل آباد)

[3] (جامع الترمذي: ۵/ ۶۸۷، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي) و (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن الأثير الجزري: ۴/ ۴۷۴، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (كنز العمال للمتقي الهندي: ۱۳/ ۳۲۷، الناشر: مؤسسة الرسالة) و (التاريخ الكبير للبخاري: ۷/ ۳۲۷، الناشر: دائرة المعارف العثمانية، حيدر اباد، الدكن) و (تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ۴/ ۳۱، الناشر: دار الكتب العلمية) و (مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي: ۳/ ۱۷۵۸، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت) و (البداية والنهاية لابن كثير: ۸/ ۱۲۹، الناشر: دار احياء التراث العربي) و (سير أعلام النبلاء للذهبي: ۳/ ۱۴۳، الناشر: دار الحديث، القاهرة) و (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء للأصبهاني: ۸/ ۳۵۶، الناشر: السعادة، بجوار محافظة مصر) و (المعجم الأوسط للإمام الطبراني: ۱/ ۹۰۵، الناشر: دار الحرمين، القاهرة)

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

" اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب ."[1]

ترجمہ: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو حساب اور کتاب کا علم سکھا دیجئے! اور اسے (جہنم کے) عذاب سے بچا دیجئے!۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

" اللهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب ."[2]

ترجمہ: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا دیجئے! اور اسے (جہنم کے) عذاب سے بچا دیجئے!۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

" اللهم املأه علماً ."[3]

ترجمہ: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کا سینہ (علم وحکمت سے) بھر دیجئے!۔

---

[1] (صحيح ابن حبان: ١٩٢/١٦، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت) و (مسند أحمد: ٣٨٣/٢٨، الناشر: مؤسسة الرسالة) و (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهيثمي: ٣٥٦/٩، الناشر: مكتبة القدسي، القاهرة) و (كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال للمتقي الهندي: ٥٨٨/١٣، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت) و (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ٣٠٩/٤، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت) و (الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر: ١٤٢٠/٣، الناشر: دار الجيل، بيروت) و (سير أعلام النبلاء للذهبي: ٣٢٢/١٨، الناشر: دار الحديث، القاهرة) و (التاريخ الكبير للبخاري: ٣٢٧/٧، الناشر: دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، الدكن، الهند) و (البداية والنهاية لابن كثير: ٣٥٦١٢٩/٨، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان) و (موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان للهيثمي: ٥٦٦/١، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهيثمي: ٣٥٦/٩، الناشر: مكتبة القدسي، القاهرة) و (الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر: ١٦٤/٢، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (سير أعلام النبلاء للذهبي: ١٤٣/٧، الناشر: دار الحديث، القاهرة) و (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ٣٠٩/٤، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت)

[3] (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ٣١٠/٤، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت)

حضرت معاویہ ؓ عہد صدیقی ؓ میں:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ ؓ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عہد خلافت کے اوّل ایام ہی میں آپ ؓ روایت حدیث کی طرف متوجہ ہوگئے اور کئی ایک احادیث حضرت ابوبکر ؓ حضرت عثمان ؓ اور اپنی ہم شیرہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیں، جن کی تعداد علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق ایک سو تیئیس (۱۲۳) ہے۔ [1]

جہادِ شام کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آپ ؓ کے حقیقی بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان ؓ کو امیر لشکر بنا کر جب کہ آپ ؓ کو اس لشکر کا علم بردار بنا کر روانہ فرمایا۔ [2]

حضرت معاویہ ؓ عہد فاروقی ؓ میں:

عہد فاروقی ؓ میں جو علاقے رُومیوں کے قبضے میں چلے گئے تھے، حضرت معاویہ ؓ نے اُن کے ہاتھ سے چھین کر وہاں اسلامی شوکت وحشمت کا پھریرا لہرا دیا، نیز اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر "قلعہ عرقہ" کو فتح کیا جس سے حضرت عمر فاروق ؓ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور آپ ؓ کو اُردن کا گورنر مقرر فرمادیا۔ [3]

عہد عثمانی ؓ میں پہلے بحری بیڑے کا قیام:

عہد عثمانی ؓ میں حضرت معاویہ ؓ نے پہلا اسلامی بحری بیڑا ایجاد کیا، جو ۲۸ھ میں "بحیرۂ روم" میں اُترا، چنانچہ کچھ ہی دنوں بعد یورپ وافریقہ کی وسیع وعریض زمین پر اسلامی جھنڈا لہراتا ہوا نظر آنے لگا۔ [4]

حضرت معاویہ ؓ عہد مرتضوی ؓ میں:

حضرت عثمان غنی ؓ کی المناک شہادت کے بعد حضرت علی المرتضی ؓ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد

---

[1] (أعلام الأسلام: ص ۲۲۶)

[2] (محاضرات تاریخ الأمم الإسلامية ۴۷۱/۴) "قال البلاذري: فدفعه (أي اللواء) أبو بكر إلى يزيد بن أبي سفيان، فسار به ومعاوية أخوه يحمله بين يديه." (فتوح البلدان للبلاذري: ۱۱۲/۱، الناشر: دار ومكتبة الهلال، بيروت)

[3] (تاریخ طبری ۸/۳، بحوالہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان ؓ ص ۴۲، ناشر: اشاعت المعارف فیصل آباد)

[4] (سیدنا معاویہ بن ابی سفیان ؓ: ۴۶،۴۵، ناشر: اشاعت المعارف فیصل آباد)

مقرر ہوئے، لیکن افسوس کہ آپ ؓ کا انتخاب ایک انتہائی پر آشوب اور ہنگامی دور میں ہوا، اور سوئے اتفاق کہ انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوا کہ جن کا دامن دم عثمان ؓ کے داغ سے داغ دار تھا، اس لئے صحابہ ؓ کی ایک بڑی جماعت نے آپ ؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو دم عثمان ؓ کے قصاص کے حصول کی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا، اور قصاص دم عثمان ؓ کے حصول کے لئے آمادۂ بغاوت ہو گئے، یہاں تک کہ جنگ جمل کی صورت میں دونوں جماعتوں میں زبردست ٹکراؤ ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے طرفین کی اکثریت خاک و خون میں لت پت ہو گئی۔ اس جنگ میں ایک طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ ؓ تھے، گو کہ اس جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شکست ہوئی اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا لشکر فاتح رہا، لیکن اس کے باوجود ان کے قصاص دم عثمان ؓ کے مطالبہ کی اہمیت بدستور باقی رہی، جسے بعد میں حضرت معاویہ ؓ نے لے کر اٹھے، یہاں تک کہ جنگ صفین کی صورت میں ایک اور لڑائی ہوئی، اس لڑائی میں ایک طرف حضرت علی المرتضیٰ ؓ تھے اور دوسری طرف حضرت معاویہ ؓ تھے، اس لڑائی میں بھی متعدد اکابر صحابہ ؓ و تابعین کی شہادت ہوئی، جن میں حضرت عمار بن یاسر ؓ، حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ وغیرہما حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی جماعت میں سے تھے اور اہل شام کے ہاتھوں شہید ہوئے، اور حضرت عبید اللہ بن عمر بن خطاب ؓ، حضرت ذوالکلاع ؓ اور حضرت حوشب ؓ وغیرہم حضرت معاویہ ؓ کی جماعت میں سے تھے اور اہل عراق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت معاویہ ؓ کے دور ابتلاء و خلافت یعنی خلافت علویہ ؓ کے قیام سے لے کر آپ ؓ کی وفات تک کے درمیانی ادوار میں جنگ جمل، جنگ صفین، تحکیم حکمین، مصالحت امام حسن ؓ، الحاق زیاد، اور یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت لینے تک کی صورت میں پیش آنے والے مختلف حالات و واقعات کی مکمل تفصیلی روداد اور تحقیقی مباحث آ گئے "سیدنا معاویہ ؓ کا دور ابتلاء و خلافت علمائے اہل سنت والجماعت کی نظر میں" کے عنوان کے تحت آ رہی ہیں۔[1]

حضرت علی ؓ حضرت معاویہ ؓ کی نظر میں:

"جنگ صفین" کے بعد کسی نے حضرت معاویہ ؓ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: "جاؤ علی ؓ سے پوچھو کیوں کہ وہ زیادہ جاننے والے ہیں۔" اس نے عرض کیا کہ: "اس بارے میں مجھے آپ کا جواب

---

[1] ملاحظہ ہو اس کتاب ہذا کا صفحہ نمبر ۵۳۔ رفیع

حضرت علی ؓ کے جواب سے زیادہ پسند ہے۔" حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا کہ: "تو نے بہت بری بات کہی، کیا تو ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے علم سے بھر دیا ہے؟" اور اُس کے بارے میں فرمایا ہے کہ: "(اے علی ؓ) تو میرے لئے ایسے ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" حضرت عمر ؓ کو جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو وہ حضرت علی ؓ ہی سے اُس کا حل تلاش کرتے۔" [1]

ایک مرتبہ حضرت معاویہ ؓ حضرت علی ؓ کی تعریف کر رہے تھے کہ ایک شخص بولا: "آپ حضرت علی ؓ کی تعریف کر رہے ہیں، اگر اہل شام سن لیں تو..... تو حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا کہ: "مجھے اس کی پروا نہیں۔"

حضرت معاویہ ؓ کی خدمت میں جب حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ ؓ بے ساختہ رونے لگے اور بار بار "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتے رہے، اُس وقت آپ ؓ اندرون خانہ تشریف فرما تھے، آپ ؓ کی بیوی نے یہ کیفیت دیکھ کر عرض کیا کہ: "آپ ؓ اُن سے لڑتے بھی رہے اور اُن کے لئے رو بھی رہے ہیں۔" تو آپ ؓ نے فرمایا کہ: "تیرا بھلا ہو! تو نہیں جانتی کہ آج لوگ کس قدر علم و فضل اور فقہ سے محروم ہو گئے ہیں۔" [2]

حضرت معاویہ ؓ حضرت علی ؓ کی نظر میں:

ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے جب یہ سنا کہ کچھ لوگ حضرت معاویہ ؓ کو کافر یا فاسق کہہ رہے ہیں تو آپ ؓ نے فرمایا کہ: "وہ میرے بھائی ہیں" "کافر" یا "فاسق" نہیں ہیں۔" [3] اور مزید وضاحت کے لئے ایک

---

[1] "عن ابي حازم قال: جاء رجل الىٰ معاوية فسأله عن مسألة، فقال: سل عنها عليّ بن ابي طالب، فهو اعلم قال: يا امير المؤمنين اجوابك فيها أحب اليّ من جواب عليّ قال: بئس ماقلت، لقد كرهت رجلاً كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغزره بالعلم غزراً، ولقد قال له: "انت مني بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبيّ بعدي." وكان عمر اذا أشكل عليه شيءٌ أخذه منه" اخرجه أحمد في المناقب: (الرياض النضرة في مناقب العشرة للطبري: ۱۶۲/۳، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

[2] "عن جرير بن عبد الحميد عن مغيرة قال: لما جاء قتل علي الىٰ معاوية جعل يبكي ويسترجع، فقالت له امرأته تبكي عليه وقد كنت تقاتله، فقال لها: ويحكِ! انكِ لاتدرين ماافقد الناس من الفضل والفقه والعلم." (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۱۴۲/۵۹، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع) و (البداية والنهاية لابن كثير: ۱۳۹/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت)

[3] (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان ؓ: ۱۹، ناشر: اشاعت المعارف لیل آباد)

فرمان جاری کیا، جس میں تحریر تھا کہ:

''ہمارے معاملہ کی ابتداء یوں ہوئی کہ ہمارا اہل شام (حضرت معاویہ ؓ) سے مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور اُن کا اللہ ایک، ہمارا اور اُن کا نبی ایک، ہمارا اور اُن کا اسلام ایک، اللہ و رسول کی تصدیق میں نہ ہم اپنے کو اُن سے زیادہ کہتے ہیں اور نہ وہ اپنے کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں، بلکہ معاملہ دونوں کا ایک ہی ہے، صرف دم عثمان ؓ کے بارے میں ہم میں اور اُن میں اختلاف ہوا ہے اور ہم اس (دم عثمان ؓ) سے بری ہیں۔''[1]

ایک موقع پر حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے فرمایا کہ:

" قتلانا وقتلاهم في الجنة ." [2]

ترجمہ: ہمارے اور حضرت معاویہ ؓ کے مقتولین جنتی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی رحلت کا وقت جب قریب آیا تو آپ ؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسن ؓ کو اپنے پاس بلایا اور اُن کو وصیت فرمائی کہ: ''بیٹا! حضرت معاویہ ؓ کی امارت قبول کرنے سے ہرگز نفرت نہ کرنا اور نہ باہم کشت وخون ریزی دیکھو گے۔'' [3]

اس قسم کی روایات کتب تاریخ میں بے شمار ہیں جنہیں دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سبائیوں کی فتنہ سامانیوں کے سبب ان بزرگوں میں اتفاقیہ طور پر جو رنجشیں، کشمکشیں، کشیدگیاں، اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ جو اختلاف بعد پیدا ہو گیا تھا وہ جلد ہی دُور ہو گیا تھا اور ان میں رشتے ناطے اور محبت واخوت کا سلسلہ (دوبارہ) شروع ہو گیا تھا۔ [4]

---

[1] "ومن كتاب له عليه السلام كتبه الى أهل الأمصار يقص فيه ماجرى بينه و بين أهل صفين و كان بدء أمرنا أنا التقينا بالقوم من أهل الشام ، والظاهر أن ربنا واحد ، و نبينا واحد ، ودعوتنا في الاسلام واحدة ، ولا نستزيدهم في الايمان بالله ، والتصديق برسوله ، ولايستزيدوننا ، والأمر واحد الا مااختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء" (شرح نهج البلاغه لابن أبي الحديد: ۱۷۵/۱۱)

[2] (مصنف ابن أبي شيبة: ۵۵۲/۷، الناشر: مكتبة الرشد، الرياض)

[3] (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان ؓ: ص ۱۶، ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)

[4] (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان ؓ: ص ۶۳، ناشر: اشاعت المعارف، فیصل آباد)

حضرت حسن ؓ سے مصالحت:

''معاہدۂ صلح'' کے کچھ ہی عرصہ بعد ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو جب حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا انتقال ہو گیا اور آپ کی جگہ آپ کے بیٹے حضرت حسن ؓ جانشین خلافت ہو گئے، تو شیعانِ علی ؓ نے حضرت حسن ؓ کو حضرت معاویہ ؓ سے لڑنے پر آمادہ کیا اور زور دیا تو اُس وقت حضرت حسن ؓ کو اپنے والد گرامی حضرت علی ؓ کی مذکورہ بالا وصیت یاد آ گئی کہ:

''بیٹا! حضرت معاویہ ؓ کی امارت قبول کرنے سے ہرگز نفرت نہ کرنا اور نہ باہم کشت وخون ریزی دیکھو گے۔'' [1]

اس لئے آپ نے اُن سے فرمایا کہ:

''میرے والد ماجد مجھ سے فرما چکے ہیں کہ حضرت معاویہ ؓ ایک دن خلیفہ ہو کر رہیں گے، خواہ ہم کتنی ہی بڑی فوج لے کر اُن کے مقابلے میں نکلیں، لیکن غالب وہی رہیں گے، کیوں کہ منشائے خداوندی کو ٹالا نہیں جا سکتا۔'' [2]

حضرت حسن مجتبیٰ ؓ کی یہ بات سبائیوں کو پسند نہ آئی، اور وہ آپ کے دشمن ہو گئے، اور کھلم کھلا آپ ؓ کو ''کافر'' اور ''مذل المؤمنین'' (یعنی مؤمنوں کو ذلیل کرنے والے) کہنے لگے۔ [3] یہاں تک کہ مدائن میں آپ ؓ پر حملہ کیا، خیمہ لوٹا اور آپ ؓ کو نیزوں سے مارا، یہ ناقابل برداشت اذیتیں اُٹھانے کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ ؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اب اپنے والد گرامی حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی وصیت کے مطابق حضرت معاویہ ؓ سے صلح کر لینا ہی بہتر ہے۔

چنانچہ آپ نے مشورہ کے لئے اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسین ؓ اور بڑے بہنوئی حضرت عبداللہ بن

---

[1] (سیدنا معاویہ بن ابوسفیان ؓ، ص ۲۴۰، ناشر: اشاعت المعارف فیصل آباد)

[2] (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۲/۲۸۳)

[3] "السلام علیک یا مذل المؤمنین" (شرح نہج البلاغۃ لابن الحدید ۱۰/۲۰ و ۶۷)

[4] "حتی نازعوہ بساطا کان جالسا علیہ وطعنہ بعضہم حین رکب طعنۃ اثموہ و أشوتہ فکرھھم الحسن کراھۃ شدیدۃ ورکب فدخل القصر الأبیض من المدائن فنزلہ وھو جریح." (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۸/۱۶، دار احیاء التراث العربی - بیروت)

جعفر ؓ کو طلب کیا، حضرت حسین ؓ کو قدرے اختلاف تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ نے صلح کرنے کی پرزور موافقت کی۔

اسے حسن اتفاق ہی کہیے کہ ابھی حضرت حسن ؓ نے حضرت معاویہ ؓ سے صلح کرنے کا دل میں سوچا ہی تھا کہ حضرت معاویہ ؓ بھی اپنے دل میں آرزوئے صلح لئے بے چین و بے قرار ہو رہے تھے، آپ ؓ سے رہا نہ گیا، اس لئے آپ ؓ نے حضرت حسن مجتبیٰ ؓ سے پہلے ہی "تحریک صلح" اُن کے سامنے پیش کر دی، اور اُس کے بعد ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر ثبت فرما کر حضرت حسن مجتبیٰ ؓ کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ "آپ جتنی شرطیں چاہیں اس پر لکھ دیں مجھے منظور ہیں۔" چنانچہ حضرت حسن مجتبیٰ ؓ نے اپنی شرطیں لکھ دیں جنہیں حضرت معاویہ ؓ نے بلا کسی ترمیم کے منظور فرما لیا۔ [1]

اور اس طرح حضرت حسن مجتبیٰ ؓ نے حضرت معاویہ ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی دلی رضا، و رغبت کے ساتھ منصب خلافت حضرت معاویہ ؓ کو سونپ دیا اور حضرت معاویہ ؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم فرما کر خلافت جیسے عظیم منصب سے اپنے آپ کو علیحدہ کر دیا۔

بعض اصحاب کی خواہش ہوئی کہ حضرت حسن مجتبیٰ ؓ اس کا اعلان فرما دیتے تو بہتر تھا، چنانچہ حضرت حسن مجتبیٰ ؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کے سامنے یہ خطبہ دیا:

> "مسلمانو! میں نے حضرت معاویہ ؓ سے صلح کر لی ہے اور ان کو اپنا امیر اور خلیفہ تسلیم کر لیا ہے، اگر امارت و خلافت ان کا حق تھا تو ان کو پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے اُن کو بخش دیا۔"

اس تقریر کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ ؓ اپنے معاہدے کے مطابق، اس لاکھ درہم نقد اور ایک لاکھ درہم سالانہ وظیفہ لے کر مدینۃ الرسول ﷺ تشریف لے آئے، اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی کہ:

---

[1] "و لما رأي الحسن من أصحابه الفشل أرسل الي عبد الله بن عامر بشرائط اشترطها علي معاوية علي أن يسلم له الخلافة، وكانت الشرائط: أن لا يأخذ أحداً من أهل العراق باحنة، وأن يؤمن الأسود والأحمر، ويحتمل ما يكون من هفواتهم، ويجعل له خراج الأهواز مسلماً في كل عام، ويحمل الي أخيه الحسين بن علي في كل عام ألفي ألف، ويفضل بني هاشم في العطاء والصلات علي بني عبد شمس." (أخبار الطوال للدينوري: ۲۱۸/۱، تحقیق: دار احیاء الکتب العربی، القاهرة)

" ان ابني هذا سيد . لعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين ."[1]

ترجمہ: بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

اب جا کر پوری ہوئی۔

فتوحاتِ معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک نظر:

۹ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے "قیساریہ" کو فتح کیا۔ ۲۷ھ میں بحری بیڑہ لے کر "قبرص" کی جانب بڑھے اور تاریخ اسلام کی پہلی بحری جنگ لڑی۔[2] ۲۸ھ میں قبرص کا عظیم الشان جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔[3] ۳۲ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے "قسطنطنیہ" کے قریبی علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔[4] ۳۳ھ میں "افرطہ، ملطیہ اور رُوم" کے کچھ قلعے فتح کئے۔[5] ۳۵ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں "غزوۂ ذی خشب" پیش آیا۔[6] ۴۲ھ میں "غزوۂ بحستان" پیش آیا اور "سندھ" کا کچھ حصہ مسلمانوں کے زیرِ نگین آیا۔[7] ۴۳ھ میں "سوڈان" کا ملک فتح ہوا اور "بحستان" کا مزید علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔[8] ۴۴ھ میں "افغانستان" کا مشہور شہر "کابل" فتح ہوا اور مسلمان "ہندوستان"

---

[1] (صحیح البخاری: ۱۸۶/۴، الناشر: دار طوق النجاة)

[2] " فيها (أي في سنة سبع وعشرين) ركب معاوية بالجيش في البحر وغزا قبرص " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۲۱/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[3] " وقيل فيها غزوة قبرص " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۲۲/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[4] " فيها سار معاوية وتوغل في الروم فالتقي العدو بالقرب من القسطنطينية " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۲۴/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[5] " فيها غزا معاوية افرنطية وملطية وحصن المرأة من أرض الروم " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۲۵/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[6] " فيها غزوة ذي خشب وعلى الناس معاوية " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۲۶/۱، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت، لبنان)

[7] " فيها غزا عبد الرحمان بن سمرة سجستان، فافتتح زرنج وغيرها وسار راشد بن عمرو فشن الغارات و دخل في بلاد السند " (العبر في خبر من غبر للذهبي: ۳۶/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

میں "قسطنطنیہ" کے مقام تک پہنچ گئے۔ [۱] ۴۵ھ میں "افریقہ" پر لشکر کشی کی گئی اور ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے زیر نگین آیا۔ [۲] ۴۷ھ میں "افریقہ" کے مزید علاقوں میں غزوات جاری رہے۔ [۳] ۵۰/۵۱ھ میں "غزوۂ قسطنطنیہ" پیش آیا جہاں پہلی بار مسلمانوں نے حملہ کیا تھا۔ [۴] ۵۲ھ میں مسلمان "نہر جیحون" کو عبور کرتے ہوئے "بخارا" تک پہنچے تھے اور بعض دوسرے علاقے بھی فتح کیے۔ [۵] اور ۵۶ھ میں "غزوۂ سمرقند" پیش آیا۔ [۶]

وفات حسرت آیات:

۶۰ھ میں جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی عمر عزیز کی اٹھہتر ویں بہار سے گزر رہے تھے تو اچانک ایک دن آپ رضی اللہ عنہ کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی اور پھر آئے دن خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی، تا آں کہ دمشق کے مقام پر سوموار ۲۲ رجب المرجب ۶۰ھ میں اسی مرض کی حالت میں آپ رضی اللہ عنہ نے "داعی اجل" کو لبیک کہا اور اس طرح علم و حلم، زہد و تقویٰ اور تدبر و سیاست کا یہ آفتاب جہان تاب اور ماہتاب عالم تاب عالم دنیا کے افق میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

" انا للہ وانا الیہ راجعون "

---

[۱] "فيها فتحت الرخج من أرض سجستان والفتح عقبة بن نافع كورأ من بلاد السودان ." (العبر في خبر من غبر للذهبي : ۳۷/۱ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

[۲] " فيها افتتح عبد الرحمان بن سمرة مدينة كابل . وفيها غزا المهلب بن ابي صفرة في أرض الهند و وصل الى قندابيل فالتقى العدو فهزمهم ." (العبر في خبر من غبر للذهبي : ۳۷/۱ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[۳] " فيها معاوية بن خديج افريقية ." (العبر في خبر من غبر للذهبي : ۳۸/۱ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

[۴] " وغزا رويفع بن ثابت الأنصاري أمير أطرابلس الغرب أفريقية ." (العبر في خبر من غبر للذهبي : ۳۹/۱ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[۵] " فيها غزا يزيد بن معاوية القسطنطينية وقيل في سنة احدى ." (العبر في خبر من غبر للذهبي : ۴۰/۱ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

[۶] " فيها غزا عبيد الله بن زياد فقطع نهر جيحون الى بخارى و افتتح بعض البلاد ." (العبر في خبر من غبر للذهبي ۴۲/۱ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

[۷] " وفيها استعمل معاوية سعيد بن عثمان بن عفان على خراسان ففزا سمرقند ." (العبر في خبر من غبر للذهبي ۴۱/۱ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

آپ ﷺ کی نماز جنازہ حضرت ضحاک بن قیس ﷺ نے پڑھائی اور "باب الصغیر" دمشق میں آپ ﷺ کو محو استراحت کر دیا گیا۔[1]

[1] "صلى عليه ضحاك بن قيس ، ودفن بمقابر باب الصغير ." (البداية والنهاية لابن كثير (تفويض بسير) : ۱۵۲/۸ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ ابتلاء وخلافت
علمائے اہل سنت والجماعت کی نظر میں

تمہید:

اصل کتاب اور نفس مضمون کے شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر انتہائی مختصر اور جامع مانع انداز میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ ابتلاء (یعنی خلیفہ بننے سے پہلے کے دور) اور "دورِ خلافت" (یعنی خلیفہ بننے کے بعد کے دور) میں رُونما ہونے والے حالات وواقعات کے متعلق اکابر علمائے اہل سنت والجماعت کا مسلک پیش کردیا جائے تاکہ اپنا مسلک معلوم ہونے کے بعد اصل مضمون کے سمجھنے میں آسانی واقع ہو سکے اور افراط و تفریط اور زیغ وضلال سے حفاظت کا سامان ہو سکے۔ فاقول وباللہ التوفیق:

خلافت عثمانی کا زوال:

خلیفہ سوم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں جو اختلافات کھڑے کئے گئے تھے، اُن کا بنیادی مقصد اسلامی شیرازہ کو بکھیرنا اور اُس کی مرکزی قوت کو پارہ پارہ کرنا تھا۔ اُس وقت کے فسادی الفطرت شریر لوگوں (جو بعد میں جا کر "سبائی" اور "خوارج" کے نام سے مشہور ہوئے) نے بظاہر یہ بہانا سامنے رکھ رکھا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کارندوں اور اُن کے حکام نے اسلامی احکامات کو ترک کر رکھا ہے، اور اسلامی تعلیمات کے خلاف جبر واستبداد کا نظام اپنا رکھا ہے، سو اب جب کہ خلیفہ وقت اِن مسائل کے حل کرنے میں ناکام اور بے بس ہیں تو انہیں "منصب خلافت" خود ہی چھوڑ دینا چاہیے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُن کے دام میں نہ آئے، اور اُن کا مطالبہ نہ مانا، وہ لوگ مختلف علاقہ جات سے آکر مدینہ منورہ میں ایک جگہ مجتمع ہوئے اور اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو اُنہوں نے والی شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور والی بصرہ حضرت عبداللہ

بن عامر ؓ اور والی کوفہ کو مدینہ منورہ کے ان ابتر حالات سے خبردار کیا اور مفسدین کی مدافعت اور مدینہ منورہ سے اُن کے اخراج کے لئے فوجی دستے طلب کیے۔

اس پر حضرت معاویہ ؓ نے شام سے حضرت حبیب بن مسلمہ فہری ؓ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا، یزید بن اسد قشیری ؓ نے بھی ایک دستہ ارسال کیا اور اہل کوفہ و بصرہ نے بھی حفاظتی دستے مدینہ منورہ کی طرف بھیجے، لیکن جب مدینہ منورہ میں مفسدین کو امدادی لشکروں کے آنے کی خبر ملی تو اُنہوں نے محاصرہ تنگ کر دیا اور امدادی لشکروں کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی اُنہوں نے حضرت عثمان غنی ؓ کو شہید کر دیا۔

حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی بیعت خلافت:

حضرت عثمان غنی ؓ کی شہادت کے بعد مدینہ کے مہاجرین و انصار کی اکثریت نے جب سیدنا علی المرتضیٰ ؓ سے بیعت کر لی تو اُن کی دیکھا دیکھی میں باغی بھی حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی بیعت پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت علی ؓ چوں کہ اُن لوگوں سے دل برداشتہ اور ناخوش تھے، اس لئے اُنہوں نے ہر سرِ عام اُن کی بیعت لینے سے انکار کر دیا، لیکن جب صورت حال اور زیادہ پیچیدہ ہو گئی، اور مسلمانوں میں عام خانہ جنگی کا اندیشہ پیدا ہو گیا، تو حالات کی نزاکت کے پیش نظر حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے اُن لوگوں کی بیعت قبول کر لی۔

شہادت عثمانی ؓ کے صحابہ کرام ؓ پر اثرات:

مکہ، بصرہ اور شام کے صحابہ کرام ؓ کو جب اس صورت حال کا علم ہوا کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان غنی ؓ کو ظلماً شہید کیا، وہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی بیعت میں شامل ہیں، تو وہ بہت زیادہ پریشان خاطر ہوئے اور قصاصِ دمِ عثمان ؓ کے مسئلے کو تاخیر میں ڈالنے کی وجہ سے بہت زیادہ مضطرب ہوئے، حتیٰ کہ نزاکت حالات کے پیش نظر اُنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے ہاتھ بیعت کرنے کے سلسلہ میں تاخیر کی اور اس موقع پر بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔

اصل میں ان حضرات کے سامنے بھی یہی رائے تھی کہ قصاصِ دمِ عثمان ؓ کی کوئی بہتر صورت پیدا کر کے پہلے اس مسئلے کو حل کیا جائے اور بعد میں بیعت لی جائے، اس لئے کہ قصاصِ دمِ عثمان ؓ کے اس مسئلے کو تاخیر میں ڈالنا موجبِ فساد بھی ہے اور کئی خرابیوں کا باعث بھی۔

اہل مدینہ نے جب حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اس کے بعد جلد ہی حضرت طلحہ ؓ اور

حضرت زبیر ؓ عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور بعض اُمہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن وغیرہن پہلے ہی حج کے موقع پر وہاں تشریف لے گئی ہوئی تھیں۔ پھر ان حضرات کے وہاں "شہادت عثمانی ؓ" کے قصاص کے مسئلہ میں مذاکرات ہوئے اور دیگر اکابرین کے ساتھ بھی اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی، آخر کار ان حضرات نے بصرہ کی طرف سفر اختیار کیا اور وہاں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا۔

اہل شام کی طرف شہادت عثمانی ؓ کی اطلاع:

شہادت عثمانی ؓ کے اس اندوہناک واقعہ کے اثرات صحابہ کرام ؓ اور تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ پر بجلی بن کر گرے، چنانچہ حضرت معاویہ ؓ، دیگر شامی صحابہ ؓ اور اکابر تابعینؒ نے بھی قصاص دم عثمان ؓ کے مطالبے کا اظہار کرنا شروع کر دیا، ان حضرات کی بھی یہی رائے ہوئی کہ حضرت قاتلین عثمان ؓ سے پہلے قصاص دم عثمان ؓ لیا جائے پھر اُس کے بعد بیعت خلافت لی جائے، اس صورت کے بغیر ہمارا حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی بیعت تسلیم کر لینا مشکل ہے۔

عمال عثمانی ؓ کی معزولی:

عثمان خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے چاہا کہ عمال عثمانی ؓ کو معزول کر کے اُن کی جگہ نئے عمال کا تقرر کیا جائے، کیوں کہ عثمانی عمال "تحریک قصاص" سے متاثر تھے اور حضرت علی ؓ سے مطمئن نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی ؓ کو مشورہ دیا کہ ابھی حالات انتہائی نازک ہیں، اس لئے عمال عثمانی ؓ کو ابھی اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، بعد میں حالات کے مطابق جو تبدیلی چاہے عمل میں لائی جائے[1] لیکن حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس رائے کو قبول نہیں فرمایا اور حضرت عثمان غنی ؓ کے متعین کردہ عمال کو اپنے اپنے مناصب سے معزول کر دیا اور اُن کی جگہ اپنے عمال مقرر کر دیئے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے مصر، شام، بصرہ اور کوفہ وغیرہ علاقہ جات سے عمال عثمانی ؓ کو معزول کر کے اُن کی طرف اپنے کئی عمال روانہ کیے، لیکن وہاں کے لوگوں سے ان کے سخت معارضے پیش آئے اور جانیں بھی سامنے آئیں، اور قصاص دم عثمان ؓ کا مطالبہ بھی ہر جگہ سنا گیا، بلکہ یہ بات روز بروز شدت اختیار

---

[1] "کان ابن عباس رضي الله عنهما أشار علي عليٌّ باستمرار نوابه في البلاد إلى أن يتمكن الأمر وأن يقر معاوية حتى صار على الشام." (البداية والنهاية لابن كثير: ۲۵۵/۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

کرتی گئی، اور حالات سدھرنے کے بجائے اُلٹا مزید بگڑتے گئے۔

جب حالات کسی بھی طرح نہ سدھرے تو جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں قصاص دم عثمان ؓ کے مسئلے پر دو فریقوں حضرت علی ؓ اور حضرت طلحہ ؓ حضرت زبیر ؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان "جنگ جمل" کا مشہور واقعہ پیش آیا، جس میں حضرت علی ؓ غالب اور کامیاب ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لشکر مغلوب ہوا اور حضرت طلحہ ؓ اور حضرت زبیر ؓ اس جنگ میں شہید ہوئے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگ جمل کے حالات وواقعات جب ملک شام پہنچے تو اس موقع پر اہل شام نے حضرت معاویہ ؓ کو قصاص دم عثمان ؓ کے مطالبے کے لئے آمادہ کیا اور اس مطالبے پر اُن کو اپنا امیر بنا کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ بیعت حضرت معاویہ ؓ کی خلافت کے لئے نہیں تھی، بلکہ صرف قصاص دم عثمان ؓ کی طلب کے لئے تھی۔[1] حضرت علی ؓ نے انہیں سمجھانے کے لئے سفیر بھیجے مگر وہ بیعت پر آمادہ نہ ہوئے، آخر خلافت اسلامیہ کو دو ٹکڑے ہونے سے بچانے کے لئے حضرت علی ؓ نے لشکر تیار کیا۔

اُدھر قصاص دم عثمان ؓ کی طلب لئے ہوئے حضرت معاویہ ؓ کا لشکر محرم ۳۷ھ میں بلاد شام کے مشرقی جانب "صفین" نامی ایک مقام پر آوارد ہوا اور اِدھر حضرت علی ؓ بھی شام کی مشرقی سرحد کے قریب آپہنچے اور دونوں فریق اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ مجتمع ہو گئے۔

اہل شام کا مؤقف:

فریق اوّل (اہل شام) کا مؤقف یہ تھا کہ ہمارا مطالبہ صرف قصاص دم عثمان ؓ کے متعلق ہے خلافت کے بارے میں ہمارا کوئی نزاع نہیں، چوں کہ حضرت عثمان ؓ ظلماً قتل کیے گئے ہیں اور ان کے قاتلین حضرت علی ؓ کے لشکر میں موجود ہیں، لہٰذا اُن سے قصاص لیا جائے، نیز جب تک قاتلین عثمان ؓ حضرت علی ؓ کے لشکر میں ہیں اور اُن کو شرعی سزا نہیں دی جاتی، اُس وقت تک ہم بیعت نہیں کر سکتے، یا بصورت دیگر قاتلین عثمان ؓ کو ہمارے

---

[1] "عن ابن شهاب الزهري قال : لما بلغ معاوية رضي الله عنه وأهل الشام قتل طلحة والزبير رضي الله عنهما وهزيمة أهل البصرة وظهور علي رضي الله عنه عليهم دعا أهل الشام معاوية رضي الله عنه للقتال معه علي الشوري والطلب بدم عثمان رضي الله عنه فبايع معاوية رضي الله عنه أهل الشام علي ذلك أميرا غير خليفة "
(تاريخ دمشق لابن عساكر : ۱۲۶/۵۹ ، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

حوالے کر دیا جائے تا کہ ہم خود اُن سے دمِ عثمان کا قصاص لے سکیں۔ [1]

اہل عراق کا موقف:

جب کہ فریق ثانی (اہل عراق) کا موقف یہ تھا کہ پہلے خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، اور اُس کے بعد قصاص دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ پیش کیا جائے، پھر اس کے بعد اس کا شرعی فیصلہ کیا جائے گا، نیز جب مہاجرین و انصار نے خلیفہ وقت یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول کر لی ہے، تو اہل شام کو بھی چاہیے کہ وہ بھی خلیفہ وقت کی بیعت کریں، اگر وہ بصورت اختیار نہیں کریں گے تو وہ لوگ ہمارے نزدیک "باغی" کہلائیں گے اور ہمارا اُن سے قتال کرنا ضروری ہوگا۔ [2]

---

[1] "وحجة معاوية ومن معه ما وقع معه من قتل عثمان مظلوماً و وجود قتله ناعيانهم في العسكر العراقي." (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني: ۲۸۸/۱۳ الناشر: دار المعرفة، بيروت)

"فلما بويع له طلب أهل الشام في شرط البيعة التمكن من قتلة عثمان وأخذ القود منهم، فقال لهم عليٌ: ادخلوا في البيعة واطلبوا الحق تصلوا اليه." فقالوا: لا نستحق بيعة وقتلة عثمان معك تراهم صباحاً ومساءً." (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي: ۳۱۸/۱۶، الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة)

[2] "وبعثه وكتب معه كتاباً الي معاوية يعلمه باجتماع المهاجرين والأنصار علي بيعته ويخبره بما كان في وقعة الجمل ويدعوه الي الدخول فيما دخل فيه الناس." (البداية والنهاية: ۲۸۲/۷ - الناشر: دار احياء التراث العربي)

"وكان عليٌ يقول: ادخل في البيعة وأحضر مجلس الحكم وأطلب الحق تبلغه." (شرح الترمذي لابن العربي المالكي: ۲۲۹/۱۳)

"فقال لهم علي رضي الله عنه: ادخلوا في البيعة وأطلب الحق تصلوا اليه." (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي: ۳۱۸/۱۶، الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة)

"وكان رأي عليٌ رضي الله عنه أنهم يدخلون في الطاعة ثم يقوم وليُ دم عثمان رضي الله عنه فيدعي به عنده ثم يعمل معه مايوجبه حكم الشريعة المطهرة." (الاصابه في معرفة الصحابه: ٤٦٦/٤، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

"اذ حجة عليٌ ومن معه ما شرع لهم من قتال أهل البغي حتي يرجعوا الي الحق." (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۲۸۸/۱۳، الناشر: دار المعرفة، بيروت) و (كتاب الشهيد لابي شكور السالمي: ص ۱۶۶، ۱۶۷ الناشر: حزب الأحناف، لاهور)

رنگ میں بھنگ یعنی فریقین کے درمیان مساعی صلح میں فسادیوں کا کردار:

ہر چند کہ اس موقع پر بعض اکابر نے دونوں فریقوں کے درمیان رفع نزاع اور صلح کی مساعی کیں، لیکن ان مخلصین حضرات کے علاوہ عوامی قسم کے بہت سے شریر عناصر بھی یہاں موجود تھے جو اپنی جبلتی شر پسندی اور فطرتی فساد انگیزی کے سبب فریقین کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے بجائے اُلٹا اُن میں بدظنی پھیلانے، انہیں ایک دوسرے سے دُور کرنے اور معاملہ سلجھانے کے بجائے مزید اُلجھا دینے اور صلح کے بجائے قتال قائم رکھنے پر مصر ہوئے، اس لئے ان مخلصین کی طویل جد وجہد کے بعد بھی کوئی مابہ الاتفاق ایسی چیز سامنے نہ آسکی کہ جس پر نزاع ختم ہوسکتا، اور فریقین اپنے اپنے موقف سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہوئے اور حالات میں روز بروز شدت بڑھتی چلی گئی۔

چنانچہ لڑائی شروع ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا اور فریقین کے ہزاروں آدمی قتل ہو گئے، حضرت علی ؓ کی جماعت میں سے حضرت عمار بن یاسر ؓ اور حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ وغیرہما کبار صحابہ کرام ؓ شہید ہوئے، جب کہ حضرت معاویہ ؓ کی جماعت میں سے حضرت عبید اللہ بن عمر بن خطاب ؓ، حضرت ذوالکلاع ؓ اور حضرت حوشب ؓ وغیرہم حضرات شہید ہوئے، باقی مقتولین کی صحیح تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں۔[1]

تحکیم الحکمین:

اس موقع پر اہل شام کی طرف سے قتال ختم کرنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ اللہ کی کتاب کا فیصلہ فریقین کو تسلیم کر لینا چاہیے" چنانچہ حضرت علی ؓ نے باہمی مصالحت کی اس دعوت کو قبول فرمایا، اور کتاب اللہ کے حکم کے مطابق دونوں فریق اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے، اور لڑائی بند کر دی گئی، اور طے یہ ہوا کہ ہر ایک فریق کی طرف سے ایک ایک حکم (ثالث) اس مسئلہ کے فیصلہ کے لئے مقرر کیا جائے۔

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ حکم منتخب ہوئے اور حضرت معاویہ

---

[1] "وكان ممن قتل مع معاوية ذو كلاع وحوشب وعبيد الله بن عمر بن الخطاب وعمرو بن الحضرمي وحابس بن سعد الطائي وعروة بن داؤد الدمشقي في جماعة كثيرة . وقتل من أصحاب عليٍّ عمار بن ياسر وهاشم بن عتبة بن أبي وقاص وعبد الله بن بديل بن ورقاء الخزاعي وعبد الله بن كعب المرادي وعبد الرحمان بن كلدة الجمحي في جماعة كثيرة ."

(تاريخ خليفة بن خياط : ۱۹۴/۱ ، ألناشر : دار القلم ، مؤسسة الرسالة ، دمشق ، بيروت)

ﷺ کی جانب حضرت عمرو بن العاص ﷺ ثالث تسلیم کئے گئے اور طے یہ ہوا کہ کتاب اللہ کی روشنی میں یہ دونوں حضرات جو فیصلہ کریں گے وہ منظور کر لیا جائے گا، لیکن آخر کار یہ دونوں فیصل حضرات کسی ایک چیز پر متفق نہ ہو سکے اس بنا پر لوگوں میں افتراق و انتشار مزید بڑھ گیا۔

واقعۂ تحکیم کے بعد اہل شام نے شام کی حکومت حضرت معاویہ ﷺ کے سپرد کر دی، اور حضرت معاویہ ﷺ نے ماہ رجب ۳۷ھ میں اپنے لئے اہل شام سے امارت کی بیعت لے لی۔ (یہ بیعت "بیعت امارت" تھی "بیعت خلافت" نہیں تھی۔) [1]

تحکیم میں ناکامی کے واقعہ سے لے کر حضرت علی المرتضیٰ ﷺ کی حضرت معاویہ ﷺ سے صلح ۴۰ھ تک کے درمیانی دور میں فریقین کے عمال اور فوجی قائدین کے درمیان جو تصادم اور تعارض کے مختلف واقعات پیش آئے اُن کی حیثیت مقامی اور وقتی جھڑپوں سے زیادہ نہیں، خود حضرت علی ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ کے مابین اس دور میں کوئی بڑا معرکہ برپا نہیں ہوا۔

چنانچہ ۳۸ھ اور ۳۹ھ کے درمیان دونوں گروہوں کے مابین مختلف علاقہ جات میں معارضات کے متعدد واقعات پیش آئے جن کے اسباب و علل جو کچھ بھی ہوں ان کی تفصیلات ذکر کرنا مطلوب نہیں، تاہم اتنا ذکر کر دینا لازمی ہے کہ ان حالات میں ایک قسم کی اضطرابی کیفیت تھی اور ملک میں باہمی انتشار کا دور دورہ تھا۔

اندریں حالات دونوں فریقین کے درمیان حرب و ضرب کے سلسلے کو ختم کرنے کے لئے مراسلت و مکاتبت ہوئی جس کے نتیجہ میں ۴۰ھ کے وسط میں بین الفریقین صلح ہو گئی اور یہ صلح درج ذیل تفصیلات پر مشتمل تھی:

۱- عراق کا ملک اور اُس کے ملحقات حضرت علی المرتضیٰ ﷺ کے حکم کے تحت ہوں گے۔

۲- ملک شام اور اُس کے ملحقات حضرت معاویہ ﷺ کے تحت ہوں گے۔

۳- کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے علاقہ پر فوج کشی اور غارت گری نہیں کرے گا۔

۴- ہر دو فریق ایک دوسرے کے خلاف قتال سے گریز کریں گے، اور کسی ایک فریق کے علاقہ میں دوسرا فریق اپنی فوج نہیں بھیجے گا۔ [2]

---

[1] "وبايع أهل الشام لمعاوية بالخلافة في ذي القعدة سنة سبع وثلاثين" (تاريخ خليفة بن خياط: ۱/۱۹۲، الناشر: دار القلم، مؤسسة الرسالة، دمشق، بيروت)

[2] "وفي هذه السنة فيما ذكر جرت بين عليّ وبين معاوية المهادنة بعد مكاتبات جرت بينهما يطول بذكرها"۔

جنگ جمل وصفین کے فریقین کی صحیح حیثیت:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضی ؓ سے جو جنگیں لڑیں وہ کسی سیاسی اختلاف کی بناء پر اقتدار کے حصول کی خاطر نہیں تھیں بلکہ تحفظ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر تھیں اور دونوں فریقوں کا موقف اس بارے میں دیانت دارانہ اور مبنی بر اجتہاد تھا۔ چنانچہ ہر ایک فریق دوسرے کو رائے اور اجتہاد میں غلطی پر ضرور سمجھتا تھا لیکن کسی کو فاسق قرار نہیں دیتا تھا، یہی وجہ ہے کہ شاید دنیا کی تاریخ میں یہ ایک دو ہی جنگیں ایسی ہوں کہ جن میں دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر ان کے متولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔[1]

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علی ؓ سے پوچھا گیا کہ: "کیا اہل بغاوت (جمل وصفین والے) مشرک ہیں؟" تو آپؓ نے فرمایا کہ: "یہ لوگ تو شرک سے بھاگ کر اسلام کی طرف آئے ہیں، یہ کیسے مشرک ہو سکتے ہیں؟" پوچھا گیا کہ: "پھر یہ لوگ منافق ہیں؟" تو آپؓ نے فرمایا کہ: "منافق لوگ تو اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں" (اور یہ لوگ تو بہت کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں) پھر پوچھا گیا کہ: "آخر ان کا کیا حکم ہے اور یہ کس درجہ کے لوگ ہیں؟" تو آپؓ نے فرمایا کہ: "یہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔"[2]

حضرت علی المرتضی ؓ کے فرمودات کی روشنی میں یہ چیز اس طرح واضح ہوئی کہ

= الكتاب على وضع الحرب بينهما ويكون لعلي العراق، ولمعاوية الشام فلا يدخل أحدهما على صاحبه في عمله بجيش ولا غارة ولا غزوة۔" (تاریخ طبری: ۵/۱۴، الناشر: دار التراث، بیروت)

"وأمسك كل واحد منهما عن قتال الآخر وبعث الجيوش الى بلاده واستقر الأمر على ذلك۔"

(كتاب التمهيد لأبي الشكور السالمي: ۱۶۹، الناشر: جزب الأحناف، لاهور)

[1] "وكانوا اذا تحاجزوا دخل هؤلاء في عسكر هؤلاء وهؤلاء في عسكر هؤلاء، فيستخرجون قتلاهم فيدفنونهم" (البداية والنهاية: ۷/۳۰۸، الناشر: دار احياء التراث العربي)

[2] "سئل علي بن أبي طالب (رضي الله عنه) وهو القدوة عن قتال أهل البغي من أهل الجمل وصفين أمشركون هم؟ قال: لا، من الشرك فروا. فقيل: أمنافقون؟ قال: لا، لأن المنافقين لا يذكرون الله الا قليلاً، قيل له فما حالهم؟ قال: اخواننا بغوا علينا۔" (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي: ۱۶/۳۲۳، ۳۲۴، الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة)

" اخوانا بغوا علينا ." [1]

ترجمہ: ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی۔

میں "اخوت" سے "اخوت دینی" مراد ہے اور "بغاوت" سے بغاوت فقہی اصطلاحی مراد ہے، یعنی شرعی خلیفہ کی اطاعت نہ کرنا اور کسی علاقے پر قابض ہو جانا وغیرہ اور عرفی بغاوت یعنی سرکشی، مار دھاڑ، ظلم وستم پر مبنی خروج مراد نہیں۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

"حضرت علی ؓ کی خلافت چوں کہ نہایت نہایت مضبوط سے منعقد ہو چکی تھی اس لئے حضرت عائشہؓ یا حضرت معاویہ ؓ کا ان کے خلاف قتال کرنا بلاشبہ غلط تھا اور دُنیوی احکام کے اعتبار سے "بغاوت" کے ذیل میں آتا تھا جو نفس الامر کے لحاظ سے گناہ کبیرہ یعنی فسق ہے، اسی لئے حضرت علی ؓ کا ان سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا، لیکن چوں کہ حضرت عائشہؓ ہوں یا حضرت معاویہ ؓ دونوں سے یہ عمل حضرت علی ؓ کی عداوت یا بغض کی وجہ سے نہیں، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے جو غلط فہمی پر مبنی سہی لیکن دیانت دارانہ تھے اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے ان کا یہ عمل "اجتہادی غلطی" کے ذیل میں آتا ہے، اسی لئے ان پر طعن کرنا جائز نہیں۔" [2]

جنگ صفین میں فریقین میں سے حق پر کون تھا؟

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس مسئلے کو وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ علمائے اہل سنت والجماعت کے نزدیک جنگ صفین میں فریقین میں سے حق پر کون تھا؟ تو اس بارے میں علمائے اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اس جنگ میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ حق پر تھے اور حضرت معاویہ ؓ سے خطائے اجتہادی صادر ہوئی تھی، لیکن اس کی وجہ سے حضرت معاویہ ؓ پر لعن طعن کرنا یا آپ کو فاسق وفاجر کہنا جائز نہیں، بلکہ آپ کو اس جنگ میں مخلص اور نیک سمجھنا اور آپ کے مقام صحابیت کا پورا پورا احترام بجالانا شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ

---

[1] الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي: ۱۶/ ۳۲۳، ۳۲۴، الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة)

[2] (حضرت معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق، ص ۲۶۲، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

واجب ہے، البتہ آپؓ کے حق میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شبہ اور تاویل میں لغزش کی بناء پر آپؓ سے اس بارے میں خطائے اجتہادی صادر ہوئی تھی جو نوع کے لحاظ سے خروج تھا، جب کہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ اس بارے میں مجتہد مصیب ہونے کے سبب حق پر اور نوع کے لحاظ سے شرعی خلیفہ تھے۔

اس میں شک نہیں کہ اجتہادی اُمور میں قطعی اور یقینی طور پر کسی بھی ایک فریق کو مجتہد مخطی یا مجتہد مصیب نہیں کہا جاسکتا کہ اصل حقیقت حال کی اطلاع تو شارع کے علاوہ کسی کو بھی نہیں ہوسکتی، تاہم اگر شارع کی طرف سے کسی ایک فریق کے بارے میں خطائے اجتہادی یا خطائے غیر اجتہادی کا تعین کردیا جائے تو اُس صورت میں قطعی اور یقینی طور پر اُس فریق کو مجتہد مخطی یا مجتہد مصیب کہا جاسکتا ہے، اور حضرت معاویہ ؓ کا معاملہ اسی نوعیت کا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر ؓ سے فرمایا:

"تقتلک الفئة الباغية." [1]

ترجمہ: تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔

اور اس بات پر تمام علمائے اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ حضرت عمار ؓ حضرت معاویہ ؓ کے ایک افسر حضرت ابو الغادیہ ؓ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ پس ثابت ہوا کہ جنگ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ مصیب اور حق پر تھے اور ان کے مدمقابل حضرت معاویہ ؓ مخطی تھے اور خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت کررہے تھے۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

"یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ جن لوگوں (علماء) نے حضرت معاویہ ؓ کے لئے "باغی" یا "امام جائر" کا لفظ استعمال کیا ہے، اُن کی مراد بھی خود اُن کی تصریح کے مطابق صرف یہی ہے کہ وہ حضرت حسن ؓ کی صلح سے قبل نفس الامر کے اعتبار سے برسرِ حق نہ تھے، ورنہ چوں کہ اُن کی یہ "بغاوت" تاویل کے ساتھ تھی اس لئے وہ مجتہد مخطی تھے۔ ملاحظہ فرمائیے! :(فتح القدير : ٥/٤٦١) و (ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء : ١/٧) و (تطهير الجنان بهامش الصواعق : ٤٠ ۔" [2]

---

[1] (صحيح المسلم : ٤/٢٢٣٦ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)

[2] (حاشیہ حضرت معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق، ص ۱۵۱، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

باہمی مصالحت اور معاہدۂ جنگ بندی:

۴۰ھ جب "اہل عراق" اور "اہل شام" کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ ہوگیا اور دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہوگئی تو صحابہ کرام ؓ کے درمیان قیام امن کے یہ حالات دشمنان اسلام کو کسی بھی طرح گوارا نہ ہوئے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان آپس میں لڑنے کے بجائے ایک دوسرے کے قریب ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کے حالات اب کشیدگی سے امن کی طرف سفر کرنے لگ گئے ہیں تو انہوں نے اسی سال رمضان ۴۰ھ میں ایک خاص منصوبہ کے تحت حضرت علی المرتضیٰ ؓ، حضرت معاویہ ؓ اور حضرت عمرو بن العاص ؓ پر قاتلانہ حملے کروائے اور اسلام سے اپنے بغض وعداوت کا پورا ثبوت دیا۔

شہادت علی المرتضیٰ ؓ:

چنانچہ تین خارجی اکٹھے ہوئے: (۱) ابن ملجم (۲) برک بن عبداللہ تمیمی (۳) عمرو بن بکر تمیمی۔ ابن ملجم نے کہا "علی ؓ کو ختم کرنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔" برک نے کہا: "معاویہ ؓ کا صفایا کرنا میرے ذمہ ہے۔" عمر بن بکر نے کہا: "عمرو بن العاص ؓ کو میں دیکھ لوں گا۔"

چنانچہ ابن ملجم کوفہ پہنچ گیا اور شب جمعہ مؤرخہ ۱۷ رمضان المبارک کو اس دروازے کے چھجے کے نیچے آکر بیٹھ گیا جس سے حضرت علی ؓ نماز کے لئے نکلا کرتے تھے، جب حضرت علی ؓ نماز کے لئے اس دروازے سے نکلے تو ابن ملجم نے آپؓ کے سر کے اگلے حصے پر وار کیا، حضرت علی ؓ نے آواز دی کہ اس کو پکڑو! ابن ملجم پکڑا گیا، اس کے بعد آپؓ نے فرمایا: "اگر میں مرجاؤں تو اس کو قتل کر دینا اور اگر زندہ رہ گیا تو مجھے معلوم ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔" [۱] لیکن حضرت علی اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے اور ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو صبح صادق کے وقت جمعہ کے روز تریسٹھ برس کی عمر میں سفر آخرت اختیار کر گئے۔

---

[۱] "فلما ابن ملجم فسار الی الکوفة فدخلها و جلس لیلة الجمعة لسبع عشرة لیلة خلت مقابل السدة التي یخرج منها علیؓ فلما خرج علیؓ ضربه ابن ملجم بالسیف علیٰ قرنه فسال دمه علی لحیته رضي الله عنه و نادیٰ: علیکم به و بسفک ابن ملجم، ثم قال علیؓ: ان مت فاقتلوه وان عشت فانا اعلم کیف اصنع به" (البدایة والنهایة لابن کثیر: ۷/ ۳۱۹، و بتحقیق و اختصار، الناشر: دار احیاء التراث العربي، بیروت، لبنان) و (الکامل في التاریخ لابن أثیر: ۳/ ۲۹، دار الکتاب العربي، بیروت، لبنان) و (تاریخ ابن خلدون: ۲/ ٦٤٦، الناشر: دار الفکر، بیروت)

حضرت حسن مجتبیٰ ؓ کی بیعت خلافت:

حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد اہل عراق نے جلد ہی حضرت حسن ؓ کے ہاتھ بیعت خلافت کر لی، کچھ قلیل عرصہ تک تو حالات حسب معمول پر سکون رہے، لیکن چند ماہ بعد بعض امراء اور اہل جیش نے آپ ؓ کو اہل شام کے ساتھ قتال پر آمادہ کرنا چاہا تھا، لیکن حضرت حسن ؓ نے قتال بین المسلمین کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

حضرت حسن ؓ نے حضرت معاویہ ؓ کو ایک خط لکھا جس میں اُن کے سامنے صلح کی تجویز رکھی اور چند شرطیں رکھیں کہ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہ ؓ کے حق میں دست بردار ہو جائیں گے اور مسلمان خون ریزی سے بچ جائیں گے۔ حضرت معاویہ ؓ نے آپ ؓ کی تمام شرطیں کھلے دل سے قبول فرمائیں اور اُن کا پوری طرح ایفاء کیا، اور حضرت حسن ؓ نے حضرت معاویہ ؓ سے صلح کر کے امر خلافت آپ ؓ کے سپرد کر دیا اور خود خلافت جیسے عظیم مگر انتہائی نازک عہدے سے علیحدہ ہو گئے، اس بناء پر اس سال "عام الجماعت" کہا جاتا ہے۔ [1]

عام الجماعت:

حضرت حسن ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے مابین اس صلح کی اہل اسلام کے نزدیک بڑی اہمیت ہے، کیوں کہ اس کے ذریعے جہاں ایک بہت بڑے انتشار بین المسلمین کا خاتمہ ہوا تو وہیں اتفاق بین المسلمین کا دور دورہ بھی شروع ہو گیا اور تمام اہل اسلام ایک بار پھر ایک کلمہ پر مجتمع ہو گئے۔ [2] اور انہوں نے حضرت معاویہ ؓ کو اپنا متفقہ امیر اور خلیفہ تسلیم کر کے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور فرقت کے بعد دوبارہ ایک مرکز پر متفق ہو گئے۔ [3]

مصالحت حسن ؓ کی صحت وحقانیت:

حضرت معاویہ ؓ اور حضرت حسن ؓ کے درمیان یہ مصالحت حضور نبی اکرم ﷺ کی اس پیشین گوئی:

"ان ابني هذا سيد ولعل الله أن يصلح به بين فئتين

---

[1] "وصالح الحسن بن علي معاوية بن أبي سفيان وسلم له الأمر وبايعه الناس جميعاً فسمي عام الجماعة" (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱۱۹/۵۹، الناشر: دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع)

[2] "فلما تواجه الجيشان و تقابل الفريقان سعي الناس بينهما في الصلح فانتهى الحال الى أن خلع الحسن نفسه من الخلافة وسلم المنك الى معاوية بن أبي سفيان" (البداية والنهاية: ۲۳/۸، الناشر: دار احياء التراث العربي)

[3] (صحیح البخاری: ۱۸۶/۳، الناشر: دار طوق النجاة)

عظیمتین من المسلمین ۔" [۱]

ترجمہ: بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

کا مصداق ٹھہری، جس میں بنو ہاشم کے حضرات اور بہت سے کبار صحابہ ﷺ بھی شامل تھے جن کے بعد العمر حضرت معاویہ ﷺ کے ساتھ تعلقات اور روابط درست رہے اُن کے عمل و تعاون سے گویا اس صلح کی صحت پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی اور پھر جن حضرات نے حضرت معاویہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی، تو اس کے بعد حضرت معاویہ ﷺ خلیفہ برحق قرار پائے اور مسلمانوں کے امیر المؤمنین ٹھہرے اور امام صادق کے لقب کے مستحق ہوئے۔

خلافت یا ملوکیت؟ ایک شبہ اور اُس کا ازالہ:

حضرت معاویہ ﷺ کا عہد حکومت بلاشبہ خلافت راشدہ ہی کا آئینہ دار اور اس کے مشابہ تھا لیکن اُس معیار کا نہ تھا جس معیار کا عہد حکومت حضرات خلفائے راشدین ﷺ کا تھا، نیز ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الخلافة بعدي ثلاثون سنة ثم تكون ملكا ۔" [۲]

ترجمہ: میرے بعد خلافت تیس (۳۰) سال رہے گی پھر بادشاہت ہوگی۔

اور یہ تیس سال مصالحت حسن ﷺ پر پورے ہوگئے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ مصالحت حسن ﷺ کے بعد خلافت 'خلافت' نہیں رہی بلکہ اُس نے ملوکیت کی صورت اختیار کر لی اور اس طرح خلافت سے ملوکیت کا دور شروع ہوگیا لیکن اس سے حضرت معاویہ ﷺ کے مقام و مرتبہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ قرآن مجید کی رُو سے ملک عطا کیا جانا اور ملوک بنا جانا کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور نعمت ہے، جسے خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے نیک بندوں کے حق میں بطور نعمت کے ذکر کرتے ہیں کہ

"یقوم اذکروا نعمة الله علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکاً وآتکم مالم یؤت احداً من العلمین ۔" [۳]

---

[۱] صحیح ابن حبان، ۱۵/۳۶۲، الناشر: مؤسسة الرسالة، بیروت)

[۲] المائدة: ۵/۲۰)

ترجمہ: اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی نعمت جو تم پر ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم میں انبیاء کو بنایا اور تم کو بادشاہ اور ملوک بنایا اور تم کو وہ چیزیں عنایت کیں جو اس دور کے لوگوں میں سے کسی کو عطا نہیں کیں۔ (ترجمہ ختم)

چنانچہ کبار علماء نے خلافت وملوکیت دونوں کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات میں جمع کرنے کی ایک نہایت ہی مناسب اور برمحل تطبیق کی ہے جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بہ یک وقت خلیفہ برحق اور بادشاہ عادل ہونا مترشح ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کو حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد حکومت کی نظر سے دیکھا جائے تو آپ کا عہد حکومت "ملوکیت" نظر آتا ہے اور اگر آپؓ کے بعد کے خلفاء کے عہد حکومت کی نظر سے دیکھا جائے تو آپ کا عہد حکومت خلافت عادلہ نظر آتا ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

"فلم يكن من ملوك المسلمين ملك خير من معاوية ولا كان الناس في زمان ملك من الملوك خيراً منهم في زمن معاوية اذا نسب أيامه الي أيام من بعده وأما اذا نسبت الي ايام ابي بكر وعمر ظهر التفاضل."[1]

ترجمہ: مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں ہوا اور اگر ان کے زمانے کا مقابلہ بعد کے زمانوں سے کیا جائے تو عوام کسی بادشاہ کے زمانے میں اتنے بہتر نہیں رہے، جتنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں۔ ہاں! اگر ان کے زمانے کا مقابلہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے کیا جائے تو فضیلت کا فرق ظاہر ہو جائے گا۔ (ترجمہ ختم)

استلحاق زیاد کا مسئلہ:

۴۴ھ میں "استلحاق زیاد" کا واقعہ پیش آیا جس کا مختصر پس منظر کچھ اس طرح سے ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت کے رسم ورواج کے مطابق ایک عورت سے نکاح کیا جس سے

---

[1] (منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية لابن تيمية ۶/۲۳۲ ناشر: جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية)

زیاد کا تولد ہوا جس کا انتساب حضرت ابوسفیان ؓ کی طرف کیا گیا اور ابوسفیان ؓ نے اس کے انتساب کا اقرار کیا، حضرت معاویہ ؓ کو جب زیاد کے ابوسفیان ؓ کے ساتھ نسبی انتساب کا علم ہوا تو انہوں نے اس پر شواہد اکٹھے کئے، جب تمام گواہوں نے زیاد کے ابوسفیان ؓ کے ساتھ نسبی انتساب کی گواہی دے دی، تو حضرت معاویہ ؓ نے زیاد کو اپنے ساتھ الحاق کر لیا، لیکن الحاقِ زیاد" کے اس واقعہ کو اُس دور کے بعض دیگر اکابر صحابہ ؓ درست نہیں سمجھتے تھے، اس لئے کہ شرعی قاعدہ ہے کہ

"الولد للفراش وللعاهر الحجر"[1]

ترجمہ: اولاد صاحب فراش کی ہوتی ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

جب کہ حضرت معاویہ ؓ اپنے اجتہاد کی رو سے یہ الحاق درست سمجھتے تھے، حضرت معاویہ ؓ کی دلیل اس بارے میں یہ تھی کہ مذکورہ بالا شرعی قاعدہ اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے، لیکن اس کا عمل اُس وقت درست ہے جب کہ صاحب فراش کی طرف سے اولاد کے حق میں دعویٰ پایا جائے، حالاں کہ زیاد جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے (یعنی عبید مولیٰ ثقیف) اُس کی طرف سے زیاد کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں پایا جاتا ہے اس لئے زیاد کا اپنے ساتھ الحاق کرنا جائز ہے، لیکن بعد میں جب حضرت معاویہ ؓ کے پاس اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، جس میں زیاد کے واقعہ کے برعکس صاحب فراش کا دعویٰ بھی موجود تھا تو آپ ؓ نے اس کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ: "حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ "بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔" تو فریق مخالف نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ پھر زیاد کے حق میں آپ نے یہ فیصلہ کیوں صادر نہیں فرمایا؟ تب حضرت معاویہ ؓ کو اپنے اجتہاد کا خطا ہونا معلوم ہوا اور آپ ؓ نے فرمایا کہ "نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ معاویہ ؓ کے فیصلے سے بہتر ہے۔" اس طرح آپ ؓ نے اپنے اجتہاد سے جمہور صحابہ ؓ کے مسلک کی طرف رجوع کر لیا۔[2]

اختلافِ یزید:

یزید کی ولی عہدی کے مسئلے میں صحابہ کرام ؓ کا باہمی اختلاف تھا، حضرت معاویہ ؓ یزید کو محض اپنا بیٹا

---

[1] (صحیح البخاری: ۳/۵۱، الناشر: دار طوق النجاة)

[2] (الاعلام للزرکلی للعلامة خلف أحمد الحباشي: ۱۵/۴۹۸-۵۰۰، الناشر: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية - كراتشي)

(مسند أبي يعلى الموصلي: ۱۲/۳۸۳، الناشر: دار المأمون للتراث - دمشق)

ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اسے خلافت کا اہل سمجھنے کی وجہ سے ولی عہد بنانا چاہتے تھے اور صحابہ کرام ؓ کی ایک بڑی جماعت دیانت داری کے ساتھ ان کی ہم نوا تھی، اور وہ پانچ صحابہ کرام ؓ جنہوں نے اس کی مخالفت کی تھی وہ کسی ذاتی خصومت یا حرص اقتدار کی بناء پر مخالفت نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ دیانت داری سے یہ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا اہل نہیں ہے، تاہم جمہور اُمت کا کہنا یہ ہے کہ اس معاملے میں رائے اُنہی حضرات صحابہ کرام ؓ کی صحیح تھی جو یزید کو ولی عہد بنانے کے مخالف تھے۔

اس کی مختلف وجوہ ذکر کرتے ہوئے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم ارقام فرماتے ہیں:

"۱- حضرت معاویہ ؓ نے تو بے شک اپنے بیٹے کو نیک نیتی کے ساتھ خلافت کا اہل سمجھ کر ولی عہد بنایا تھا، لیکن اُن کا عمل ایک ایسی نظیر بن گیا جس سے بعد کے لوگوں نے نہایت ناجائز فائدہ اُٹھایا، اُنہوں نے اس کی آڑ لے کر خلافت کے مطلوبہ نظام شوریٰ کو درہم برہم کر ڈالا، اور مسلمانوں کی خلافت بھی شاہی خانوادے میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔

۲- بلاشبہ حضرت معاویہ ؓ کے عہد میں یزید کا فسق وفجور کسی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں، اس لئے اس کو خلافت کا اہل تو سمجھا جا سکتا تھا، لیکن اُمت میں ایسے حضرات کی کمی نہیں تھی جو نہ صرف دیانت وتقویٰ بلکہ ملکی انتظام اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے بھی یزید کے مقابلے میں بہت بلند مقام رکھتے تھے، اگر خلافت کی ذمہ داری ان کو سونپی جاتی تو بلاشبہ وہ اس سے کہیں بہتر طریقے پر اہل ثابت ہوتے۔

یہ درست ہے کہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو خلیفہ بنانا شرعاً جائز ہے۔[1] (بشرطے کہ اس میں شرائط خلافت موجود ہوں) لیکن افضل یہی ہے کہ خلیفہ ایسے شخص کو بنایا جائے جو تمام اُمت میں اس منصب کا سب سے زیادہ لائق ہو۔

۳- نیک نیتی کے ساتھ بیٹے کو ولی عہد بنانا بھی شرعاً جائز تو ہے، لیکن ایک طرف موضع تہمت ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا ہی بہتر ہے، اور شدید ضرورت کے بغیر ایسا کرنا

---

[1] الأحکام السلطانیۃ (ابی یعلی) ص ۶ المکتبۃ المحمودیۃ مصر، الاحکام السلطانیۃ لابی یعلی الفراء ص ۱۷ طبع مصطفی البابی، الفواصم من القواصم ص ۲۱۱ المکتبۃ السلفیۃ، المسایرۃ لابن الہمام ص ۱۳۶، ۱۳۷ مکتبہ دار العلوم دیوبند (بحوالہ الحق الصریح فی حیاۃ سیدنا معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق ص ۱۲۴، ۱۲۵)

اپنے آپ کو ایک سخت آزمائش میں ڈالنا ہے، اسی لئے تمام خلفائے راشدین ؓ نے اس سے پرہیز کیا، خاص طور سے حضرت عمر ؓ اور حضرت علی ؓ نے تو لوگوں کے کہنے کے باوجود اپنے قابل اور لائق فرزندوں کو ولی عہد بنانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ [1]

یزید اور اُس کی ولی عہدی کے سلسلے میں ہم نے اوپر جو کچھ کہا ہے، جمہور اُمت کے معتدل اور محقق علماء کا یہی مسلک ہے۔" [2]

---

[1] تاریخ الطبری: ۳/۲۹۲ و ٤/۱۱۲، ۱۱۳، المطبعة الاستقامة، القاهرة، بحوالہ حضرت معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق: ص ۱۲۳، ۱۲۵، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

[2] (حضرت معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق: ۱۲۳ ۔۔۔ ۱۲۵، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

﴿.....نقاب کشائی یا تلخ نوائی.....﴾

اشاعت اسلام، تبلیغ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں حضرات انبیائے عظام، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور آج تک ہمارے اکابرین واسلاف نے جو ان تھک محنتیں، پیہم کوششیں، مسلسل جدوجہد اور مختلف ملکوں اور علاقوں کی خاک چھانی ہے اسے کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اللہ تعالیٰ کا پاک دین لے کر اس دنیا میں تشریف لائے، اس کی نشر واشاعت کی اور اسے دُنیا کے چپے چپے تک پہنچا کر اُس کا حق ادا کر دیا۔ اسی طرح ان کے بعد ان کے دیگر متبعین وحواریین نے بھی اس کی خوب نشر واشاعت کی اور اسے چہار دانگ عالم میں پھیلا کر یہ امانت دوسروں کے ہاتھوں میں پہنچا کر راہی آخرت ہو گئے۔

آج ہم تک جو اتنی شان وشوکت اور قوت کے ساتھ یہ دین پہنچا ہے یہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا وسردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اطہر کو عطا فرمایا، آپؐ نے اس کی خوب نشر واشاعت کی، اس کو پھیلانے میں دن رگنی رات چکنی محنت کی، اور اپنا تن، من، دھن سبھی کچھ اس پر لگا دیا، اور اپنے دنیا سے جانے سے پہلے اپنی تیئس سالہ محنت کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی حضرات صحابہ کرام ؓ کی مقدس جماعت کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کی یہ امانت سپرد کر کے اس دُنیا سے تشریف لے گئے۔

اسی طرح حضرات صحابہ کرام ؓ نے آگے یہ امانت تابعین عظامؒ کے ہاتھوں میں پہنچائی، اُنہوں نے تبع تابعینؒ کے ہاتھوں میں، اُنہوں نے ائمہ مجتہدینؒ کے ہاتھوں میں اور پھر اُنہوں نے بعد میں آنے والے ہمارے اکابرین واسلاف کے ہاتھوں میں یہ امانت پہنچائی اور اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے مکمل طور پر سبک دوش کر کے اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کل کے اس گئے گزرے دور میں بعض عاقبت نااندیش لوگ اہل

ملت والجماعت کا لبادہ اوڑھ کر انہی حضرات ائمہ مجتہدینؒ تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اساطین امتؒ کے خلاف بعض ایسے خیالات ونظریات کے حامل ہو گئے ہیں جو کسی بھی طرح ان مقدس اور پاک ہستیوں کو زیب نہیں دیتے۔

اسلام کی چودہ سو سالہ درخشاں تاریخ میں حضرات صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت کے بارے میں عموماً اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں خصوصاً مختلف قسم کے نظریات رکھنے والے افراد تقریباً ہر دور میں ہی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ کسی نے اگر اس بارے میں افراط سے کام لیا ہے تو کسی نے تفریط سے۔ کسی نے حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد کی محبت کا دم بھرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کی مذمت اور اُن کی توہین وتنقیص بیان کی ہے تو کسی نے آپؓ کی محبت وعقیدت سے سرشار ہو کر آپؓ کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے ایسے قلابے ملائے ہیں کہ جن سے آپؓ کا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم ہونا مترشح ہوتا ہے۔ حالاں کہ اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ مغفور ضرور ہیں لیکن معصوم نہیں ہیں۔ اُن سے اجتہادی اور غیر اجتہادی ہر قسم کی غلطیوں کا صدور ممکن ہی نہیں بلکہ اُن کا وقوع بھی ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی تمام اجتہادی وغیر اجتہادی (بشری) خطاؤں سے عفو ودرگزر کا معاملہ فرمایا ہے۔

تاہم مذکورہ بالا ان تمام مختلف نظریات کے حامل افراد کے بیچوں بیچ اکثریت اُن افراد کی تھی کہ جنہوں نے میانہ روی سے کام لیتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے غلو عقیدت اور اُن کے بارے میں افراط وتفریط کا شکار ہونے سے اپنے آپ کو ہمیشہ ایک طرف رکھے رکھا، اور اُن کے بارے میں اپنا دامن داغ دار ہونے سے ہمیشہ بچائے رکھا۔ بالخصوص مشاجرات صحابہؓ جیسے آگ وخون کے سمندر سے وہ بڑی سلامت فکر کے ساتھ پار ہو گئے ہیں۔ ایسے افراد کی جماعت کو اصطلاح شرع میں "اہل سنت والجماعت" کہا جاتا ہے۔ علمائے اہل سنت والجماعت نے حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں افراط وتفریط سے کام لینے کے بجائے قرآن وحدیث کی روشن تعلیمات کے زیر سایہ رہ کر ان کی فضل زندگی کا مطالعہ کیا جیسے کما حقہ سمجھنے میں وہ لوگ سو فی صد کامیاب ہوئے۔

لیکن آج بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ جن اکابرین دین واساطین امت کی مسلسل کاوشوں، ان تھک محنتوں اور پیہم جد وجہد کے طفیل یہ دین متین آج ہم تک پہنچا ہے "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کا مصداق آج کل کے بعض عاقبت نااندیش لوگ انہیں کی ذات بابرکات کو ہدف تنقید بناتے پھر رہے ہیں، انہیں کی ذات کو ملامت کر رہے ہیں اور اُن کی طرف طرح طرح کی باتیں منسوب کر رہے ہیں۔ کیا ان بزرگوں کی دین متین

اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر کی جانے والی ان لازوال و بے مثال قربانیوں کا یہی نتیجہ ہے یا کیا انہیں اُن کی ان خدمات جلیلہ کا یہی صلہ ملنا چاہیے؟؟؟۔

بھلا! (۱) راوی بخاری محدث عبدالرزاق (۲) امام ابن جریر طبریؒ (۳) امام ابوبکر الجصاصؒ (۴) امام حاکم نیشاپوریؒ (۵) علامہ برہان الدین مرغینانیؒ (۶) علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (۷) جامع المعقول والمنقول میر سید شریف جرجانیؒ (۸) مشہور عاشق رسول ملا عبدالرحمن جامیؒ (۹) محدث جلیل حضرت ملا علی قاری حنفیؒ (۱۰) شیخ شاہ عبد الحق محدث دہلوی (۱۱) شیخ احمد ملا جیونؒ (۱۲) بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۳) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۴) قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۵) قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۶) محدث عصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ (۱۷) ابوحنیفہ ثانی مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ (۱۸) امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ (۱۹) شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی (۲۰) مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ (۲۱) قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ، جیسے چوٹی کے اساطین اُمت اور علمائے اہل سنت کے اُمت پر تمام تر احسانات کو یکسر بھلا کر اُن کی دینی وملی خدمات کو فراموش کر کے، اُن کے خلاف پروپیگنڈے کا بازار گرم کرنا، اُن کے خلاف الزام تراشیاں کرنا، اُن کی عبارات کو موڑ توڑ اور کھینچ تان کر اُن سے اپنی مرضی کا مطلب نکالنا، اُن کی عظیم نسبت اہل سنت والجماعت کا رشتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین عظام سے کاٹنا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کو (خاکم بدہن) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد و گستاخ ٹھہرانا، کیا یہ سب کچھ اُن کی روحوں کے ساتھ مذاق نہیں ہے؟ کیا یہ اُن کی دینی وملی خدمات کو فراموش کرنا نہیں ہے؟ کیا یہ انہیں ہدف تنقید بنانا اور انہیں طرح طرح کے طعنوں سے مطعون کرنا نہیں ہے؟ نیز کیا یہ آج کل کی نوجوان نسل کے دلوں میں اُن کے خلاف نفرتوں کے بیج بونا، انہیں اپنے روحانی آباؤ اجداد سے بدظن اور متنفر کرنا اور اُن کو اپنے اسلاف کے خلاف دُشنام طرازیاں کرنے کا موقع فراہم کرنے کے مترادف نہیں ہے؟؟؟۔

لیکن یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے اور اگر اس کا بروقت محاسبہ نہ کیا گیا تو اس کی زہریلی وبا مسلمانوں میں اپنے جراثیم اس طرح پھیلا دے گی کہ جن کو نکالتے نکالتے شاید صدیاں بیت جائیں۔

چنانچہ اس قسم کی ناپاک اور مذموم کوششیں گزشتہ کئی سالوں سے ہمارے اکابر و اسلاف حضرات علمائے اہل سنت والجماعت کے خلاف تا ہنوز برابر جاری ہیں۔

آپ بھی ذرا ملاحظہ فرمائیے:

حضرت معاویہ ﷺ اور علمائے اہل سنت:

چنانچہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اغیار کی جانب سے حضرت معاویہ ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ طعن وتنقید کا ہدف بننے کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد علمائے اہل سنت والجماعت پر لکاڈ ھاتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''.....علاوہ ازیں تصوف، تفضیلیت اور تشیع نوازی کے روپ میں حضرت معاویہ ﷺ پر اپنوں کی نوازشات بھی اہل تشیع سے کچھ کم نہیں ہیں۔

وہ تو ہیں کھلے دشمن اُن کا خیر سے کیا ذکر؟

دوستی مگر حضرت آپ کی قیامت ہے۔'' [1]

حضرت معاویہ ﷺ کے حق میں سوئے ظن رکھنے والے تین گروہ ہیں:

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مقام پر بے جا گرفت کرتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی ''ناقدین معاویہ ﷺ'' کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضرت معاویہ ﷺ کے حق میں سوئے ظن رکھنے والے تین گروہ ہیں، اوّل روافض' غیر! اُن کا سوئے ظن چنداں جائے تعجب نہیں' کیوں کہ وہ ایسے مقدس حضرات سے سوئے ظن رکھتے ہیں جن کا مثل تمام اُمت مرحومہ میں ایک بھی نہیں۔

دوسرا گروہ اُن جاہل صوفیوں کا ہے جو حضرت علی ﷺ کی محبت کا مکملہ حضرت معاویہ ﷺ کی بدگوئی کو سمجھتے ہیں، یہ لوگ اپنے کو ''سنّی'' کہتے ہیں مگر درحقیقت نہ صرف اس امر میں بلکہ بہت سے اُمور اُصول وفروع میں اہل سنت کے مخالف ہیں اور فرقہ ہائے شیعہ میں داخل ہیں۔

تیسرا گروہ اس زمانہ کے بعض اہل ظاہر کا ہے، بعض روایات میں حضرت معاویہ ﷺ کے مطاعن ان کی نظر سے گزرے اور بعد ظاہر بیت کے ان کی تاویل تک اُن کے ذہن کی

---

[1] (سید جمعاویہ کے ناقدین، ص ۹)

رسائی نہ ہوئی، ان سب میں زیادہ مضرت رساں دوسرا گروہ ہے پھر تیسرا"۔

امام اہل سنت نے یہاں "ناقدین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" میں روافض کے علاوہ جاہل صوفیوں اور بعض اہل ظاہر کا ذکر کر کے دوسرے اور تیسرے گروہ کو بالترتیب سب سے زیادہ مضرت رساں قرار دیا ہے، لیکن موصوف نے "صرف نظر" سے کام لیا ہے ورنہ اہل ظاہر اور جاہل صوفیوں کے علاوہ بعض مفسرین، محدثین، متکلمین، مبلغین، فقہاء، جید علماء اور مقررین بھی دوسرے اور تیسرے گروہ سے پیچھے نہیں رہے، جس کا زیر نظر کتاب کے مطالعہ سے "کچھ کچھ" اندازہ ہو جائے گا، اس ضمن میں اگرچہ اور بھی بڑے بڑے نام تاریخ میں پائے جاتے ہیں، لیکن ؎

افسوس! بے شمار "سخن ہائے گفتنی"
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے [1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتلائی دور کے بارے میں علمائے اہل سنت کا معتدل مسلک:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ابتلاء و خلافت کے بارے میں جو موقف اور نظریہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اختیار کر رکھا ہے وہ اتنا کڑا اور سخت ہے کہ اس کی زد میں چار و ناچار ہر طبقہ کے علماء، مفسرین، محدثین، متکلمین، مبلغین اور فقہاء وغیرہم سب ہی آجاتے ہیں، جس کا بہترین شاہکار خود آں موصوف کی زیر نظر یہ کتاب ہے، جب کہ علمائے اہل سنت والجماعت نے متفقہ طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ابتلاء و خلافت کے بارے میں جو موقف اور نظریہ اختیار کر رکھا ہے وہ اس قدر معتدل، نپا تلا اور قرآن و سنت کی نصوص کے تمام پہلوؤں اور تاریخی حقائق سے مطابقت رکھتا ہے کہ جس کے پیش نظر علمائے اہل سنت کے تمام طبقات تو کجا کوئی ایک طبقہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوئے ظن رکھنے والے گروہوں میں پوری طرح سے نہیں اتر سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوئے ظن رکھنے والے لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جو اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے لیکن پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے نزدیک مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تقسیم اتنی جامع نہیں جتنی کہ خود ان کی اپنی تقسیم جامع ہے۔

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۲۱)

پروفیسر ہاشمی صاحب نے لکھا ہے کہ ہمارے مذکورہ بالا دعویٰ کا "زیر نظر کتاب "سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین" کے مطالعہ سے "کچھ کچھ" اندازہ ہو جائے گا اور اس ضمن میں اور بھی بڑے بڑے نام تاریخ میں پائے جاتے ہیں مگر فساد خوف خلق سے ہم ناگفتہ رہ گئے۔"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان شاء اللہ! ہمارے بھی اس جوابی دعویٰ پر ہماری بھی اس زیر نظر کتاب "حضرت معاویہ ؓ اور عبارات اکابر" کے مطالعہ سے "کچھ کچھ" کیا بلکہ "بہت کچھ اندازہ" ہو جائے گا کہ اصل حقیقت کیا تھی اور پروپیگنڈا کیا تھا؟۔

فسوف تري اذا انكشف الغبار

أفرس تحت رجلك أم حمار

باقی رہی پروفیسر ہاشمی صاحب کی یہ بات کہ اس ضمن میں اور بھی بڑے بڑے نام تاریخ میں پائے جانے اور فساد خلق کے خوف سے ناگفتہ رہ جانے کی تو اس بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ دورنگی ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آرہی کہ ایک طرف تو وہ "سخن ہائے گفتنی" میں کچھ اس طرح سے گویا ہوئے کہ پوری چار سو چونسٹھ (۴۶۴) صفحات کی ایک ضخیم کتاب لکھ ماری، جس میں بڑے بڑے تاریخی نام ذکر کرنے کے باوجود وہ "فساد خوف خلق" سے بڑی طرح مطمئن رہے، اور دوسری طرف اس ضمن میں تاریخ میں اور بھی بڑے بڑے پائے جانے والے ناموں کو فساد خوف خلق کے سبب سے ذکر نہ کر کے کچھ اس طرح سے "ناگفتہ" ہوئے کہ بالکل ہی چپ سادھ گئے، گویا آپ کو سانپ سونگھ گیا ہے؟۔

"دورنگی" چھوڑ "یک رنگ" ہو جا!

یا سراسر موم ہو جا یا سراسر سنگ ہو جا

کیا آج کل کے اس پُرفتن دور میں چار سو چونسٹھ (۴۶۴) صفحات پر مشتمل 'سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین' جیسی ایک بے معنی و بے ہودہ ضخیم کتاب لکھ مارنا خوف خلق کے فساد سے ناگفتہ رہ جانا کہلاتا ہے؟۔

آپ ہی اپنی "اداؤں" پہ غور کریں!

ہم اگر عرض کریں گے تو بے ادبی ہوگی

علمائے اہل سنت پر حضرت معاویہ ؓ پر تنقید کرنے کا الزام:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''سیدنا معاویہ ﷺ کے سنّی ناقدین کے تنقیدی کلمات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حضرت معاویہ ﷺ پر ''سب'' سے علاوہ ''طعن'' کی جملہ قسمیں بھی پائی جاتی ہیں:

''طَعَنَ فِيْهِ وَعَلَيْهِ'': طعن کرنا، تنقید کرنا، اعتراض کرنا، آواز کسنا۔

''طَعَنَ فِيْ شَرَفِهٖ'': عزت پر حملہ کرنا۔

''طَعَنَ فِيْ قَوْلِهٖ'': بات کو غلط ثابت کرنا، رد و قدح کرنا۔

حالاں کہ اہل سنت والجماعت کے تمام طبقات کے نزدیک حضرت معاویہ ﷺ کی صحابیت ثابت ہے اور جملہ صحابہ کرام کے بارے میں ''کف لسان'' کا حکم دیا گیا ہے.....'' [1]

الزام تنقید کا دفعیہ:

حاشا و کلا کہ اس قسم کے تنقیدی کلمات علمائے اہل سنت والجماعت میں سے کسی نے جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ ﷺ کے بارے میں کہے ہوں، یہ سب پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا علمائے اہل سنت والجماعت پر جھوٹ و افتراء ہے اور قارئین کی نظروں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے، علمائے اہل سنت والجماعت کا حضرت معاویہ ﷺ کے بارے میں اس قسم کے تنقیدی کلمات کہنے سے کوئی تعلق نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے نہ تو یہاں اور نہ ہی اپنی اس پیش نظر پوری کتاب میں کسی ایک بھی جگہ کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے اور نہ ہی کسی اہل سنت والجماعت کے مستند عالم دین کا نام لے کر کہا ہے کہ انہوں نے اس قسم کے الفاظ سے حضرت معاویہ ﷺ پر تنقید کی ہو۔ ہاشمی صاحب کا یہ دعویٰ چوں کہ بلا حوالہ و بلا دلیل ہے اس لئے مردود اور ناقابل التفات ہے۔

دیگراں را نصیحت خود را فضیحت:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرات صحابہ کرام ﷺ کی خطاؤں کے بارے میں کوئی غیر صحابی ہرگز جج اور

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین ص ۱۲)

منصف نہیں بن سکتا۔ ساری اُمت "کف لسان اور امساک" کی پابند ہے۔"[1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ایک سوال:

مگر ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب سے ہم صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ آپ اس قاعدے کو مطلق مانتے ہیں، یا مقید؟ اگر مطلق مانتے ہیں تو پھر آپ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاؤں کے بارے میں پھر آپ کیوں جج اور منصف بنے بیٹھے ہیں؟ کیا یہ حکم صرف دوسروں کے لئے ہے اور آنجناب اس سے مستثنیٰ ہیں؟ بڑی عجیب منطق ہے کہ:

"دیگراں را نصیحت اور خود را فضیحت؟"

توقف و امساک اور کف لسان کا حکم علی الاطلاق نہیں!

پھر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ تحقیق بھی بالکل غلط ہے جو انہوں نے علی الاطلاق ذکر کی ہے کہ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاؤں کے بارے میں ساری اُمت "کف لسان" اور "امساک" کی پابند ہے۔" حالاں کہ بعض اوقات ضرورت شرعیہ و شدیدہ کے پیش نظر ایسے مواقع ضرور نکل آتے ہیں کہ جہاں "کف لسان" اور "امساک" کی پابندی اُمت واجب نہیں رہتی، بلکہ اُس وقت مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس مسئلے کو واضح کرنا اُمت پر واجب ہو جاتا ہے اور "توقف" و "امساک" اور "کف لسان" اُس وقت بجائے خود ایک جرم بن کر رہ جاتا ہے۔

مناسب یہ تھا کہ خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب "مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم" کے مسئلہ کے حوالے سے ضرورت شرعیہ و شدیدہ کی بابہ الاتفاق کوئی ایسی جامع تعریف کرتے کہ جس سے یہ معلوم ہو جاتا کہ کہاں "کف لسان" اور "امساک" واجب ہے اور کہاں واجب نہیں ہے، اس لئے کہ ہر ہر موقع پر "کف لسان" اور "امساک" واجب نہیں بلکہ بعض مواقع پر یہ ناجائز بھی ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر انہوں نے یہ کام نہیں کیا تو پھر ہم ہی ایسے مواقع کی نشان دہی کرائے دیتے ہیں کہ کہاں "کف لسان" اور "امساک" واجب ہے اور کہاں واجب نہیں، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ "کف لسان" اور "امساک" کا یہ حکم علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس کے بعض مخصوص مواقع ہیں کہ جہاں کبھی تو یہ واجب ہو جاتا ہے، اور کبھی واجب نہیں رہتا بلکہ ناجائز ہو جاتا ہے۔

---

(۱) (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۱۷)

توقف وامساک اور کف لسان کا شرعی حکم:

''مشاجرات صحابہ'' کے مسئلے میں علمائے اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ:

۱- اوّل تو صحابہ کرام ؓ کے درمیان پیش آنے والے مشاجرات میں بلاضرورت شرعیہ وشدیدہ کے غور وخوض کرنا مناسب نہیں کہ ایمان اور عقیدے کی سلامتی اسی میں ہے اور یہی شیوۂ اسلاف ہے۔ نیز اس بارے میں جو روایات وحکایات منقول چلی آرہی ہیں بلاوجہ اُن میں بھی غور وخوض اور بحث وتمحیص کرنا جائز نہیں۔

چنانچہ امام شمس الدین محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۴۲ھ) لکھتے ہیں:

" سئل أبو حنيفة عن علي ومعاوية وقتلى صفين، فقال: أخاف أن أقدم على الله تعالىٰ بشئٍ يسألني عنه، وإذا أقامني يوم القيامة بين يديه لا يسألني عن شئٍ من أمورهم، يسألني عما كلفني، فالاشتغال بذلك أولىٰ."[1]

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اور مقتولین صفین کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپؒ نے فرمایا کہ: ''میں اس سے ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی بات پیش کروں جس کا وہ مجھ سے سوال کریں، اور جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھے اپنے سامنے کھڑا کریں گے تو ان (حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ اور مقتولین صفین) کے بارے میں مجھ سے سوال نہیں فرمائیں گے، بلکہ مجھ سے وہ سوال فرمائیں گے جس کا میں مکلف ہوں، سو میرا اسی کی تیاری مصروف رکھنا، رہنا (میرے لئے) زیادہ بہتر ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

" ذكروا اختلاف أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم عند عمر بن عبد العزيز، فقال: أمر أخرج الله أيديكم منه ما تعملون ألسنتكم فيه."[2]

ترجمہ: کچھ لوگوں نے حضرت عمر بن عزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے نبی اکرم ﷺ

---

[1] عقود الجمان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان: ص ۳۰۵)

[2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد المعروف بطبقات ابن سعد: ۲۹۷/۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

کے صحابہ ﷺ کے اختلاف کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ وہ معاملہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا ہے، تو پھر تم اپنی زبانوں کو اس میں کیوں ملوث کرتے ہو؟۔

نیز آپؐ لکھتے ہیں:

"تلک دماء كف الله يدي عنها، وأنا أكره أغمس لساني فيها "[1]

ترجمہ: یہ وہ خون ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں کو محفوظ رکھا ہے، میں پسند نہیں کرتا کہ اپنی زبان کو اس سے آلودہ کروں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

" تلک دماء طهر الله عنها أيدينا فلنطهر عنها ألسنتنا "[2]

ترجمہ: (جنگ جمل وصفین میں بہنے والے) یہ وہ خون ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو (ملوث ہونے سے) پاک رکھا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی اس سے پاک رکھیں۔

اسی طرح امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۵ھ) فرماتے ہیں:

" تلک دماء طهر الله أيدينا منها أفنلطخ ألسنتنا ؟ "[3]

ترجمہ: (جنگ جمل وصفین میں بہنے والے) یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو (ملوث ہونے سے) پاک رکھا ہے تو کیا اب ہم ان سے اپنی زبانوں کو آلودہ کریں؟۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۴۱ھ) کے بارے میں منقول ہے:

"وانما نهي عن الخوض في النظم (أي في نظم العقيدة عن الخوض في مشاجرات الصحابة) لأن الإمام أحمد كان ينكر على من خاض ويسلم أحاديث الفضائل وقد تبرأ ممن ضللهم أو كفرهم وقال: السكوت عما جرى بينهم "[4]

---

[1] الطبقات الكبرى لابن سعد المعروف بطبقات ابن سعد: ۲۹۷/۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] شرح العقيدة الطحاوية، ۳۷٤/۸)

[3] النهي عن طعن أمير المؤمنين معاوية للهرهاروي: ص ٦)

[4] شرح مختصر الخرقي ۳۸٦/۷)

ترجمہ: اور "الدرة المضية" کی نظم میں جو "مشاجرات صحابہ ﷺ" کے معاملے میں غور وخوض سے منع کیا گیا ہے، وہ اس لئے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اُس شخص پر نکیر فرمایا کرتے تھے جو اس بحث میں اُلجھتا ہو، اور فضائل صحابہ ﷺ میں جو احادیث آئی ہیں انہیں تسلیم فرما کر اُن لوگوں سے برأت کا اظہار فرمایا کرتے تھے جو صحابہ کرام ﷺ کو گم راہ یا کافر کہتے ہیں اور کہتے تھے کہ (صحیح طریقہ) مشاجرات صحابہ ﷺ میں سکوت اختیار کرنا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح ایک دوسری جگہ آپؒ سے یہ بھی منقول ہے:

"وقال احمد: لا أتكلم في هذا، السكوت عنه أسلم"[1]

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرتا۔ اس بارے خاموش رہنا سب سے بڑی سلامتی ہے۔

ایک طرح علامہ محمد بن صالح بن محمد العثیمین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۲۱ھ) اشعار کے انداز میں لکھتے ہیں:

واحذر من الخوض الذي قد يزري
بفضلهم مما جرىٰ لو تدري[2]

ترجمہ: اور بچو اصحابہ کرام ﷺ میں پیش آنے والے جھگڑوں میں دخل دینے سے جس میں (اُن میں سے کسی) کی تحقیر ہوتی ہو، (یہ حکم اُن کی اُس) فضیلت کے باعث ہے جو طے ہو چکی ہے اگر تم جان لو!۔

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) بھی فرماتے ہیں:

"اعلم أن الدخول بين الصحابة الكرام رضي الله عنهم والحكم فيما جرىٰ بينهم من المشاجرات سوء أدب، وأمارة شقاوة و الأسلم أن يفوض إلى الله ماوقع بينهم"[3]

ترجمہ: تو جان لے کہ حضرات صحابہ ﷺ اور اُن کے درمیان واقع ہونے والے مشاجرات کے بارے میں غور وخوض کرنا بے ادبی اور بدبختی کی علامت ہے۔ سب سے زیادہ

---

[1] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن رجب الحنبلي ۳۱۱/۲، الناشر: مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة المنورة)

[2] (شرح العقيدة السفارينية: ۱/۱۴ و ۶۳۲/۱، الناشر: دار الوطن للنشر، الرياض، السعودية)

[3] (المقدمة السنية في الانتصار للفرقة الناجية: ص ۸۲، الناشر: مكتبة الحقيقة، شارع دار الشفقة، استنبول، تركي)

(ایمان اور عقائد کی) سلامتی اس میں ہے کہ ان کے درمیان واقع ہونے والے مشاجرات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ (ترجمہ ختم)

۲۔ لیکن اگر کسی ضرورت شرعیہ و شدیدہ کی بناء پر "مشاجرات صحابہ ﷺ" جیسی پر خطر و پر خار وادی میں قدم رکھنا ہی پڑ جائے تو پھر "توقف" و "امساک" اور "کف لسان" کیا جائے کہ یہ معاملہ عقیدے اور شریعت کا ہے جو جتنا عظیم ہے اتنا ہی نازک بھی ہے اس لئے بڑی احتیاط اور قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ مشہور حدیث ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے "مشاجرات صحابہ ﷺ" کے بارے میں اُمت کو واضح علم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اذا ذكر اصحابي فامسكوا ."[1]

ترجمہ: جب میرے صحابہ ﷺ کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو۔

چنانچہ اس سلسلہ میں میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور علمائے اہل سنت کا تو نہیں لیکن ان کی ایک جماعت کا یہ مسلک بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے "مشاجرات صحابہ ﷺ" جیسے واقعات کے بارے مکمل توقف اور سکوت سے کام لیا ہے اور دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کی طرف بھی علی التعیین والیقین نہ خطاء کو منسوب کیا ہے اور نہ ہی صواب کو۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" والمعترفون بوقوعها منهم من سكت عن الكلام فيها بتخطية أو تصويب وهم طائفة من أهل السنة ."[2]

ترجمہ: اور جن لوگوں نے (صحابہ کرام ﷺ کے درمیان واقع ہونے والی لڑائیوں کے وقوع کا انکار نہیں بلکہ) اُن کا اعتراف کیا ہے تو اُن میں سے بعض نے تو ان واقعات میں مکمل سکوت اختیار کیا ہے کہ نہ تو کسی ایک خاص فریق کا تخطیہ کیا ہے اور نہ ہی کسی ایک خاص فریق کی تصویب کی ہے، حالاں کہ یہ حضرات بھی اہل سنت ہی کی ایک جماعت ہیں۔

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: ۹۶/۲ و ۱۲۸/۱۰، الناشر: مكتبة ابن تيمية، القاهرة)

[2] (شرح المواقف للجرجاني: ۳۷۴/۸، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

"وهم كلهم لنا أئمة وقد تعبدنا بالكف عما شجر بينهم. ولا نذكرهم الا بأحسن الذكر، لحرمة الصحبة."[1]

ترجمہ: یہ سب حضرات (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ اُن کے شرف صحبت کے باعث اُن کے باہمی اختلافات سے "کف لسان" کریں اور ہمیشہ اُن کا ذکر بہترین طریقے سے کریں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ خالد بن عبداللہ بن محمد المصلح رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ويمسكون عما شجر بين الصحابة."[2]

ترجمہ: اور (اہل سنت) مشاجرات صحابہ کے مسئلے میں سکوت کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

"ومما يوجب أيضاً الامساك عما شجر أي وقع بينهم من الاختلاف والاضطراب صفحا من أخبار المؤرخين سيما جهلة الرافض وضلال الشيعة والمبتدعين القادحين في أحد منهم فقد قال صلى الله عليه وسلم: اذا ذكر أصحابي فأمسكوا."[3]

ترجمہ: اور اُن چیزوں میں سے جو کہ واجب ہیں ایک یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو اختلاف اور اضطراب واقع ہوئے ہیں ان میں "امساک" اور "توقف" اختیار کرے، اور مؤرخین بالخصوص جاہل قسم کے روافض اور گمراہ قسم کے شیعہ اور طعنہ زنی کرنے والے بدعتی قسم کے لوگوں کی خبروں سے اعراض کرے جو ان حضرات میں سے کسی کے بارے میں وارد ہوئی ہوں۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي، ۳۲۱/۱۶، الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة)

[2] (شرح عقيدة الواسطية من كلام شيخ الاسلام ابن تيمية: ۱۹۳/۱، الناشر: دار ابن الجوزي، الدمام، السعودية)

[3] (الصواعق المحرقة في الرد على أهل البدع والزندقة للهيتمي: ص ۲۱۶، الناشر: مكتبة الحقيقة، شارع دار الشفقة استنبول، تركي)

اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ( ) لکھتے ہیں:

''اور ''مشاجرات صحابہ ﷺ'' میں ''کف لسان'' اور ''سکوت'' کو اسلم قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی کہ بلاوجہ ان روایات و حکایات میں خوض کرنا جائز نہیں جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے متعلق نقل کی گئی ہیں۔''[1]

حضرت مفتی صاحبؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اُمت کے اسلاف و اخلاف، صحابہؓ و تابعینؒ اور بعد کے علمائے اُمتؒ کا جو اجماع اُوپر نقل کیا گیا ہے کہ ''مشاجرات صحابہ ﷺ'' اور باہم ایک دوسرے کے خلاف پیش آنے والے واقعات میں سکوت اور ''کف لسان'' ہی شیوۂ اسلاف ہے، اس معاملے میں جو روایات و حکایات منقول چلی آرہی ہیں اُن کا تذکرہ بھی مناسب نہیں۔ یہ کوئی ''اندھی عقیدت مندی'' یا ''تحقیق سے راہِ فرار'' نہیں، بلکہ صحیح تحقیق کا عادلانہ اور محتاط فیصلہ ہے۔''[2]

۳- اور اگر کسی ضرورت شرعیہ و شدیدہ کی وجہ سے ''مشاجرات صحابہ ﷺ'' کے مسئلے میں توقف و امساک اور کف لسان کی مہر سکوت توڑنی پڑ جائے (جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ بعض اوقات بعض اہم شرعی اور انتظامی ناگزیر مجبوریوں کی بناء پر ''امساک'' اور ''کف لسان'' کا حکم واجب نہیں رہتا بلکہ ناجائز ہو جاتا ہے) تو پھر ان مقدس ہستیوں کی شان میں کوئی ایسی بات کہنے سے گریز کیا جائے جس سے اُن میں سے کسی کی تنقیص اور تحقیر لازم آتی ہو۔

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

''اور اس پر بھی (سلف و خلف، متقدمین و متأخرین علمائے اُمت کا) اجماع و اتفاق ہے کہ) ان (صحابہ کرام ﷺ) کے درمیان پیش آنے والے مشاجرات میں خوض نہ کیا جائے، یا سکوت اختیار کریں، یا پھر اُن کی شان میں کوئی ایسی بات کہنے سے پرہیز کریں جس سے اُن میں سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو۔''

بہت سے محققین علماء نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام ﷺ کی باہمی لڑائیوں اور اختلافات کا بلا ضرورت شرعیہ ذکر

---

[1] (مقام صحابہ ﷺ: ص ۷۴، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

[2] (مقام صحابہ ﷺ: ص ۱۰۵، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

[3] (مقام صحابہ ﷺ: ص ۹۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

کرنا بھی حرام ہے کہ اس سے بعض صحابہ کرام ﷺ کے حق میں بدگمانی پیدا ہو جانے کا خدشہ معلوم ہوتا ہے جس کی تائید اس مشہور حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"میرے صحابہ ﷺ میں سے کوئی بھی مجھ تک کسی کی شکایت نہ پہنچائے، کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہاری طرف نکلوں تو سب کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو۔"[1]

لیکن علمائے اہل سنت نے جب یہ دیکھا کہ مشاجرات صحابہ ﷺ کے ان واقعات میں اہل روافض، نواصب اور اہل بدعت نے بہت سے فرضی اور جھوٹے قصے اپنی طرف سے گھڑ لئے ہیں اور وہ ان کے ذریعے عام اور سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان و اعمال صالحہ کے ساتھ ایک گھناؤنا کھیل کھیلنا شروع کر رہے ہیں تو اس وقت علمائے اہل سنت نے اپنے اوپر واجب اور ضروری سمجھا کہ وہ مشاجرات صحابہ ﷺ کے ان ثابت شدہ واقعات کی کوئی مناسب تاویل اور کوئی معقول توجیہ کریں تاکہ اس سے عام اور سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان و اعمال صالحہ کے بچاؤ کا کچھ سامان ہو سکے اور وہ لوگ زیغ و ضلال اور کج روی و بداعتقادی کی طرف پھسلنے سے محفوظ رہ سکیں، کیوں کہ ایسے پرخطر حالات و واقعات میں "مشاجرات صحابہ ﷺ" کے مسئلے میں "توقف" و "امساک" اور "کف لسان" کا حکم واجب نہیں رہتا بلکہ ناجائز ہو جاتا ہے۔

چنانچہ محدث جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

"وهذا مما لا ينافي أن يذكر أحد مجملاً أو معيناً بأن المحاربين مع عليٍّ ما كانوا من المخالفين، أو بأن معاوية وحزبه كانوا باغين، على ما دل عليه حديث عمار: ﴿تقتلك الفئة الباغية﴾ لأن المقصود منه بيان الحكم المميز بين الحق والباطل، والفاصل بين المجتهد المصيب والمجتهد المخطي مع توقير الصحابة وتعظيمهم جميعاً في القلب لرضا الرب."[2]

ترجمہ: اور یہ اُن چیزوں میں سے ہے جو اس بات کے منافی نہیں ہیں کہ کوئی آدمی مجمل یا معین طور پر اس بات کا ذکر کرے کہ حضرت علی کے ساتھ لڑنے والے اُن کے مخالفین

---

[1] "عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يبلغني أحد من أصحابي عن أحد شيئاً فإني أحب أن أخرج إليكم وأنا سليم الصدر." (سنن أبي داؤد: ٤/٢٦٥، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا، بيروت)

[2] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لملا علي القاري: ٨/٣٣٩٧، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان)

میں سے نہیں تھے، یا یہ کہ حضرت معاویہ ﷺ اور اُن کے ساتھی باغی تھے اُس بناء پر کہ جس پر حدیث عمار ﷺ کہ: "تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" دلالت کرتی ہے، کیوں اس سے محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر دل سے تمام صحابہ کرام ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا اور مجتہد مصیب و مجتہد مخطی کے درمیان فصل کرنے والا حکم بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"تنبيه اصرح أئمتنا وغيرهم في الأصول بأنه يجب الامساك عما شجر بين الصحابة رضي الله عنهم، فلا يشكل ذلك عليّ ماقدمته كما هو واضح من تفرق الخلف والسلف، وذكرهم جميع ما وقع بينهم وبيان ماصح بينهم مما لم يصح والكلام على معاني ماوقع لهم في فتنهم وحروبهم مما ظواهره مشكلة، واستباطهم أحكام البغاة وغيرهم مما وقع بينهم، وقد مر عن الشافعي رضي الله عنه أنه قال: أخذت أحكام البغاة والخوارج من مقاتلة علي لأهل الجمل والصفين وللخوارج، وكذا غير الشافعي رضي الله عنهم. وقد ذكر أئمتنا من الأصوليين وغيرهم شبه المبتدعة التي أخذوها تارة عن كذبهم عليّ عليٌّ وأصحابه وتارة عن بقية الصحابة ثم ردوها عن آخرها، حتى لم يبق لهم شبهة يستندون اليها ول احجة يعتمدون عليها. وبين أئمتنا المحدثون أن كثيرا مما نقل عنهم، اما كذب واما في سنده علة أو علل كما أشرت الى كثير من ذلك في هذا الكتاب بقولي رجاله ثقات أو رجال الصحيح أو فيهم ضعيف أو مجهول أو ارسال أو وقف أو نحو ذلك مما رأيته وستريٰ بقيته. انما المراد أنه لا يجوز لأحد أن يذكر شيئاً مما وقع بينهم يستدل به على بعض نقص من وقع له ذلك والطعن في ولايته الصحيحة، أو ليغري العوام على سبهم وثلبهم

ونحو ذلک من المفاسد ، ولم يقع ذلک الا للمبتدعة وبعض جهلة النقلة الذين ينقلون كل مارأوه ويتركونه علي ظاهره ، غير طاعنين في سنده ولا مشيرين لتأويله وهذا شديد التحريم لما فيه من الفساد العظيم وهو اغراء العامة ومن في حكمهم علي تنقيص أصحاب رسول الله صلي الله عليه وسلم الذين لم يقم الدين الا بنقلهم الينا كتاب الله وما سمعوه وشاهدوه من نبيه من سنته الغراء الواضحة البيضاء ، وما بينوه لنا من الأحكام التي لا يحيط بها سواهم ، لتميزهم بالبرهان والعيان فرضي الله عنهم وأرضاهم وجزاهم عن الاسلام والمسلمين خير جزاء . وبالجملة اما ذكره لبيان الحق فيه علي مقتضي الواقع بحسب ماقضت به الأدلة واجراته علي قواعد أهل السنة فهو من آكد الواجبات وأجل الطلبات لأنه يعلم به نزاهتهم وبرأتهم كيف وكلهم علي هدي من ربهم ."[1]

ترجمہ: تنبیہ! مشاجرات صحابہ ﷺ کا ذکر بلا ضرورت ناجائز ہے! ہمارے ائمہ اصول نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام ﷺ میں باہم جو لڑائیاں ہوئی ہیں ان کا ذکر نہ کرنا چاہیے، اور اگر کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ تم نے کیوں ان واقعات کو بیان کیا ہے، اس لئے کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ صحیح واقعات کر کے اُن سے صحیح نتائج اخذ کریں، انہیں لڑائیوں سے ہمارے ائمہ نے باغیوں کے احکام حاصل کئے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے باغیوں اور خروج کرنے والوں کے احکام حضرت علی کی لڑائیوں سے جو اہل جمل وصفین اور خوارج سے ہوئیں حاصل کئے ہیں۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور علماء نے بھی لکھا ہے۔

ہمارے ائمہ اصول نے "بدعتی" لوگوں کے اعتراضات بھی نقل کئے ہیں، جن میں

---

[1] (تطهير الجنان واللسان عن الخطور والفوه بثلب معاوية بن أبي سفيان : ص ۳۱ ، الناشر : مكتبة الحقيقة شارع ۵۷ الشقلة فاتح ۵۷ استنبول تركي)

اُنہوں نے حضرت علی ؓ اور دوسرے صحابہ ؓ پر افتراء پردازیاں کی ہیں، اُن اعتراضات کو نقل کر کے اُن پر ایسا رد کیا ہے کہ کسی اعتراض میں کچھ جان باقی نہ رہی۔ ہمارے ائمہ محدثین نے بیان کیا ہے کہ اکثر و بیشتر باتیں جو ان لڑائیوں کے متعلق منقول ہیں یا تو سرے سے ہی جھوٹی، یا پھر اُن کی سند میں کوئی خرابی ہے، جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں اکثر حدیثوں کے بارے میں بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ کی باہمی لڑائیاں اس طرح بیان نہیں کرنی چاہئیں کہ جس سے کسی پر الزام عائد ہو یا عوام کو اُن کے متعلق کسی بدگوئی کا موقع ملے۔ بعض جاہل لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ دیکھ (سن) لیتے ہیں اُسے (بلا تحقیق آگے) نقل کر دیتے ہیں، نہ سند پر غور کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث کا صحیح مطلب بیان کرتے ہیں، اس سے فساد پھیلتا ہے اور عوام کو صحابہ کرام ؓ کو برا بھلا کہنے کا موقع ملتا ہے۔ صحابہ ؓ کی شان یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو ہم تک پہنچایا اور اسی وجہ سے دین اسلام قائم ہے اور جو روشن سنت اُنہوں نے اپنے نبی سے سنی یا دیکھی وہ ہم تک پہنچا دی اور وہ احکام کہ جن کا علم ان کے سوا کسی دوسرے کو نہ ہو سکتا تھا ہم کو سکھلا گئے، پس اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو اور اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے انہیں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

مختصر یہ کہ جو میں نے ذکر کیا ہے واقع کے مطابق محض اظہار حق کے لئے ذکر کیا ہے اور اہل سنت کے قواعد کے مطابق ذکر کیا ہے، ایسا ذکر کرنا اہم واجبات اور اشد ضروریات میں سے ہے، کیوں کہ اس سے صحابہ ؓ کی پاکیزگی اور صفائی ظاہر ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ تمام صحابہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر تھے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علم عقائد کے مشہور عالم علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی) لکھتے ہیں:

" ذكر كثير من المحققين أن ذكره حرام مخافة أن يؤدي الى سوء الظن ببعض الصحابة ويعضده الحديث المرفوع ﴿ لا يبلغني أحد من اصحابي عن أحد شيئاً فاني احب أن اخرج اليكم وانا سليم الصدر ﴾ رواه ابو داؤد من حديث ابن مسعود ... وانما اضطر أهل السنة الى ذكر تلك

القصص، لأن المبتدعة اخترعوا فيها مفتريات وأكاذيب، حتى ذهب بعض المتكلمين الى أن روايات التشاجر كلها كذب ونعم القول هو الا أن بعضها ثابت بالتواتر وأجمع أهل السنة والجماعة على تأويل مانبت منها تخليصاً للعامة عن الوساوس والهواجس وأما ما لم يقبل التأويل فهو مردود فان فضل الصحابة وحسن سيرتهم وابائهم الحق ثابت بالنصوص القاطعة واجماع أهل الحق فكيف يعارضه رواية الأحاد سيما من الروافض المتعصبة الكذابين۔"[1]

ترجمہ: بہت سے محققین نے ذکر کیا ہے کہ "مشاجرات صحابہ ﷺ" کا تذکرہ حرام ہے، اس لئے کہ اس سے بعض صحابہ ﷺ سے بدگمانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اس کی تائید اس مرفوع حدیث سے ہوتی ہے (جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا) کہ: "میرے صحابہ ﷺ میں سے کوئی بھی مجھ تک کسی کی شکایت نہ پہنچائے، کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہاری طرف نکلوں اور میرا سینہ (سب کی طرف سے) صاف ہو۔ (رواہ ابو داؤد من حدیث بن مسعود) اہل سنت کو ان واقعات کا تذکرہ مجبوری کی بناء پر اس لئے کرنا پڑا کہ اہل بدعت نے ان میں سے بہت فرضی اور جھوٹے افسانے گھڑ لئے تھے، حتی کہ بعض متکلمین نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "مشاجرات صحابہ ﷺ" سے متعلق تمام قسم کی روایات جھوٹ کا پلندہ ہیں، متکلمین کا یہ قول ہے تو بہت اچھا لیکن (چوں کہ) بعض روایات تواتر سے ثابت ہیں (اس لئے ان کا انکار ممکن نہیں) اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ ان میں سے جو واقعات ثابت ہیں ان کی مناسب تاویل کی جائے تاکہ عوام کو وساوس اور شبہات سے بچایا جاسکے اور جو واقعات تاویل کے لائق نہ ہوں تو وہ مردود ہیں، اس لئے کہ صحابہ کرام ﷺ کی فضیلت، اُن کی حسن سیرت اور اُن کا حق کی اتباع کرنا نصوص قطعیہ اور اجماع اہل حق سے ثابت ہے، پس روایات آحاد بالخصوص متعصب اور جھوٹے رافضیوں کی روایات ان قطعی روایات کے معارض

---

[1] (العاقبة عن محض أبو الموحين معاوية: ص ۵، الناشر: مكتبة الحقيقة، شارع دار الشفقة فاتح ۵۷ استنبول ترکی)

کیسے ہو سکتی ہیں؟۔ (ترجمہ ختم)

اس تمام تر تفصیل سے معلوم ہوا کہ "مشاجرات صحابہ ؓ" میں "توقف" و "امساک" اور "کف لسان" کے وجوب کا حکم مطلق نہیں، بلکہ یہ بعض مخصوص غیر ضرورت شرعیہ وشدیدہ مواقع کے ساتھ مقید ہے، البتہ بعض مخصوص مواقع میں ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی بناء پر اس مسئلے میں "توقف" و "امساک" اور "کف لسان" کا حکم واجب کا نہیں رہتا بلکہ ناجائز کا ہو جاتا ہے، اور ایسے مواقع میں "توقف" و "امساک" اور "کف لسان" نہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

نیز "مشاجرات صحابہ ؓ" کے مسئلے میں ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی بناء پر صحابہ کرام ؓ کے مقام ومرتبہ کی پاس داری اور اُس کا لحاظ رکھتے ہوئے اُن میں سے کسی ایک کی "تصویب" اور دوسرے کے "تخطیہ" پر موجود اسلاف کی عبارات نقل کرنا، اسی طرح اس مسئلے میں منقول شدہ روایات کا کسی کتاب میں ایک جگہ جمع کرنا بشرطیکہ اس سے کسی کا مقصد طعن وتنقید نہ ہو "نقد" نہیں کہلاتا، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کے کئی اکابر مفسرین ومحدثین، اور مؤرخین وغیرہ حضرات نے "مشاجرات صحابہ ؓ" سے متعلق مختلف قسم کی روایات کو اپنی اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے۔

"مجتہد مخطی" حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے بھی "مخطی" ہوتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ اجتہادی اختلافات پر تو حقیقت نفس الامری میں بھی گناہ یا خطاء کا اطلاق نہیں ہو سکتا، کیونکہ "مجتہد مخطی" بہر صورت ماجور ہوتا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"..... یہ بھی ملحوظ رہے کہ "کف لسان" کا حکم بھی اُن خطاؤں کے بارے میں دیا گیا ہے جو فی الواقع خطائیں سمجھی جاتی ہیں، جیسے حضرت ماعز ؓ، امرأۃ غامدیہ رضی اللہ عنہا حضرت حسان ؓ، حضرت مسطح ؓ، سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حاطب ؓ وغیرہم کے واقعات ہیں۔ جب کہ مشاجرات اور اجتہادی اختلافات پر تو حقیقت نفس الامری میں بھی گناہ یا خطاء کا اطلاق نہیں ہو سکتا، کیونکہ "مجتہد مخطی" بہر صورت ماجور ہوتا ہے....."[1]

جی ہاں! "مجتہد مخطی" حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے بھی "مخطی" ہوتا ہے!

لیکن اللہ اپر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے تو یہاں پر "خطائے اجتہادی" کو حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے

---

[1] بوادی حاجہ ؓ کے ناقدین، ص ۱۷۰

سے "خطاء" ماننے سے انکار کر دیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ چوں کہ "مجتہد مخطی" عند اللہ ماجور ہوتا ہے، اس لئے حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے لفظ "خطاء" کا اطلاق "مجتہد مخطی" پر ہو ہی نہیں سکتا، حالاں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں، بلکہ حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے لفظ "خطاء" کا اطلاق "مجتہد مخطی" پر ہو سکتا ہے، اس لئے کہ جب دو مجتہد اجتہاد کرتے ہوئے باہم دو متضاد موقف اختیار کرتے ہیں تو لازماً ان میں سے ایک مجتہد "مصیب" اور دوسرا "مخطی" ہوتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دونوں مجتہد اپنے اپنے متضاد اجتہاد میں "مصیب" ہی ہوں، یا دونوں "مخطی" ہی ہوں، بلکہ لازماً ان میں سے ایک "مصیب" اور دوسرا "مخطی" ہوتا ہے۔

ایک مثال:

اس کی ایک عام اور سادہ سی مثال جو اکثر کتب فقہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص اندھیری رات میں چند لوگوں کی امامت کروا رہا ہے اور اُس نے تحری کر کے اپنے لئے قبلہ کی ایک جہت مثلاً مشرق متعین کی ہے، اور اس کے پیچھے والوں نے تحری کر کے کسی دوسری جہت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی، اور وہ یہ نہیں جانتے کہ امام نے منہ کس طرف کیا ہوا ہے؟ تو اس صورت میں ان سب کی نماز ادا ہو جائے گی۔

چنانچہ علامہ برہان الدین المرغینانی صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

"ومن أم قوماً في ليلة مظلمة، فتحري القبلة وصلى إلى المشرق وتحرى من خلفه فصلى كل واحد منهم إلى جهة وكلهم خلفه ولا يعلمون ما صنع الامام أجزاهم."[1]

ترجمہ: اور جس شخص نے اندھیری رات میں کسی قوم کی امامت کی، اور قبلہ کی تحری کی اور مشرق کی کی طرف نماز پڑھ لی، اور اس کے پیچھے والوں نے (قبلہ کی) تحری کی اور ان میں سے ہر ایک نے (علیحدہ) جہت کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھی، حالاں کہ یہ سب اس امام کے پیچھے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ امام نے کس طرف منہ کیا ہوا ہے؟ تو ان سب کی نماز ادا ہو جائے گی۔ (ترجمہ ختم)

ایسی صورت میں نماز کا اجر سب کو ملے گا اور کوئی ایک بھی گناہ گار نہ ہوگا، لیکن اس کے باوجود کوئی یہ نہیں کہہ

---

[1] الهداية شرح بداية المبتدي المرغيناني (۱/ ۴۷، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

سکتا کہ سب کی جہت قبلہ درست تھی۔

پس اسی طرح جب کسی مسئلہ میں دو مجتہد اجتہاد کرتے ہوئے متضاد موقف اختیار کرتے ہیں تو لازماً ان میں سے ایک مجتہد "مصیب" اور دوسرا "مخطی" ہوتا ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دونوں مجتہد اپنے اپنے اجتہاد میں "مصیب" ہی ہوں، یا دونوں "مخطی" ہی ہوں۔

صاحب شریعت کا کسی "مجتہد مخطی" سے عفو و درگزر کا معاملہ فرما کر اُسے اجر واحد کا مستحق ٹھہرانا مآل کار، ثواب آخرت کے اعتبار سے ہے، حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے اُس کے "مجتہد مصیب" ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے۔

یا بالفاظ دیگر صاحب شریعت نے "مجتہد مخطی" کے لئے اجر واحد کا اعلان اس لئے کیا ہے کہ اس نے ایک نیک مقصد اور ایک نیک کام میں حتی المقدور اپنی طاقت بشریہ کو کھپایا اور اس میں جدوجہد اور محنت سے کام لیا ہے اگرچہ وہ ایک صحیح اور درست سمت کی طرف رہنمائی حاصل نہ کر سکا۔ اس لئے نہیں کہ اُس کا یہ اجتہاد حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے بھی صحیح اور درست ہے۔

پس ثابت ہوا کہ "مجتہد مخطی" کا اپنی "خطائے اجتہادی" کے باوجود اجر واحد کا مستحق ہونا اور چیز ہے اور اس "اجر واحد" کے مستحق ہونے کے باوجود اس کا حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے "مخطی" ہونا اور چیز ہے۔

لہٰذا "مجتہد مخطی" کے لئے اجر واحد کے استحقاق کے اعلان کو علت بنا کر حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے اس کو "مجتہد مصیب" قرار دینا بعید از قیاس استدلال اور فقہ اسلامی کی مبادیات سے جہالت اور لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

کیا "خطائے اجتہادی" عنداللہ قابل گرفت ہے؟

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

..... "یہ الگ بات ہے کہ حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کے ایک عقیدت مند اور ان کے جلیل القدر خلیفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کے دارالافتاء و التحقیق کے معین مفتی شعیب احمد صاحب حضرت معاویہ کی "خطائے اجتہادی" کو دنیا میں بھی "قابل گرفت" سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اصل بات یہ ہے کہ یہاں'' اللھم اجعلہ ھادیاً ..... '' دُعاء ہدایت کی ہے اور ہدایت ضلالت و گمراہی کے منافی ہے، اجتہادی خطاء کو شامل نہیں، چنانچہ صفین کا واقعہ بتصریح اہل سنت اُن کی اجتہادی خطاء پر مبنی تھا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر ؓ حضرت علی ؓ کے لشکر میں تھے اور حضرت معاویہ ؓ کے لشکر نے اُن کو شہید کیا تھا، ان کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: '' تقتلک الفئۃ الباغیۃ '' (تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی) چوں کہ ان کو حضرت معاویہ ؓ کی فوج نے قتل کیا تھا اس لئے وہ باغی جماعت تھی اور شریعت کی اصطلاح میں ''باغی'' وہ ہوتا ہے جو امام برحق کے خلاف خروج کرے، اگرچہ خروج کا فیصلہ اجتہاد ہی سے کیا ہو، چوں کہ حضرت معاویہ ؓ صحابی تھے اور فقیہ تھے یعنی بڑے آدمی تھے اس لئے ان کی ''گرفت'' دنیا ہی میں ہوئی کہ ان کو ''باغی'' کہا گیا اور یہ اس وجہ سے کہ تم لوگ تو علم و عقل والے اور مرتبے والے تھے، فیصلہ کرنے میں مزید غور و فکر کیوں نہیں کیا؟''[1]

اس عبارت میں ''معین'' مفتی صاحب کی طرف سے ۲۰۱۲ء میں ''حدیث عمار'' کی بناء پر حضرت معاویہ کے خلاف جو توہین آمیز موقف پیش کیا گیا وہ قدرے مزید شدت کے ساتھ صدر مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ۲۰۰۸ء میں پیش کر چکے ہیں، چنانچہ وہ اپنے ایک مضمون ''مولانا طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیاں اور اُن کا جواب'' میں فرماتے ہیں کہ: ''..... اجتہاد کی غلطی کی اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی جانب سے نشان دہی کر دی جائے تو صرف اُسی وقت وہ یقینی طور پر ''خطاء'' ہوگی، جیسا کہ حضرت معاویہ کے بارے میں رسول اللہ نے حضرت عمار بن یاسر کو بتایا کہ: '' تقتلک الفئۃ الباغیۃ '' (یعنی تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔)

شریعت کی نظر میں ''باغی'' اُس کو کہتے ہیں جو امام حق کے خلاف ناحق خروج کرے، اگرچہ اس کی بنیاد اجتہاد پر ہو، حضرت معاویہ ؓ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر حضرت

---

[1] (یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزی کی نظر میں، ص ۱۴۰، مطبوعہ شاہ فیصل اکادمی لاہور)

علی ؓ کے خلاف خروج کیا اور حدیث نے بتایا کہ وہ امام حق کے خلاف ناحق تھا لہٰذا حضرت معاویہ ؓ کے اجتہاد کا "خطاء" ہونا ہمیں معلوم ہو گیا۔

خلفائے اربعہ کے کسی اجتہاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایسی کئی (کوئی، از: راقم الحروف) تصریح تو کیا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ ان کا اجتہاد اللہ اور اُس کے رسول کی نظر میں پسندیدہ نہیں تھا۔"[1]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں کہ:

"اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ پیش آ گیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر ؓ جو حضرت علی کی فوج میں شامل تھے حضرت معاویہ ؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمار ؓ کے متعلق نبی ﷺ کا یہ ارشاد صحابہ ؓ میں معروف و مشہور تھا اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضور ﷺ کی زبان سے سُنا تھا کہ: "تقتلک الفئة الباغية" (تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا)۔"[2]

صدر مفتی جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کا حدیث عمار ؓ کی رُو سے حضرت معاویہ ؓ کو یقینی طور پر "خطاء کار" ثابت کرنا جہاں "مشاجرات صحابہ ؓ" کے بارے میں شرعی حکم سے تجاوز ہے وہیں نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر ایک عظیم "بہتان" بھی ہے، موصوف کی اس ناروا "جسارت" پر سخت تعجب ہے۔

حدیث عمار ؓ کے حوالے سے صدر مفتی جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب اور معین مفتی شعیب احمد صاحب کے غلط استدلال اور حضرت معاویہ ؓ پر "فردِ جرم" کے جواب کا یہ موقع نہیں ہے۔ تفصیل کے خواہش مند راقم الحروف کی کتاب "سیدنا معاویہ ؓ پر اعتراضات کا علمی جائزہ" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

---

[1] (ماہنامہ "حق چار یار"، ص ۳۸، جون ۲۰۰۸ء)

[2] (الخلافۃ والملوکیت، ص ۱۳۶، ناشر: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

اگر ان مفتیان کرام کی "توضیح" کے مطابق "حدیث عمار کی رو سے حضرت معاویہ ﷺ کو یقینی طور پر باغی، خطا کار اور اور دُنیا میں ہی قابل گرفت قرار دے دیا جائے تو.....

حدیث عمار ﷺ کے چار صحابی راویوں سمیت کثیر صحابہ ﷺ قتل عمار ﷺ کے بعد بھی کیوں غیر جانب دار رہے؟ نیز دو صحابی راویوں سمیت دیگر ہزاروں صحابہ ﷺ و تابعینؒ نے حضرت معاویہ ﷺ کی حمایت کیوں جاری رکھی؟ بلکہ خود حضرت علی ﷺ نے اس "نص صریح" کے باوجود جنگ بندی اور تحکیم کیوں قبول فرمائی؟۔

غلو عقیدت، مسلکی مصلحت اور شخصیت پرستی کے خول سے نکل کر کتاب و سنت کی روشنی میں قرآنی شخصیات یعنی صحابہ کرام بالخصوص حضرت معاویہ کے بارے میں فیصلہ کیا جائے کہ کیا کسی بھی غیر صحابی بزرگ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان کی توہین، تنقیص اور تخلیہ کرتا پھرے؟۔"[1]

حضرت معاویہ ﷺ کے "مجتہد مخطی" اور "غیر مجتہد مخطی" کی بحث:

اس بارے میں بنیادی بات تو یہ عرض ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ کے حضرت علی ﷺ کے خلاف ناحق خروج کو بعض علماء نے حدیث عمار: "تقتلک الفئة الباغية" کی رُو سے ان کی "خطائے اجتہادی" ماننے سے ہی صاف انکار کر دیا ہے۔ اس لئے کہ جب حضرت عمار ﷺ کی شہادت حضرت معاویہ ﷺ کی جماعت کے ہاتھوں ہوگئی اور حدیث عمار ﷺ کا مصداق حضرت معاویہ ﷺ اور ان کی جماعت کا نام خوب اچھی طرح واضح ہو کر سامنے آگیا تو اس کے بعد بھی حضرت معاویہ ﷺ کا حضرت علی ﷺ کے ساتھ برابر قتال جاری رکھنا اور مسلسل لڑتے رہنا حق سے اعراض اور باطل پر اصرار کرنے کے مترادف ہے۔

چنانچہ علامہ شوکانی "نیل الاوطار" میں لکھتے ہیں:

" ..... و يبعد ذلک طل البعد ولا سيما في حق من عرف منهم الحديث الصحيح انها تقتل عماراً ألفئة الباغية" فان اصراره بعد ذلک علي مقاتلة من كان معه عمار معاندة للحق وتمادٍ في الباطل كما لا يخفي

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین ص ۱۷۔۱۹)

لايخفى على منصف ."[1]

ترجمہ: اور یہ بات (کہ دین کے بجائے دنیا حاصل کرنے کی خاطر ایک دوسرے سے لڑنا) خصوصاً ان لوگوں (لشکر معاویہ ﷺ) سے بہت زیادہ بعید ہے جو اس صحیح حدیث سے خوب اچھی طرح واقف تھے کہ: "حضرت عمار ﷺ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی" کیوں کہ اس کے بعد بھی اس جماعت کا اُن لوگوں کے ساتھ باہم قتل وقتال پر مصر رہنا کہ جس میں حضرت عمار ﷺ ہیں حق سے اعراض اور باطل پر ڈٹے رہنے کے مترادف تھا۔ جیسا کہ ہر ایک منصف مزاج شخص کو معلوم ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" وقال الكرماني : علي ومعاوية رضي الله عنهما كلاهما كانا مجتهدين. غاية مافي الباب أن معاوية كان مخطئاً في اجتهاده ونحوه انتهى. قلت: كيف يقال كان معاوية مخطئاً في اجتهاده ، فما كان الدليل في اجتهاده وقد بلغه الحديث الذي قال : ويح ابن سمية تقتله الفئة الباغية وابن سمية هو عمار بن ياسر وقد قتله فئة معاوية ."[2]

ترجمہ: علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ (اس معاملہ میں) دونوں مجتہد تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ "مجتہد مخطی" تھے (اور حضرت علی ﷺ "مجتہد مصیب" تھے۔) میں کہتا ہوں کہ (اس معاملہ میں) حضرت معاویہ ﷺ کو مجتہد مخطی کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اور اُن کے اجتہاد کے بارے میں کیا دلیل ہے؟ حالاں کہ انہیں یہ حدیث معلوم ہے کہ "ابن سمیہ پر افسوس ہے کہ اُسے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" اور ابن سمیہ سے مراد حضرت عمار ﷺ ہیں جنہیں حضرت معاویہ ﷺ کی جماعت نے قتل کیا تھا۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] نيل الأوطار للشوكاني : ۱۲۲/۷ ، الناشر : دار الطباعة المنيرية)

[2] عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني : ۱۹۲/۲٤ ، الناشر : دار احياء التراث العربي (بيروت)

اگر چہ جمہور اہل سنت حضرت معاویہ ؓ کو "مجتہد مخطی" کہتے ہیں، مگر "خطاء" کی نوعیت کو "بغاوت" سے تعبیر کرنے پر وہ بھی متفق ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ یہ حضرات اور ان جیسے بعض دوسرے علماء حدیث عمار ؓ کے مصداق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی حضرت معاویہ ؓ کی جماعت کا حضرت علی ؓ کی جماعت کے ساتھ برابر قتال کرتے رہنے کو حضرت معاویہ ؓ کی غیر اجتہادی (بشری) خطا قرار دیتے ہیں اور بشری خطا کے صادر ہونے کے نتیجے میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر صحابہ کرام ؓ کو دُنیا ہی میں سزا دے کر انہیں گناہوں اور کدورتوں سے پاک صاف کر دیا تھا اسی طرح حضرت معاویہ ؓ کو بھی اس بشری اور غیر اجتہادی خطا کے صادر ہونے کے باعث "باغی" کہہ کر انہیں بھی اس گناہ سے دُنیا ہی میں پاک اور صاف کر دیا ہے۔

لہٰذا اب اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو مفتی شعیب احمد صاحب کی یہ تحقیق کہ

"حضرت معاویہ ؓ کی گرفت دُنیا ہی میں ہوئی کہ اُن کو "باغی" کہا گیا"

اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست معلوم ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ باغی کا اطلاق حضرت معاویہ ؓ پر کسی اور نے نہیں کیا بلکہ خود شارع علیہ السلام نے کیا ہے، اس لئے باغی پر کیا الزام عائد ہو سکتا ہے، جب کہ وہ عناداً نہیں بلکہ ایک شرعی مسئلہ کی وضاحت کے لئے ایسا کر رہا ہے۔

حدیث عمار ؓ کی رُو سے حضرت معاویہ ؓ اپنے اجتہاد میں مخطی تھے!

اور جہاں تک صدر مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے حدیث عمار ؓ کی رو سے حضرت معاویہ ؓ کو "باغی" ثابت کرنے کے مذکورہ بالا استدلال کا تعلق ہے تو اس میں یہ دونوں حضرات تنہا نہیں ہیں، بلکہ یہ تو جمہور علمائے اہل سنت کا ایک اجماعی موقف ہے کہ حدیث عمار ؓ تقتلک الفئة الباغية ؓ کی رُو سے حضرت علی ؓ کی جماعت کا حق پر ہونا اور حضرت معاویہ ؓ کی جماعت کا خطاء پر ہونا ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ جس سے کوئی بھی منصف مزاج شخص انکار نہیں کر سکتا۔

۱۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وفي قوله صلي الله عليه وسلم: تقتل عماراً الفئة الباغية دلالة

واضحة علىٰ أن عليا ومن معه كانوا علىٰ الحق وأن من قاتلهم كانوا مخطئين في تاويلهم . والله اعلم ."[1]

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کے اس قول: "عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی" میں اس بات پر واضح دلالت موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی حق پر تھے اور ان کے قتال کرنے والے اپنی تاویل میں خطی تھے۔ واللہ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

۲-اسی طرح امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" فتقرر عند علماء المسلمين ، وثبت بدليل الدين أن عليا رضي الله عنه كان اماماً ، وأن كل من خرج عليه باغ ، وأن قتاله واجب ، حتى يفيء الىٰ الحق ، وينقاد الىٰ الصلح ."[2]

ترجمہ: پس مسلمانوں کے علماء کے نزدیک دین کی دلیل سے ثابت ہوگیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ امام (خلیفہ راشد) تھے، اور جس نے بھی اُن کے خلاف خروج کیا ہے وہ باغی ہے، اور اُس سے قتال واجب ہے، یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے، اور صلح کرنے پر رضامند ہو جائے۔ (ترجمہ ختم)

۳-اسی طرح علامہ ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

" فقد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أنذر بخارجة تخرج من طائفتين من أمة يقتلها أولى الطائفتين بالحق ، فكان قاتل تلك الطائفة علي رضي الله عنه فهو صاحب الحق بلا شك . وكذلك أنذر عليه السلام بأن عماراً تقتله الفئة الباغية فصح أن علياً هو صاحب الحق . وكان علي السابق الىٰ الامامة فصح بعد أن صاحبها وأن من نازعه فيها فمخطيء فمعاوية مخطيء ماجور مرة ، لأنه مجتهد ولا حجة في خطأ المخطيء ."[3]

---

[1] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني: ۶۱۹/۶، الناشر: دار المعرفة، بيروت، لبنان)

[2] (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي: ؟)

[3] (الفصل في الملل والأهواء والنحل لابن حزم الظاهري: ۷۳/۴، الناشر: مكتبة الخانجي، القاهرة)

ترجمہ: چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے ایک صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے اپنی اُمت کی دو جماعتوں میں سے خروج کرنے والی جماعت کو اس بات سے آگاہ کیا کہ حق سے زیادہ قریب دوسری جماعت ان سے قتال کرے گی۔ پس اس برحق جماعت کے قتال کرنے والے حضرت علی ؓ ہیں اور بلاشک وریب صاحب حق ہیں۔ اسی طرح آپ نے اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ عمار ؓ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، پس ثابت ہوا کہ حضرت علی ؓ ہی صاحب حق ہیں۔ اور حضرت علی ؓ پہلے خلیفہ بنے تھے تو اس کے بعد ثابت ہوا کہ آپ خلافت کے اہل تھے، اور جنہوں نے آپ سے اس بارے میں جھگڑا کیا تو وہ خطی ہیں پس حضرت معاویہ ؓ بھی خطی ہیں (اور) اجر واحد کے مستحق ہیں۔ (ترجمہ ختم)

۴۔ اسی طرح علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۱۰۳۱ھ) میں لکھتے ہیں:

" (ويح عمار) بالجر على الاضافة وهو ابن ياسر (تقتله الفئة الباغية) قال القاضي في شرح المصابيح: يريد به معاوية وقومه ..... الخ و هذا صريح في بغي طائفة معاوية الذين قتلوا عماراً في وقعة صفين وأن الحق مع علي."[1]

ترجمہ: (افسوس! عمار ؓ کو) لفظ عمار اضافت کی بناء پر مجرور ہے۔ اور یہ یاسر کے بیٹے ہیں۔ (ایک باغی جماعت قتل کرے گی) قاضی نے مصابیح کی شرح میں کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہ ؓ کی جماعت کے باغی ہونے کے بارے میں صریح ہے، جنہوں نے واقعہ صفین میں حضرت عمار ؓ کو قتل کیا تھا اور اس بارے میں بھی صریح ہے کہ اس واقعہ میں حق حضرت علی ؓ کے ساتھ تھا۔ (ترجمہ ختم)

۵۔ اسی طرح علامہ محمد بن علی الاثیوبی الولوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وفي ..... قوله صلى الله عليه وسلم: تقتل عماراً الفئة الباغية دلالة واضحة على أن عليا رضي الله عنه ومن معه كانوا على الحق وأن من قاتلهم

---

[1] فيض القدير شرح جامع الصغير للمناوي: ۶/۳۶۵، الناشر: المكتبة التجارية الكبرى (مصر)

كانوا مخطئين في تأويلهم . والله تعالىٰ أعلم ."[1]

ترجمہ: اور آنحضرت ﷺ کے اس قول: "عمار رضی اللہ عنہ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" اس بات پر واضح دلالت موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی حق پر تھے اور اُن سے لڑنے والے اپنی تاویل میں خطاء پر تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ترجمہ ختم)

۶۔ اسی طرح علم عقائد کے مشہور محقق علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

"ان أهل السنة اجمعوا علىٰ أن من خرج علىٰ علىٍّ كرم الله وجهه خارج علىٰ الامام الحق ، الا أن هذا البغي الاجتهادي معفو عنه ."[2]

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا ہے تو اُنہوں نے ایک امام برحق کے خلاف ناحق خروج کیا ہے (اور اسے بغاوت کہا جاتا ہے) مگر چوں کہ یہ بغاوت اجتہاد شرعی کے نتیجہ میں تھی اس لئے ان حضرات کے حق میں یہ معاف ہے۔ (ترجمہ ختم)

۷۔ اسی طرح شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں:

"..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چوں کہ نہایت مضبوط دلائل سے منعقد ہو چکی تھی، اس لئے حضرت عائشہؓ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کے خلاف قتال کرنا بلاشبہ غلط تھا، اور ذیلی احکام کے اعتبار سے بغاوت کے ذیل میں آتا تھا، جو نفس الامر کے لحاظ سے گناہ کبیرہ یعنی فسق ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اُن سے جنگ لڑنا جائز اور برحق تھا۔ لیکن چوں کہ حضرت عائشہؓ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، دونوں سے یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت یا بغض کی وجہ سے نہیں، بلکہ شبہ اور تاویل کی بناء پر صادر ہوا تھا، اور بہر حال وہ بھی اپنے پاس دلائل رکھتے تھے، جو غلط فہمی پر مبنی سہی، لیکن دیانت دارانہ تھے، اس لئے اُخروی احکام کے اعتبار سے ان کا یہ عمل اجتہادی غلطی کے ذیل میں آتا ہے۔

---

[1] [illegible] في شرح المحلي ، ۱۲۷/۲۳ ، الناشر : دار المعراج الدولية للنشر ، و دار آل بروم للنشر والتوزيع)

[2] النبراس في شرح شرح العقائد للفرهاروي ، ص ۳۸ ، تحت الجواب التاسع ، الناشر : المكتبة الحقيقة ، استنبول ، تركي)

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ذبیحہ پر جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ کر اسے مار دینا اور پھر اسے کھانا دلائل قطعیہ کی بناء پر گناہ کبیرہ ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اجتہاد سے اسے جائز سمجھا ہے، اس لئے اگر کوئی شافی المسلک انسان اسے کھالے تو اس کا یہ عمل دلائل شرعیہ کی رُو سے گناہ کبیرہ اور فسق ہے، لیکن چوں کہ وہ نہایت دیانت دارانہ اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوا، اس لئے اس شخص کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح کسی امام برحق کے خلاف بغاوت کرنا گناہ کبیرہ اور فسق ہے، لیکن ..... اگر کوئی شخص جو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو، اپنے دیانت دارانہ اجتہاد کی رُو سے اسے جائز سمجھتا ہو، تو اس کی بناء پر وہ فاسق نہیں ہوتا، بلکہ اس کی غلطی کو خطائے اجتہادی کہا جاتا ہے۔"[1]

پس معلوم ہوا کہ ان دونوں حضرات مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کا استدلال اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے، اور علمائے اہل سنت والجماعت کی ترجمانی میں ان کے معتدل اور مبنی بر حقیقت نظریئے کے عین موافق ہے۔

کیا کسی "مجتہد مخطی" کا یقینی طور پر "تخطیہ" کیا جاسکتا ہے؟:

باقی رہی بات کسی مجتہد کا یقینی طور پر "تخطیہ" کرنے کی تو بقول صدر مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کے کہ:

"اجتہادی غلطی کی اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے نشان دہی کر دی جائے تو صرف اسی وقت وہ یقینی طور پر خطاء ہوگی۔"

جیسا کہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ میں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس سے یہ بات ہرگز لازم نہیں آتی کہ اس سے اس مجتہد مخطی کی کسی طرح توہین یا تنقیص ثابت ہوتی ہے۔ اگر علمائے اسلام کسی مجتہد کا یقینی طور پر کسی دلیل شرعی کی بناء پر "تخطیہ" کریں تو یہ اس کی توہین یا تنقیص کو مستلزم نہیں، اس لئے کہ بسا اوقات بعض شرعی ضروریات کی بناء پر صحیح مسئلے کا سراغ لگانا لازم ہوتا ہے اور کسی دلیل شرعی یا قرینہ کے پائے جانے کی صورت میں اصل مسئلہ واضح ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد یقینی طور پر اگر کسی "مجتہد مخطی" کا "تخطیہ" کرنا پڑ جاتا ہے تو اس سے اس مجتہد کی توہین یا تنقیص ہرگز ثابت نہیں ہوتی، اس لئے کہ علمائے اہل سنت نے وہ کیا جو ان پر واجب تھا، جب کہ مجتہد مخطی اپنی اس خطائے اجتہادی

[1] (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، ص ۲۶۲، ۲۶۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی)

کے باوجود عنداللہ مغفور و ماجور اور مستحق ثواب ہوتا ہے۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا اعتراض:

حدیث عمار ﷺ ﴿تقتلک الفئة الباغية﴾ کی رو سے حضرت معاویہ ﷺ کے یقینی طور تخطیہ کرنے پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ:

> ''حدیث عمار کے چار صحابی ﷺ راویوں سمیت کثیر صحابہ قتل عمار کے بعد بھی کیوں غیر جانب دار رہے؟ نیز دو صحابی ﷺ راویوں سمیت دیگر ہزاروں صحابہ ﷺ و تابعین نے حضرت معاویہ ﷺ کی حمایت کیوں جاری رکھی؟ بلکہ خود حضرت علی ﷺ نے اس ''نص صریح'' کے باوجود جنگ بندی اور تحکیم کیوں قبول فرمائی؟''
>
> (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین: ص ۱۸)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اعتراض کا جواب:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جنگ صفین میں حدیث عمار ﷺ کے راویوں میں سے صرف چند ایک افراد شامل تھے۔ اکثر راوی مثلاً حضرت ابو سعید خدری، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما وغیرہما موجود نہ تھے۔ کوئی ''مکہ'' میں تھا، کوئی ''مدینہ'' میں تھا اور کوئی ''کوفہ'' میں تھا۔ نیز جب حضرت عمار ﷺ قتل ہوئے تو وہ جنگ کا آخری دن تھا، اور اس کے چند گھنٹوں بعد جنگ بندی ہو گئی تھی۔ لہٰذا ایسے میں حضرت عمار ﷺ کے قتل کی خبر دوسرے شہروں تک جانا اور پھر وہاں سے حدیث عمار ﷺ کے راویوں کا میدان جنگ میں آ کر حضرت علی ﷺ کا ساتھ دینا ناممکن تھا۔ البتہ حدیث عمار ﷺ کے جو غیر جانب دار راوی موقع پر موجود تھے، قتل عمار ﷺ کے بعد وہ بھی حضرت علی ﷺ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

قتل عمار ﷺ کے بعد لشکر علوی ﷺ میں شامل ہونے والے حضرات:

(۱) حضرت خزیمہ بن ثابت ﷺ:

چنانچہ جنگ صفین میں غیر جانب دار رہنے والے حدیث عمار ﷺ کے مشہور راوی حضرت خزیمہ بن ثابت ﷺ کا یہ واقعہ مشہور اور صحیح حدیث میں ہے کہ جنگ صفین میں قتل عمار ﷺ سے پہلے وہ غیر جانب دار تھے، لیکن جوں ہی حضرت عمار ﷺ قتل ہوئے یہ حضرت علی ﷺ کے لشکر میں آ کر شامل ہو گئے اور شہید ہونے تک برابر لڑتے رہے۔

چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مستدرک" میں یہ صحیح حدیث نقل کی ہے کہ:

"شهد خزيمة بن ثابت الصفين وهو لا يسل سيفاً. قال انا لا أحل أبداً بقتل عمار فانظر من يقتله فاني سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول: ﴿تقتلك الفئة الباغية﴾ قال: فلما قتل عمار قال خزيمة: قد حانت له الضلالة، ثم أقرب."[1]

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں موجود تھے، لیکن انہوں نے تلوار نہیں اٹھائی، اور فرمایا کہ: "قتل عمار رضی اللہ عنہ سے میں کبھی نہیں جھک سکتا، لہٰذا میں دیکھتا ہوں کہ انہیں کون قتل کرے گا؟ کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو) یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "اب اُن کے لئے بھٹکنے کا وقت آن پہنچا ہے، پھر وہ قریب ہوئے (اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح "مصنف ابن ابی شیبہ" میں ہے:

"عن محمد بن عمارة بن خزيمة بن ثابت قال: ما زال جدي كافا سلاحه يوم صفين ويوم الجمل حتي قتل عمار فلما قتل سل سيفه وقال: سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول: تقتل عماراً الفئة الباغية فقاتل حتي قتل."[2]

ترجمہ: محمد بن عمارہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میرے دادا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ جمل و صفین میں برابر اپنے ہتھیار (تلوار) کو روکے رہے یہاں تک کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے۔

---

[1] (المستدرك علي الصحيحين للحاكم: ٤٣٤/٤، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

[2] (المصنف لابن أبي شيبة: ٥٥٢/٧، الناشر: مكتبة الرشد، الرياض)

چنانچہ جب حضرت عمار ﷺ قتل ہوئے تو انہوں نے اپنی تلوار سونت لی اور فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار ﷺ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" پس وہ (حضرت علی ﷺ کی طرف سے اہل شام سے) لڑتے رہے یہاں کہ قتل ہو گئے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" و كان (أي خزيمة بن ثابت) مع عليٍّ رضي الله عنه بصفين فلما قتل عمار سل سيفه فقاتل حتى قتل ."[1]

ترجمہ: جنگ صفین میں حضرت خزیمہ بن ثابت ﷺ حضرت علی ﷺ کے ساتھ تھے پس جب حضرت عمار ﷺ قتل ہوئے تو انہوں نے تلوار سونت لی اور لڑتے رہے یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابوحفص ابن ملقن مصری شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) لکھتے ہیں:

" وخزيمة بن ثابت ..... شهد صفين ممسكا عن القتال ، فلما قتل عمار قال : سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول لعمار : تقتلك الفئة الباغية فجرد سيفه وقاتل حتى قتل ."[2]

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت ﷺ جنگ صفین میں موجود تھے، لیکن لڑائی سے رُکے رہے۔ پس جب حضرت عمار ﷺ قتل ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا وہ حضرت عمار ﷺ سے فرما رہے تھے کہ:

"تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔"

پس انہوں نے اپنی تلوار ننگی کی (یعنی نیام سے باہر نکالی) اور لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔ (ترجمہ ختم)

---

[1] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني : ١٤/١٠ ، الناشر : دار احياء التراث العربي ، بيروت)

[2] (التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن ملقن : ٢٢/٤٣٦ ، الناشر ، دار النوادر ، دمشق ، سوريا)

﴿۲﴾ حضرت زبیر بن عبد الخولانی ؒ:

اسی طرح جنگ صفین میں حضرت معاویہ کی طرف سے شریک ہونے والے ایک اور صحابی حضرت زبیر بن عبد الخولانی ؒ بھی قتل عمار ؓ کے بعد لشکر علوی ؒ میں شامل ہو گئے تھے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"زبید بن عبد الخولاني: له ادراک، وشهد فتح مصر، ثم شهد صفين مع معاوية، وكانت معه الراية، فلما قتل عمار تحول الى عسكر علي ذكره ابن يونس ومن تبعه"[1]

ترجمہ: زبید بن عبد الخولانی ؒ نے نبی اکرم ﷺ کو پایا، اور فتح مصر میں موجود تھے، پھر جنگ صفین میں حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ بھی موجود رہے، جھنڈا آپ کے پاس تھا، پس جب حضرت عمار ؓ قتل ہو گئے تو آپ لشکر علوی ؒ کی طرف پھر گئے۔ ابن یونس اور ان کے متبعین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

﴿۳﴾ حضرت مُنی رحمۃ اللہ علیہ:

اسی طرح بعض شامی تابعی حضرات بھی قتل عمار ؓ کے بعد شامی لشکر کو چھوڑ کر لشکر علوی ؒ میں شامل ہو گئے تھے۔

چنانچہ اسی طرح کے ایک شامی بزرگ حضرت مُنی (جو حضرت عمر فاروق ؓ کے آزاد کردہ غلام) کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وشهد (أي مُنيٌّ مولى عمر بن الخطاب رضي الله عنه) صفين مع معاوية، ثم تحول الى عليٍّ لما قتل عمار"[2]

ترجمہ: مُنی جنگ صفین میں (پہلے تو) حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ تھے، لیکن جب حضرت عمار ؓ قتل ہوئے تو یہ حضرت علی ؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

---

[1] (الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني: ۲/ ۵۲۰، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني: ۶/ ۱۷۶، الناشر: دار المعرفة، بيروت، لبنان)

اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح تھی کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اہل شام نے قتل کیا ہے، اور قاتل کوئی گم نام نہیں بلکہ مشہور صحابی حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ تھے جو لشکر شام کے افسر تھے، اور اس پر اسماء الرجال کے ماہرین کا اتفاق ہے۔

چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" أبو الغادية يسار بن سبيع ، قاتل عمار ، له صحبة ."[1]

ترجمہ: ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کا نام یسار بن سبیع ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ یہ صحابی ہیں۔

اسی طرح امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

" أما غادية فهو أبو الغادية يسار بن سبع له صحبة ..... وهو قاتل عمار بن ياسر بصفين ."[2]

ترجمہ: بہر حال غادیہ تو وہ ابو الغادیہ یسار بن سبیع رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، اور یہی جنگ صفین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

" فأما أبو الغادية فطعنه ."[3]

ترجمہ: بہر حال ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ تو انہوں نے (حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو) نیزہ مارا (اور شہید کیا)۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

" يسار بن سبع أبو الغادية الجهني ..... وهو قاتل عمار بن ياسر ."[4]

ترجمہ: یسار بن سبع ابو الغادیہ الجہنی رضی اللہ عنہ ..... اور یہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] (الكنى والأسماء للدولابي: ۶۶۹/۲، الناشر: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية - المدينة المنورة - السعودية)

[2] (المؤتلف والمختلف للدار قطني: ۱۷۹۲/۴، ۱۷۹۳، الناشر: دار الغرب الإسلامي - بيروت)

[3] (الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر: ۱۱۳۹/۳، الناشر: دار الجيل - بيروت)

[4] (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن الأثير الجزري: ۴۸۰/۵، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت - لبنان)

أبو الغادية الجهني : يسار بن سبع ، له صحبة ، وهو قاتل عمار ."[1]

ترجمہ: ابوالغادیہ الجہنی ﷺ کا نام یسار بن سبع ہے، یہ صحابی ہیں اور یہی حضرت عمار ﷺ کے قاتل ہیں۔

اور یہ بات تو پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی بالکل ہی غلط ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ کے ساتھ "جنگ صفین" میں ہزاروں صحابہ ﷺ تھے، ہزاروں نہیں بلکہ گنتی کے چند صحابہ ﷺ تھے، جن کی تعداد علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے دس (۱۰) تک بتلائی ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وشهد صفين مع معاوية من الصحابة عمرو بن العاص السهمي وابنه عبد الله ، وفضالة بن عبيد الأنصاري ومسلمة بن مخلد ، والنعمان بن بشير ومعاوية بن حديج الكندي و أبو غادية الجهني قاتل عمار و حبيب بن مسلمة الفهري و أبو الأعور السلمي و بسر بن أرطاة العامري ."[2]

ترجمہ: جنگ صفین میں حضرت معاویہ ﷺ کے ساتھ شریک ہونے والے صحابہ ﷺ کے نام یہ ہیں: (۱) عمرو بن العاص سہمی ﷺ، (۲) اور اُن کے بیٹے عبداللہ بن عمرو ﷺ (۳) فضالہ بن عبید انصاری ﷺ، (۴) مسلمہ بن مخلد ﷺ، (۵) نعمان بن بشیر ﷺ (۶) معاویہ بن حدیج کندی ﷺ، (۷) ابوغادیہ جہنی ﷺ قاتل عمار ﷺ، (۸) حبیب بن مسلمہ فہری ﷺ، (۹) ابوالاعور سلمی ﷺ، (۱۰) بسر بن ارطاۃ عامری ﷺ۔ (ترجمہ ختم)

نیز خود حضرت معاویہ ﷺ کو اس بات کا اقرار تھا کہ "جنگ صفین" میں میرے ساتھ چند صحابہ ﷺ تھے۔

چنانچہ یہ روایت ملاحظہ فرمائیے!

" عن عبادة بن نسي ، قال : خطبنا معاوية رضي الله عنه على منبر الصُّنَّبرة ..... وقال : ..... لقد شهد معي صفين عدة من أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم ."[3]

---

[1] (المقتنى في سرد الكنى للذهبي : ۳/۲، الناشر : المجلس العلمي بالجامعة الإسلامية ، المدينة المنورة ، السعودية)

[2] (سير أعلام النبلاء للذهبي : ۵۲۷/۲ ، الناشر : دار الحديث ، القاهرة)

[3] (الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم : ۳۷۵/۱ ، الناشر : دار الراية ، الرياض ، المملكة العربية ، السعودية)

ترجمہ: عبادہ بن نسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ ﷺ نے صنعاء کے منبر پر ہمیں خطبہ دیا..... اور فرمایا..... میرے ساتھ "جنگ صفین" میں چند اصحاب محمد ﷺ موجود تھے۔ (ترجمہ ختم)

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ:

ممکن ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ہم پر یہ اعتراض کریں کہ لفظ "عدۃ" کا معنی تو لغت میں "جماعت" کا بھی آتا ہے، تو پھر تم نے اس کا معنی "چند" ہی کے لفظ سے کیوں کیا ہے؟ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ ایک قرینہ پائے جانے کی وجہ سے یہاں پر ہم نے لفظ "عدۃ" کا ترجمہ "چند" کے لفظ سے کیا ہے اور وہ قرینہ یہ ہے کہ حدیث، تواریخ، اور اسماء الرجال وغیرہ کی کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ جنگ صفین میں حضرت معاویہ ﷺ کے ساتھ شریک ہونے والے صحابہ کرام ﷺ کی تعداد دس، بیس سے زیادہ نہیں تھی، جیسا کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابھی اوپر گزرا، اس لئے ہم نے لفظ "عدۃ" کا ترجمہ "چند" کے لفظ سے کیا ہے۔

چنانچہ آپ کتب حدیث، کتب تواریخ اور کتب اسماء الرجال کو چھانیں تو بہ مشکل دس سے بیس صحابہ ﷺ کے نام ملیں گے، جن میں سے اکثر و بیشتر غیر معروف ہیں، حتیٰ کہ اُن کی صحابیت بھی مختلف فیہ ہے۔ نیز مغیرہ بن شعبہ ﷺ مروان بن حکم ﷺ عبداللہ بن ابی سرح ﷺ جیسے بڑے شامی حضرات بھی ان جنگوں کے دوران حضرت معاویہ ﷺ سے الگ رہے۔

اب رہا یہ سوال کہ "قتل عمار ﷺ" کے سبب جب معاملہ واضح ہو گیا کہ حق حضرت علی ﷺ کے ساتھ ہے اور حضرت معاویہ ﷺ خطاء پر ہیں اور بغاوت کر رہے ہیں تو پھر عمومی شامی لشکر نے کیوں رجوع نہ کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شامی فوج نظم وضبط کی پابند تھی اور اپنے امیر حضرت معاویہ ﷺ کے ایرو کے اشارے پر چلتی تھی، بالخصوص اُس وقت جب کہ خود امیر لشکر حضرت معاویہ ﷺ نے اپنے حق میں ایک بعید از قیاس تاویل کر لی تھی کہ دراصل حضرت عمار ﷺ کو قتل کرنے والے حضرت علی ﷺ اور اُن کے ساتھی ہیں جنہوں نے حضرت عمار ﷺ کو ہماری تلواروں کے سامنے لا

چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت ہے کہ:

"لما قتل عمار بن یاسر دخل عمرو بن حزم علی عمرو بن العاص

فقال : قتل عمار . وقد قال رسول الله صلي الله عليه وسلم : ﴿ تقتله الفئة الباغية ﴾ فقال عمرو بن العاص فزعاً : يرجع حتي دخل علي معاوية فقال له معاوية ماشانک ؟ قال : قتل عمار فقال له معاوية :قد قتل عمار فماذا ؟ قال عمرو :سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول : تقتله ألفئة الباغية " فقال له معاوية : دحضت في بولک !أو نحن قتلناه ؟ انما قتله عليٌّ و اصحابه جاؤوا به حتي ألقوه بين رماحنا أو قال : بين سيوفنا "۔[1]

ترجمہ: جب حضرت عمار ؓ قتل ہو گئے تو عمرو بن حزم ؓ عمرو بن العاص ؓ کے پاس آئے اور کہا کہ عمار ؓ کو قتل کر دیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "انہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" عمرو بن العاص ؓ چونک کر رہ گئے اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتے ہوئے (حضرت معاویہ ؓ کے پاس جانے کے لئے اُٹھ) کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ حضرت معاویہ ؓ کے پاس پہنچ گئے، حضرت معاویہ ؓ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہا کہ عمار ؓ کو قتل کر دیا گیا، حضرت معاویہ ؓ نے کہا عمار کو قتل کر دیا گیا تو پھر کیا ہوا؟ عمرو بن العاص ؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "عمار ؓ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" تو حضرت معاویہ ؓ نے کہا تو اپنے پیشاب میں پھسلایا جائے! کیا ہم نے اُسے قتل کیا ہے؟ اُسے تو حضرت علی ؓ اور اُن کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے جو اُس کو لے کر آئے یہاں تک کہ اُسے ہمارے نیزوں یا فرمایا ہماری تلواروں کے درمیان ڈال دیا۔" (ترجمہ ختم)

اسی طرح فیض القدیر شرح جامع الصغیر کی بھی ایک روایت میں آتا ہے کہ:

" دخل عمرو بن حزم علي معاوية ، فقال : قتل عمار . قال : قتل عمار فماذا ؟ قال : سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول : تقتله الفئة الباغية " قال : دحضت في بولک ! أو نحن قتلناه ؟ انما قتله عليٌّ

---

[1] (مسند الامام أحمد بن حنبل : ۲۹/ ۳۱۶ ، الناشر : مؤسسة الرسالة)

وأصحابه الذين ألقوه بين رماحنا أو قال : بين سيوفنا "[1]

ترجمہ: عمر بن حزمؒ حضرت معاویہ ؓ کے پاس آئے اور کہا: عمار ؓ کو قتل کر دیا گیا۔" حضرت معاویہ ؓ نے کہا: "عمار ؓ کو قتل کر دیا گیا تو پھر ہوا؟" عمرو بن حزمؒ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "عمار ؓ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" حضرت معاویہ ؓ نے کہا تو اپنے پیشاب میں پھسلایا جائے! کیا ہم نے اُسے قتل کیا ہے؟ اُسے تو حضرت علی ؓ اور اُن کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے جنہوں نے اُس کو ہمارے نیزوں یا فرمایا ہماری تلواروں کے درمیان ڈالا۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ مطہر بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" فلما قتل عمار انبه الناس ، وكادوا يختلفون على معاوية ، فقال معاوية : انما قتله علي حيث عرضه للقتل "[2]

ترجمہ: پس جب حضرت عمار ؓ قتل کیے گئے تو لوگ متنبہ ہو گئے اور حضرت معاویہ ؓ سے اختلاف کرنے کے قریب ہو گئے، تو حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا کہ انہیں تو حضرت علی نے قتل کیا ہے بایں حیثیت کہ انہیں قتل کے لئے پیش کیا ہے۔ (ترجمہ ختم)

اسی طرح علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

" دخل عمرو (بن حزم) على معاويه فقال :قتلنا هذا الرجل ، وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه ما قال فقال: أسكت افو الله ما نزال ندحض في بولك! أنحن قتلناه ؟ انما قتله عليٌّ وأصحابه جاؤا به حتى ألقوه بيننا "[3]

ترجمہ: عمرو بن حزمؒ حضرت معاویہ ؓ کے پاس آئے اور کہا ہم نے اس شخص

---

[1] فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوي ، ۷/ ۲ ، الناشر : المكتبة التجارية الكبرى (مصر) و تاريخ الإسلام للذهبي ، ۳/ ۵۷۹ ، الناشر : دار الكتب العربي (بيروت)

[2] البدء والتاريخ للمقدسي ، ۵/ ۲۱۹ ، الناشر : مكتبة الثقافة الدينية (بور سعيد)

[3] خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفى للسمهودي ، ۲/ ۱۴ ، طبع على نفقة السيد حبيب محمود أحمد الحنفي)

(عمار رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا ہے، حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ اللہ کی قسم! ہم ہمیشہ تجھے تیرے پیشاب میں پھسلاتے رہیں گے! کیا ہم نے اُن کو قتل کیا ہے؟ اُنہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے قتل کیا جو اُنہیں لے کر آئے یہاں تک کہ ہمارے سامنے ڈال دیا۔ (ترجمہ ختم)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی صورت میں اگرچہ ان حضرات کے پاس نص صریح موجود تھی، لیکن شامی قیادت کا ذہن اسے اپنے خلاف ماننے پر آمادہ نہیں تھا، باقی شامی حضرات قیادت کے اشارے پر چلنے والے تھے، اس لئے دو صحابی راویوں سمیت بعض شامی حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت برابر جاری رکھی۔ جب کہ دوسری طرف صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت نے حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی واضح دلالت کو دیکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت و جانب داری بھی جاری رکھی، تا آں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تحکیم قبول کرنا پڑی اور آپؓ نے جنگ بندی کا فیصلہ کر دیا۔

''دلیل قوی'' کی بنیاد پر کسی سے ''اختلاف رائے'' رکھنے کی بحث:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ کسی بھی علمی و دینی شخصیت کی رائے کے ساتھ اختلاف کرنے کی بناء پر اختلاف کرنے والا اُس کے مسلک و مشرب سے خارج نہیں ہوتا، کتب اسلامیہ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں ... اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جب ''اکابر'' کے نزدیک دلیل کی بناء پر اپنے امام کے قول کو بھی ترک کیا جا سکتا ہے، جتی کہ اُن کے نزدیک ''دلیل قوی'' کے مقابلے میں ''خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم'' اور ''صحابہ رضی اللہ عنہم'' کا قول بھی حجت نہیں ہے، تو پھر ''ناقدین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے ساتھ ''دلیل قوی'' کی بناء پر آخر اختلاف کیوں نہیں کیا جا سکتا؟'' انتہی ملخصاً۔[1]

اجماع کا مخالف مسلک اہل سنت والجماعت سے خارج ہے!:

اس میں شک نہیں کہ کسی بھی علمی شخصیت کے ساتھ ''دلیل قوی'' کی بناء پر

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ناقدین ص ۱۹ ۳۱)

''اختلاف رائے'' رکھنے سے کوئی شخص اُس کے مسلک ومشرب سے خارج نہیں ہوتا، مگر اجماع کا مخالف یقیناً اُس کے مسلک ومشرب سے خارج ہوجاتا ہے، اور حضرت معاویہ ؓ کے خطی اور باغی ہونے پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔ نیز اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ ''اختلاف رائے'' کا مدار دلائل پر ہوتا ہے کہ صحت وسقم کا مبنیٰ دلائل ہی ہوتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ آخر ''اختلاف رائے'' ہو بھی تو کسی ''دلیل قوی'' کی بنیاد پر نا۔ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے اساطین اُمت اور اکابرین علمائے اہل سنت والجماعت کی رائے کے ساتھ جو اختلافات کیے ہیں وہ ایسے کمزور اور بھونڈے قسم کے دلائل کے ساتھ کیے ہیں کہ اُن کو دلائل کا نام دیتے ہوئے بھی ہمیں ہچکچاہٹ اور شرم محسوس ہوتی ہے، چہ جائے کہ انہیں قوی دلائل کا نام دیا جائے، اس لئے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے دلائل میں کہیں ''عبارات اکابر'' کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے تو کہیں دجل وفریب کا مظاہرہ کیا ہے، کہیں رطب ویابس کو جمع کیا ہے تو کہیں رنگ برنگے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں اپنے مدعاء کو اُلجھایا ہے۔ لہٰذا اس تناظر میں پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے علمائے اہل سنت کے ساتھ جو برائے نام دلائل کے بل بوتے پر اختلاف رائے کیا ہے اُس کی بنیاد پر وہ علمائے اہل سنت والجماعت کے مسلک، مشرب سے بالکل خارج اور باہر ہیں۔

اعتذار از جانب مصنف کتاب:

علمائے اہل سنت والجماعت کے بعض ایسے سرکردہ علمائے کرام کہ جن کی زندگی ''مدح صحابہ ورد قدح صحابہ'' ؓ جیسے عظیم الشان کام میں صرف ہوئی، اُن کے نام بھی پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک غیر معقول عذر کی بناء پر ''ناقدین معاویہ ؓ'' کی فہرست میں شامل کر دیئے ہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''زیر نظر کتاب میں بعض ایسے حضرات کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں جن کی زندگی ''مدح صحابہ ورد قدح صحابہ'' ؓ میں بسر ہوئی اور اُن کی عبارات اس کتاب میں شامل کرنے سے دل ودماغ پر سخت بوجھ محسوس ہوتا رہا، اگر حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں اُن

کے قابل اعتراض "ریمارکس" عدالت میں پیش نہ ہوتے (جو آج بھی ایبٹ آباد کی ایک عدالت میں مقدمہ کی مثل کا باقاعدہ حصہ ہیں) اور دشمنانِ معاویہ ؓ اپنے موقف کی تائید میں اُن سے استدلال نہ کرتے تو اس "بوجھ" کے اُٹھانے سے "معذوری" کا اظہار کر دیا جاتا۔"[1]

عذرِ گناہ بدتر از گناہ:

ایسے اکابرین کے اسمائے گرامی کا "ناقدینِ معاویہ" کی فہرست میں شامل کرنا اتنا آسان تو نہیں کہ فوراً ہضم ہو جائے آخر کار دل و دماغ پر اس کا بوجھ رہنا یقینی بات ہے۔ لیکن چلیں اگر کوئی "دشمنِ معاویہ ؓ" "ان بظاہر قابلِ اعتراض" "ریمارکس" سے اپنے موقف کی تائید میں استدلال کرتا بھی ہے تب بھی اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ اپنے غیظ و غضب کی آگ اور اپنے قہر و غصہ کا تمام تر ملبہ ان اکابرین پر گرا دیا جائے کہ جنہوں نے اپنی ساری زندگی بقول خود آن موصوف کے "مدحِ صحابہ و ردّ قدحِ صحابہ ؓ" جیسے رفیع العظمت اور عظیم المرتبت کام میں بسر کی، بلکہ ایسے وقت میں ان اکابرین کی عبارات و اقوال کی مناسب اور معتدل توجیہات و تاویلات کر کے ان کی ذات اور اُن کے مقام و مرتبہ کا پاس اور لحاظ رکھا جاتا اور اُن کی عبارات و اقوال کا کوئی نیک اور اچھا محمل تلاش کر کے اُن کی صحیح ترجمانی کی جاتی۔ نیز اگر یہ کام خود نہیں کیا جا سکتا تھا تو کسی اہلِ علم کی طرف مراجعت کر لی جاتی اور خواہ مخواہ اس بوجھ کے اُٹھانے اور اس کو اپنے تھکے ماندے ساٹھ سالہ بوڑھے کندھوں پر ڈالنے سے "معذوری" کا اظہار کر دیا جاتا تو کیا یہ زیادہ مناسب نہیں تھا؟۔ واقعی کسی نے صحیح کہا ہے:

"عذرِ گناہ بدتر از گناہ"

حضرت معاویہ ؓ کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے متعلق بحث:

حضرت معاویہ ؓ کب مسلمان ہوئے اور آپؓ نے کب اسلام قبول فرمایا؟ اس کے متعلق اصحاب سیر و تواریخ نے اپنی اپنی معلومات کی حد تک دو قسم کی مختلف روایات نقل فرمائی ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر مؤرخین حضرات کا مؤقف یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ "فتح مکہ" سے ایک سال قبل "عمرۃ القضاء" کے موقع پر اسلام لے آئے تھے، لیکن اپنی والدہ کے خوف سے اپنے اسلام کو مخفی رکھے رکھا۔

---

[1] (ناقدینِ معاویہ ؓ، (قدیم ایڈیشن) ص ۱۷)

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لقد أسلمت قبل عمرة القضية."[1]

ترجمہ: تحقیق میں نے "عمرۃ القضاء" سے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔

اور علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

"اسلام معاوية رضي الله عنه على ما حكاه الواقدي بعد الحديبية وقال غيره: بل يوم الحديبية، وكتم اسلامه عن أبيه وأمه، حتى أظهره يوم الفتح."[2]

ترجمہ: واقدی کی روایت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا "حدیبیہ" کے بعد کا ہے اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کا خیال ہے کہ وہ "حدیبیہ" کے دن اسلام لائے اور اپنے اسلام کو "فتح مکہ" تک اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا۔ (ترجمہ ختم)

اور امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں کہ:

"معاویہ بن ابی سفیان قرشی اُموی، صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے اور اُن کے والد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔"[3]

اور ڈاکٹر احمد عبدالرحمٰن عیسیٰ، اُستاذ جامعہ امام محمد بن سعود لکھتے ہیں کہ:

"يقول: انه أسلم عام عمرة القضية سنة سبع هجرية وانه لقي رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة مسلماً ولكن كتم اسلامه عن أمه وأبيه وليس هذا ببعيد."[4]

---

[1] الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني: ۴۳۳/۳، (الناشر:)

[2] إتحاف الخلان والنساك عن الحلول والنفوذ خلف سيدنا معاوية بن أبي سفيان، ص ۷، الناشر: مكتبة الحقيقة، شارع الشفقة، فلنج ۲۷، استنبول، ترکی)

[3] سلک الدرر في أحوال العلماء والخلفاء، ۱/ ۴۷۲، (الناشر:)

[4] الكتاب الوحي لعبد الرحمان العيسى: ۳۰۶)

ترجمہ: حضرت معاویہ ؓ فرماتے ہیں کہ: "وہ عمرۃ القضاء کے سال ۷ھ میں اسلام لائے اور انہوں نے مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی، لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین مخفی رکھا، اور یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ (ترجمہ ختم)

جب کہ بعض دوسرے ارباب سیر و تاریخ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ ؓ "فتح مکہ" کے موقع پر اپنے والد حضرت ابوسفیان ؓ کے ہمراہ اسلام لائے۔

چنانچہ ان میں سے پہلا قول راجح اور دوسرا قول مرجوح ہے۔ **والتفصیل فی المطولات**.

علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن جن حضرات کا یہ مؤقف ہے کہ حضرت معاویہ ؓ "فتح مکہ" کے موقع پر اپنے والد حضرت ابوسفیان ؓ کے ہمراہ اسلام لائے تو انہوں نے تو اس بارے میں صرف ایک تاریخی قول نقل کیا ہے یا اسے "فتح مکہ" سے پہلے اسلام لانے والے قول پر ترجیح دی ہے۔ اس لئے اس سے کسی بھی طرح حضرت معاویہ ؓ کی تنقیص و تحقیر ہرگز ثابت نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ان حضرات مؤرخین پر گرجتے برستے ہوئے لکھتے ہیں:

> "دشمنان معاویہ ؓ" کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ انہیں زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے اور ان کے ساتھ کسی فضیلت کو جمع نہ ہونے دیا جائے، وہ انہیں اسلام دشمن ثابت نہ کر سکے، انہیں کسی معرکے میں آنحضرت ﷺ کا مدمقابل نہ دکھا سکے تو یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ مجبور ہو کر "فتح مکہ" کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان ؓ کے ساتھ اسلام لائے اور وہ "مؤلفۃ القلوب" اور "طلقاء" میں سے تھے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہ ؓ "صلح حدیبیہ" کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے تھے۔" [1]

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن جن حضرات نے حضرت معاویہ ؓ کے "فتح مکہ" کے موقع پر اسلام قبول کرنے "مؤلفۃ القلوب" اور "طلقاء" میں سے ہونے کی تصریح کی ہے، وہ سب کے سب "دشمنان معاویہ ؓ" ہیں (نعوذ باللہ!) جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۳۰)

۱-صحابیِ رسول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا حوالہ:

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

" لا يقال يرد ما حكاه الواقدي أنه أسلم قبل الفتح ، ما ثبت في الصحيحين عن سعد بن أبي وقاص أنه قال: العمرة في أشهر الحج ، فعلناها وهذا أي معاوية يومئذ كافر لأنا نقول : ممنوع ذلك بل لا رد فيه ، لأن الفرض أنه كتم اسلامه فسعد ممن لم يعلم به فاستصحب حاله الى يومئذ وقضي عليه بالكفر فيه باعتبار الظاهر و بالنسبة الى علمه ."[1]

ترجمہ: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ واقدی کا بیان تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قبل از "فتح مکہ" اسلام لائے تھے اور یہ بات ایک صحیح حدیث کے خلاف ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایام حج میں ہم نے عمرہ کیا اور اُس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کافر تھے، تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اس سے کوئی مخالفت لازم نہیں آتی اس لئے کہ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام چھپائے رکھا تھا تو ممکن ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُن لوگوں میں سے ہوں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے بے خبر ہوں، لہٰذا وہ اپنے علم کے مطابق اور ظاہری حالات کے موافق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُس وقت تک کافر سمجھتے رہے ہوں۔ (ترجمہ ختم)

۲-علامہ ابو جعفر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۴۵ھ) لکھتے ہیں:

" أسماء المؤلفة قلوبهم من قريش وغيرهم (أبو سفيان) بن حرب بن أمية و(معاوية) ابنه ....."[2]

ترجمہ: قریش وغیرہ (قبیلوں) میں سے ابوسفیان بن حرب بن امیہ اور ان کے بیٹے معاویہ کے نام "مؤلفۃ القلوب" میں شامل ہیں..... (ترجمہ ختم)

---

[1] (إظهار الحقائد والفساد عن الخطور والتفوه بثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان : ص ۸/۷ الناشر : مكتبة الحقيقة ، دار ودار الشفقة ، فاتح ۵۷، استنبول ، تركي)

[2] (المحبر لأبي جعفر البغدادي : ۱/ ۴۷۳ ، الناشر : دار الآفاق الجديدة ، بيروت)

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

" المؤلفة قلوبهم من قريش أبو سفيان صخر بن حرب وابنه معاوية ....."[۱]

ترجمہ: قریش میں سے ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) صخر بن حرب اور اُن کے بیٹے معاویہ (رضی اللہ عنہ) "مؤلفة القلوب" ہیں.....(ترجمہ ختم)

۳-امام ابن قتیبہ الدینوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۷۶ھ) لکھتے ہیں:

" أسماء المؤلفة قلوبهم أبو سفيان بن حرب و معاوية ابنه ."[۲]

ترجمہ: " مؤلفة القلوب " کے نام یہ ہیں: ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) بن حرب اور اُن کے بیٹے معاویہ (رضی اللہ عنہ) .....(ترجمہ ختم)

۴-امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

" عن عبد الله ابن أبي بكر قال : أعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم المؤلفة قلوبهم ..... فأعطى أبا سفيان بن حرب مائة بعير و أعطى ابنه معاوية مائة بعير ."[۳]

ترجمہ: عبداللہ بن ابی بکرؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو (کچھ مال وغیرہ) عطاء فرمایا..... چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کو ایک سو اونٹ عطاء فرمائے اور اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک سو اونٹ عطاء فرمائے۔(ترجمہ ختم)

۵-علامہ مطہر بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۵۵ھ) لکھتے ہیں:

" أعطى رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ذلك اليوم " المؤلفة قلوبهم " مائة مائة ، وأعطى أبا سفيان مائة ، وأعطى لمعاوية بن أبي سفيان مائة ....."[۴]

---

۱ (المنتقى من أخبار قريش لأبي جعفر البغدادي : ۱/ ۴۲۲ ، الناشر : عالم الكتب ، بيروت)

۲ (المعارف لابن قتيبة : ۱/ ۳۴۲ ، الناشر : الهيئة المصرية العامة للكتاب ، القاهرة)

۳ (تاريخ الرسل والملوك المعروف بتاريخ الطبري : ۳/ ۹۰ ، الناشر : دار التراث ، بيروت)

۴ (البدء والتاريخ للمقدسي : ۴/ ۲۳۸ ، الناشر : المكتبة الثقافة الدينية ، بور سعيد)

ترجمہ: "فتح مکہ کے دن حضور اقدس ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" میں سے (ہر ایک شخص) کو سو سو (اونٹ) عطا فرمائے، چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو سو (اونٹ) عطا فرمائے اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو سو (اونٹ) عطا فرمائے..... (ترجمہ ختم)

۶-امام ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

" فأعطي رسول الله صلي الله عليه وسلم المؤلفة قلوبهم وأعطي أبا سفيان بن حرب أربعين أوقية ومائة من الابل ."[1]

ترجمہ: پس رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو عطا فرمایا، اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو چالیس اوقیہ اور سو اونٹ عطا فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

موصوف ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" أبو سفيان لم يزل علي الشرك يقود الجموع لقتال النبي صلي الله عليه وسلم الي أن أسلم يوم فتح مكة وكان الايمان في قلبه متزلزلاً فعد في المؤلفة قلوبهم ثم استقر ايمانه وقوي يقينه ."[2]

ترجمہ: ابوسفیان مشرک بن کر نبی اکرم ﷺ سے قتال کرنے کے لئے ہمیشہ کفار و مشرکین کی جماعتوں کے قائد بنتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے "فتح مکہ" کے دن اسلام قبول کرلیا، (اُس وقت) ایمان اُن کے دل میں متزلزل تھا، تو انہیں "مؤلفۃ القلوب" میں شمار کیا گیا، پھر اُن کے ایمان نے استقرار پکڑا اور اُن کا یقین قوی ہوگیا۔ (ترجمہ ختم)

۷-امام ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

" ثم أعطي المؤلفة قلوبهم وكانوا من أشراف الناس يتألفهم علي الاسلام ، فأعطي أبا سفيان وابنه معاوية..... كل واحد منهما مائة بعير ."[3]

ترجمہ: پھر "مؤلفۃ القلوب" کو عطا فرمایا، اور یہ بڑے مرتبے والے لوگ تھے

---

[1] (المنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي: ۳۳۹/۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (المنتظم في تاريخ الملوك والأمم لابن الجوزي: ۲۷/۵، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[3] (الكامل في التاريخ لابن أثير الجزري (بتطبيق ما): ۱۴۰/۲، الناشر: دار الكتب العربي، بيروت، لبنان)

اسلام پر ان کو اکٹھا کرنے کے لئے، چنانچہ ابوسفیان ﷺ اور اُن کے بیٹے معاویہ ﷺ میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

۸- مؤرخ ابوالفداء عماد الدین الملک المید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۳۲ھ) لکھتے ہیں:

" وأعطي المؤلفة قلوبهم مثل أبي سفيان وابنيه معاوية ويزيد ..... فأعطي لكل واحد من الأشراف مائة من الابل ."[1]

ترجمہ: اور "مؤلفۃ القلوب" کو عطا فرمایا، مثلاً ابوسفیان ﷺ اور اُن کے دو بیٹے معاویہ ﷺ اور یزید ﷺ ..... اشراف میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

۹- حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

" عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج عن جده أن رسول الله صلي الله عليه وسلم أعطي المؤلفة قلوبهم ..... فأعطي أبا سفيان بن حرب مائة ." وعن ابن عباس أن رسول الله صلي الله عليه وسلم أعطي المؤلفة قلوبهم ، أبا سفيان ..... الخ ."[2]

ترجمہ: رافع بن خدیج اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطا فرمایا، اور ابوسفیان ﷺ بن حرب کو سو اونٹ عطا فرمائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطا فرمایا، اور ابوسفیان ﷺ بن حرب کو (مال) عطا فرمایا۔ (ترجمہ ختم)

۱۰- امام ابن الوردی الکندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۹ھ) لکھتے ہیں:

" وأعطي المؤلفة قلوبهم مثل أبي سفيان ."[3]

ترجمہ: اور "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطا فرمایا، مثلاً حضرت ابوسفیان ﷺ۔ (ترجمہ ختم)

۱۱- امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] (المختصر في أخبار البشر لأبي الفداء الملك المؤيد : ۱/ ۱۴۷ ، الناشر : المطبعة الحسينية ، المصرية)

[2] (تاريخ الاسلام و وفيات المشاهير والأعلام للذهبي : ۲/ ۶۰۲ ، الناشر : دار الكتاب العربي ، بيروت ، لبنان)

[3] (تاريخ ابن الوردي : ۱/ ۱۲۶ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

"عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أعطى المؤلفة قلوبهم ..... وأعطى أبا سفيان بن حرب مائة "[1]

ترجمہ: رافع بن خدیج اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو (مال) عطاء فرمایا، اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کو سو اونٹ عطاء فرمائے۔ (ترجمہ ختم)

۱۲- علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

"منهم (أي من المؤلفة قلوبهم) أبو سفيان وابنه معاوية ."[2]

ترجمہ: ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اُن کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

۱۳- امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

"وكان من المؤلفة قلوبهم ."[3]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے تھے۔

۱۴- علامہ ابوالیسن مجیر الدین العلیمی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۸ھ) لکھتے ہیں:

"وأعطى المؤلفة قلوبهم مثل أبي سفيان وابنه معاوية ويزيد ."[4]

ترجمہ: اور مؤلفۃ القلوب کو (مال) عطاء فرمایا، مثلاً ابوسفیان اور اُن کے دو بیٹے معاویہ اور یزید رضی اللہ عنہم۔

۱۵- ڈاکٹر جواد علی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۰۸ھ) لکھتے ہیں:

"أعطى المؤلفة قلوبهم وكانوا أشرافا يتألفهم ويتألف بهم قومهم فأعطى أبا سفيان وابنه معاوية ."[5]

---

[1] (البداية والنهاية لابن كثير: ٤/٤١٢، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

[2] (تاريخ ابن خلدون: ٢/٤٦٦، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان)

[3] (تاريخ الخلفاء للسيوطي: ١/١٤٨، الناشر: مكتبة نزار مصطفى الباز)

[4] (الأنس الجليل بتاريخ القدس والخليل لعبد الرحمن العليمي: ١/٢١٠، الناشر: مكتبة دنديس، عمان)

[5] (المفصل في تاريخ العرب قبل الاسلام للدكتور جواد علي: ١٨/٤٢٩، الناشر: دار الساقي)

ترجمہ: ''مؤلفۃ القلوب'' کو (مال) عطاء فرمایا، اور یہ بڑے مرتبے کے لوگ تھے، ان کی اور ان کی قوم کی تالیف قلب کے لئے، چنانچہ ابوسفیان ﷺ اور اُن کے بیٹے معاویہ ﷺ کو (مال) عطاء فرمایا۔ (ترجمہ ختم)

۱۶- علامہ محمد بیومی مہران حفظہ اللہ ورعاہ لکھتے ہیں:

" فقد كان وكذا ولده معاويه من المؤلفة قلوبهم ."[1]

ترجمہ: پس (ابوسفیان ﷺ) اور اسی طرح اُن کے بیٹے معاویہ ﷺ "مؤلفۃ القلوب" میں سے تھے۔

۱۷- علامہ احمد منصور عسیری حفظہ اللہ ورعاہ لکھتے ہیں:

" وأعطي الرسول صلي الله عليه وسلم المؤلفة قلوبهم الكثير ..... منهم أبو سفيان وأبنائهم ."[2]

ترجمہ: اور رسول اکرم ﷺ نے "مؤلفۃ القلوب" کو بہت زیادہ (مال) عطاء فرمایا ..... ابوسفیان ﷺ اور ان کے بیٹوں (معاویہ ﷺ و یزید ﷺ) انہیں میں سے ہیں۔

۱۸- امام ابوالقاسم ابن مندۃ العبدی الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۷۰ھ) لکھتے ہیں:

" أسامي المؤلفة قلوبهم : أبو سفيان بن حرب ..... الخ ."[3]

ترجمہ: ''مؤلفۃ القلوب'' کے نام (یہ ہیں): ابوسفیان بن حرب ..... الخ

۱۹- امام ابوبکر بن عبداللہ الدواداری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" ذكر المؤلفة قلوبهم من قريش وغيرها أبو سفيان بن حرب ..... الخ ."[4]

ترجمہ: قریش وغیرہ (قبائل) میں سے "مؤلفۃ القلوب کا ذکر: ابوسفیان بن حرب ..... الخ۔

---

[1] (دراسات في تاريخ العرب القديم للمهران : ۱/ ۳۷۰ ، الناشر : دار المعرفة الجامعية)

[2] (موجز التاريخ الإسلامي منذ عهد آدم (عليه السلام) الى عصرنا الحاضر للعسيري : ۲/ ۸۹ ، الناشر : غير معروف (فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية ، الرياض)

[3] (المستخرج من كتب الناس للمذكرة والمستطرف من أحوال الرجال للمعرفة للأصبهاني : ۲/ ۹ ، الناشر : وزارة العدل والشؤون الإسلامية ، المحرين)

[4] (كنز الدرر وجامع الغرر لأبي بكر بن عبد الله الدواداري : ۳/ ۴۰ ، الناشر : عيسى البابي الحلبي)

کیا کوئی محض صحابی رسول فاتح قادسیہ وایران حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ سمیت مذکورہ بالا اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے ان جہابذہ واصحاب علم وتحقیق اور نابغۂ روزگار ارباب فضل وکمال کی اشاعت اسلام کے سلسلہ میں بے مثال وبا کمال اور لازوال ان تھک محنتوں اور گراں قدر قربانیوں کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی طرح ان پر ''دشمنانِ معاویہ ﷺ'' کا لیبل لگا سکتا ہے؟ لیکن حیرت ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ سمیت اُن تمام اکابر علمائے اہل سنت والجماعت پر ''دشمنانِ معاویہ ﷺ'' کا لیبل لگا دیا ہے۔ فیا اسفا

''مؤلفۃ القلوب'' میں سے ہونا کوئی عیب نہیں ہے!:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ ﷺ کے حق میں جن تین چیزوں کے ذکر کرنے کو آپ ﷺ سے دشمنی رکھنے کے مترادف بتلایا ہے اُن میں سے دوسری چیز ''مؤلفۃ القلوب'' ہونا ہے، حالاں کہ حقیقت میں ''مؤلفۃ القلوب'' میں سے ہونا کوئی ایسی عیب اور نقص کی چیز نہیں کہ جس کو معائب اور نقائص میں سے شمار کیا جائے۔

چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

''جس وقت ''فتح مکہ'' ہوئی ہے اُس وقت قریش کے بہت سے قبائل اور بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اُن میں سے نبی کریم ﷺ نے بعض حضرات کے ساتھ ''تالیف قلب'' کا معاملہ فرماتے ہوئے دیگر مسلمانوں سے زائد بعض چیزیں عنایت فرمائی تھیں اور جہاد کے غنائم میں سے یہ نسبت دوسروں کے ان لوگوں کو حصہ وافر عنایت فرمایا تھا۔

صاحب نبوت ﷺ کی طرف سے یہ ایک حکمت عملی تھی جو وقتی مصالح کے تحت عمل میں لائی گئی، یہ کوئی عیب کی چیز نہیں تھی جس کو معائب میں شمار کیا جائے، بلکہ سردار انبیاء ﷺ کی طرف سے مشفقانہ اور کریمانہ طرزِ عمل تھا جس سے جدید الاسلام لوگ بہت متاثر ہوئے، اُن کی عزت افزائی ہوئی اور قوت اسلام کے لئے اِس کا بڑا نفع ہوا اور یہ طرزِ عمل اُن کے لئے تقویت کا باعث ہوا اور اُن کا تذبذب دُور ہو کر اسلام مضبوط ہوا۔

اس سلسلے میں ''مؤلفۃ القلوب'' کی فہرست علماء پیش کرتے ہیں، جن میں حضرت معاویہ ﷺ اور اُن کے والد ابوسفیان ﷺ اور یزید بن ابی سفیان ﷺ شمار کیے گئے ہیں۔''[1]

---

[1] (سیرت سیدنا امیر معاویہ ﷺ: ۲/۴۹۰، ناشر: دار الکتاب، اردو بازار، لاہور)

موکفۃ القلوب کی فہرست:

چنانچہ ہم نے اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق اصل مصادر سے سراغ لگا کر حروف تہجی کے اعتبار سے اکابر علمائے اہل سنت کی ایک فہرست مرتب کی ہے جنہوں نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو "موکفۃ القلوب" میں سے شمار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے!

﴿۱﴾ ابواسامہ بن ہلک ﴿۲﴾ ابوسفیان بن حرب ﴿۳﴾ ابومکنف زید بن مہلہل الطائی ﴿۴﴾ اقرع بن حابس التمیمی الحاشعی ﴿۵﴾ جبیر بن مطعم بن عدی ﴿۶﴾ حارث بن عبدالمطلب ﴿۷﴾ حارث بن ہشام بن مغیرہ المخزومی ﴿۸﴾ حکیم بن حزام ﴿۹﴾ حکیم بن طلیق ﴿۱۰﴾ حویطب بن عبدالعزی ﴿۱۱﴾ خالد بن اسید بن ابی العیص ﴿۱۲﴾ خالد بن قیس ﴿۱۳﴾ زبرقان بن بدر ﴿۱۴﴾ زید بن جبل ﴿۱۵﴾ زہیر بن امیہ ﴿۱۶﴾ سائب بن یحییٰ بن عائذ ﴿۱۷﴾ سعد الخیل ﴿۱۸﴾ سعید بن یربوع مخزومی ﴿۱۹﴾ سفیان بن حارث بن عبدالمطلب ﴿۲۰﴾ شاعل عمر بن عدی ﴿۲۱﴾ سہیل بن عمرو العجلی ﴿۲۲﴾ سہیل بن عمرو بن عبدشمس العامری ﴿۲۳﴾ صفوان بن امیہ بن خلف الجمحی ﴿۲۴﴾ عباس بن مرداس السلمی (اخو عمرو بن مرداس السلمی) ﴿۲۵﴾ عبدالرحمن بن یربوع المالکی ﴿۲۶﴾ عدی بن قیس / ہند بن قیس السلمی ﴿۲۷﴾ عکرمہ بن ابی جہل ﴿۲۸﴾ علاء بن جاریۃ ثقفی (قیل ابن الخارجہ و قیل ابن الحارث) ﴿۲۹﴾ علقمہ بن علاثہ بن عوف العامری الکلابی ﴿۳۰﴾ عمرو بن مرداس السلمی (اخو عباس بن مرداس السلمی) ﴿۳۱﴾ عمرو بن الاہتم تمیمی ﴿۳۲﴾ عیینہ بن حصن فزاری ﴿۳۳﴾ قیس بن عدی السہمی ﴿۳۴﴾ قیس بن مخرمہ ﴿۳۵﴾ لبید بن ربیعہ ﴿۳۶﴾ مالک بن عوف النصری ﴿۳۷﴾ مخرمہ بن نوفل بن اہیب الزہری ﴿۳۸﴾ معاویہ بن ابی سفیان ﴿۳۹﴾ مغیرہ بن حارث ﴿۴۰﴾ نضر/نصیر بن حارث بن کلدہ ﴿۴۱﴾ ہبار بن الاسود ﴿۴۲﴾ ہشام بن عمرو (اخو بنی عامر بن لوی) ﴿۴۳﴾ یزید بن ابی سفیان۔[1]

---

[1] (تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ۱/ ۹۰، الناشر: دار القلم، موسسۃ الرسالۃ، دمشق۔ بیروت) و (المحبر لأبي جعفر البغدادي: ۱/ ۴۷۳، الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت) و (المعارف لابن قتيبة: ۱/ ۳۴۲، الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتاب، القاهرة) و (القاموس في اللغة للفيروز آبادي:) و (تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ۲/ ۶۰۴، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت) و (سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي للعصامي: ۱/ ۴۰۴) و (المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام للدكتور جواد علي: ۱۸/ ۱۱۹ و ۲۷۷، الناشر: دار الساقي) و (كنز الدرر وجامع الغرر للداواداري: ۳/ ۱۰، الناشر: عيسى البابي الحلبي) و (تفسير مقاتل بن سليمان: ۲/ ۱۷۶، الناشر: دار

حضرات "مؤلفۃ القلوب" کی مذکورہ بالا تعداد ہم نے اپنی ہمت وطاقت کے مطابق شمار کی ہے، اگر چہ ان کی تعداد میں کمی بیشی کا احتمال اب بھی موجود ہے، اس لئے کہ ان کی تعداد کی میں علماء کا اختلاف ہے۔

چنانچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

" وفي عددهم اختلاف ."[1]

ترجمہ: اور ان "مؤلفۃ القلوب" کی تعداد میں اختلاف ہے۔

اور ان کی صحیح تعداد کے بارے میں اکابر علمائے اہل سنت کے جو اقوال ہمیں مختلف کتابوں میں میسر ہوئے ہیں، ذیل میں ہم انہیں نقل کرتے ہیں:

۱- مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں:

" وهم مذكورون في كتب السير يقاربون الأربعون ."[2]

ترجمہ: کتب سیر میں چالیس کے قریب ان کے نام مذکور ہیں۔

۲- امام یحیٰی بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں:

" كان المؤلفة قلوبهم ثلاثة عشر رجلاً . وقيل: خمسة عشر رجلاً "[3]

ترجمہ: "مؤلفۃ القلوب" تیرہ (۱۳) آدمی تھے، اور کہا گیا ہے کہ پندرہ (۱۵) آدمی تھے۔

۳- امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان الازدی البلخی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

" وكان المؤلفة قلوبهم ثلاثة عشر رجلاً..... الخ."[4]

ترجمہ: "مؤلفۃ القلوب" تیرہ (۱۳) آدمی تھے..... الخ:

= احياء التراث العربي، بيروت) و (التفسير المظهري للمظهري : ۲۴۷/۴، الناشر: المكتبة الرشدية، الباكستان) و (مختصر تفسير البغوي المعروف بمعالم التنزيل : ۳۸/۲، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض)

[1] (الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي : ۱۸۱/۸، الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة)

[2] (تاريخ ابن خلدون : ۴۶۶/۲، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان)

[3] (المستخرج من كتب الناس للتذكرة والمستطرف من أحوال الرجال للمعرفة لابن منده الأصبهاني : ۱۰/۲، الناشر وزارة العدل والشؤون الإسلامية، البحرين)

[4] (تفسير مقاتل بن سليمان : ۱۷۷/۲، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

۴-علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں کہ:

"وجميع ذلك يزيد على خمسين رجلاً ثم ذكر الصالحي اسمائهم فذكرهم سبعاً و خمسين رجلاً."[1]

ترجمہ: اور یہ سب (مؤلفۃ القلوب) پچاس سے زیادہ آدمی ہیں، پھر امام صالحی نے ان کے نام ذکر کیے اور ان کے پچھتر (۷۵) نام ذکر کیے۔ (ترجمہ ختم)

۵-امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) فرماتے ہیں:

"وقد بلغ عددمن عدهم ابن العربي في الأحكام من المؤلفة قلوبهم تسعة و ثلاثين رجلاً."[2]

ترجمہ: اور امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے "احکام القرآن" میں جن لوگوں کو "مؤلفۃ القلوب" میں سے شمار کیا ہے اُن کی تعداد تراننوے (۹۳) تک پہنچ گئی ہے۔

ہنوز بر سر مطلب آمدم!:

بہر حال یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "فتح مکہ" کے موقع پر تالیف قلب سے ہٹ کر ویسے ہی کچھ مال وغیرہ عطا فرمایا ہو کہ جو "تالیف قلب" پر دلالت نہ کرتا ہو، جیسا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنا اسلام چھپائے رکھا اور پھر جب "فتح مکہ" کے موقع پر ظاہر کیا تو انہیں بھی حضور اقدس ﷺ نے "بحرین" کے مال میں سے اتنا عطا فرمایا جتنا کہ وہ اُٹھا سکتے تھے، پس جس طرح یہ واقعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا کچھ مال عطا فرمانا اُن کے بھی "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ دیکھنے والوں نے اُسے "تالیف قلب" کا مال سمجھ لیا ہو اور اس طرح بظاہر صورت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونے کا حکم لگا دیا ہو۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیثمی کی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

---

[1] (التفسير المظهري للفاني فتي: ۱۷۱/٤، الناشر: المكتبة الرشيدية، الباكستان)

[2] (تحرير المعنى السديد و تنوير العقل الجديد من تفسير الكتاب المجيد المعروف بالتحرير و التنوير لابن العربي المالكي ۲۳۶/۱۰، الناشر: دار التونسية للنشر، تونس)

" فان قلت ذكر بعض الأئمة في ترجمته : أنه شهد مع رسول الله صلي الله عليه وسلم حنيناً وأعطاه من غنائم هوازن مائة بعير وأربعين أوقية من الذهب وكان هو وأبوه من المؤلفة قلوبهم ثم حسن اسلامهما ، وهذا يمنع سبق اسلامه علي يوم الفتح اذ لوسبق اسلامه جميع أهله لم يكن كأبيه في عده من المؤلفة ، قلت : لايمنعه بوجه أما أولاً فمن أعده من المؤلفة انما جري علي أن اسلامه لم يكن الا يوم الفتح ، نظير ما وقع لسعد في ما مر عنه آنفاً و يدل لذلك أن من ترجمه بذلك قرنه في ذلك بأبيه وأبوه لم يسلم الا يوم الفتح اتفاقاً ، أما من يقول بتقديم اسلام معاوية قبل الفتح بنحو سنة وأنه انما امتنع من الهجرة للعذر كما مر قلا يعده من المؤلفة ومجرد الاعطاء لا يدل علي التأليف الا تري أن العباس رضي الله عنه كتم اسلامه ثم أظهره يوم الفتح كما مر ثم اعطاء النبي (صلي الله عليه وسلم) ما أطاق حمله من النقد الذي جاء ه من البحرين فكما أن هذا لا يدل علي أن العباس من المؤلفة قلوبهم فكذلك اعطاء معاوية شيئاً له بخصوصه ان فرض صحة وروده لا يدل علي أنه كان من المؤلفة قلوبهم أما أولاً فلما مر مما يدل علي قوة اسلامه وأما ثانياً فالظاهر بكل فرض قوة اسلامه و انه انما أعطاه زيادة في تاليف أبيه لكونه من اكابر مكة وأشرافهم....."[1]

ترجمہ: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض علماء نے حضرت معاویہ ﷺ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ رسول خدا ﷺ کے ساتھ "غزوۂ حنین" میں شریک تھے اور آپ ﷺ نے ان کو "ہوازن" کی غنیمت کے مال میں سے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا عطا فرمایا تھا اور یہ اور آپ ﷺ کے والد دونوں "مؤلفۃ القلوب" میں سے تھے پھر یہ قوی الاسلام ہوگئے اس سے تو یہ معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ "فتح مکہ" سے پہلے اسلام نہیں لائے ، ورنہ اتنے زمانے

[1] تطهير الجنان واللسان عن الخطور والنجوه بثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان ، ص ۸ الناشر : مكتبة الصحابة ، استنبول ، (أبي

تک ان کے تمام گھر والے اور وہ خود اپنے والد کی طرح "مؤلفۃ القلوب" میں سے نہ ہوتے۔
تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے "فتح مکہ" سے پہلے اسلام نہ لانا ثابت نہیں ہوتا، اوّلاً تو اس وجہ سے کہ جن علماء نے آپ ﷺ کو "مؤلفۃ القلوب" میں سے شمار کیا ہے انہوں نے اس وجہ سے کیا ہے کہ (اُن کے گمان کے مطابق گویا) آپ ﷺ "فتح مکہ" کے دن ہی اسلام لائے جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو گمان تھا، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جن علماء نے حضرت معاویہ ؓ کو "مؤلفۃ القلوب" میں شمار کیا ہے، انہوں نے آپ ﷺ کے والد کا ذکر بھی آپ ﷺ کے ساتھ کیا ہے، حالاں کہ آپ ﷺ کے والد بالاتفاق "فتح مکہ" کے دن اسلام لائے، مگر جن علماء نے حضرت معاویہ ؓ کا "فتح مکہ" سے ایک سال پہلے اسلام لانا اور اسلام لاکر حضور اقدس ﷺ کی طرف ایک معقول عذر کی بناء پر ہجرت نہ کرنا بیان کیا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، وہ حضرت معاویہ ؓ کو "مؤلفۃ القلوب" میں شمار نہیں کرتے۔ باقی رہا صرف مال غنیمت کا (زیادہ) دینا تو یہ "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا، کیا دیکھتے نہیں کہ حضرت عباس ؓ نے اپنا پہلے اپنا اسلام چھپائے رکھا اور پھر "فتح مکہ" کے دن ظاہر کیا جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، پھر انہیں حضور اقدس ﷺ نے "بحرین" کے مال میں سے اتنا عطا فرمایا جتنا کہ وہ اُٹھا سکتے تھے، پس جس طرح یہ واقعہ حضرت عباس ؓ کے "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا اسی طرح حضرت معاویہ ؓ کو خصوصیت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا کچھ مال عطا فرمانا اُن کے بھی "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا، اگر بالفرض اسے صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی دو وجہ سے یہ آپ ؓ کے "مؤلفۃ القلوب" ہونے پر دلالت نہیں کرتا: اوّلاً تو اس وجہ سے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ پہلے سے ہی قوی الاسلام تھے۔ اور ثانیاً اس وجہ سے کہ آنحضرت ﷺ نے جو مال غنیمت آپ ؓ کو زیادہ عطا فرمایا تو وہ صرف آپ ﷺ کے والد کی تالیف قلب کے لئے زیادہ عطا فرمایا اس لئے کہ آپ ﷺ کے والد ماجد کا شمار "مکہ مکرمہ" کے اکابر اور اشراف لوگوں میں ہوتا تھا۔ (ترجمہ ختم)

اور امام اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) لکھتے ہیں:

"دوسری بات یہ ہے کہ کبار علماء نے ایک دوسری چیز بھی ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ ﷺ "مؤلفۃ القلوب" میں سے نہیں تھے، بلکہ اُن کے متعلق کبار علماء نے تحریر کیا ہے:

" أما معاوية فبعيد أن يكون منهم ، فكيف يكون منهم ؟ وقد أتمنه النبي علىٰ وحي الله وقرآنه وخلطه بنفسه و أما حاله في ايام ابي بكر فاشهر من هذا و أظهر." [1]

ترجمہ: یعنی یہ بات بعید ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہوں ، حالانکہ ان کو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اُس کی قرأت پر امین قرار دیا اور ان کو اس مسئلہ میں اپنے ساتھ ملایا اور معتمد بنایا اور خلافت صدیقی ﷺ میں حضرت معاویہ ﷺ کا حال زیادہ مشہور اور بیان کرنے سے زیادہ ظاہر ہے (یعنی یہ حالات اس بات کا قرینہ ہیں کہ حضرت معاویہ ﷺ کا اسلام وایمان پختہ تھا اور وہ دینی اُمور میں معتمد علیہ تھے، اُن کے لئے "تالیف خاطر" کی حاجت نہ تھی۔ واللہ اعلم)۔ [2]

بہرحال حضرت معاویہ ﷺ حقیقت میں "مؤلفۃ القلوب" میں سے تھے یا نہیں تھے، مذکورہ بالا تصریحات سے اتنی بات ضرور ثابت ہوگئی ہے کہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونا کوئی نقص اور عیب کی بات نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر حضرت معاویہ ﷺ کو "مؤلفۃ القلوب" میں سے شمار کرنے والے کبار علمائے اہل سنت پر "دشمنانِ معاویہ ﷺ" کا لیبل لگا یا جاسکے اور انہیں "ناقدینِ معاویہ ﷺ" کی صف میں لاکھڑا کیا جاسکے۔

"طلقاء" میں سے ہونا بھی کوئی عیب نہیں ہے!

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ ﷺ کے حق میں جن تین چیزوں کے ذکر کرنے کو آپ ﷺ سے دشمنی رکھنے کے مترادف بتلایا ہے، اُن میں سے تیسری چیز "طلقاء" میں سے ہونا ہے۔ "طلقاء" کا لفظ درحقیقت

---

[1] الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبي : ۱۸۱/۸، الناشر : دار الكتب المصرية ، القاهرة ؛ و أحكام القرآن لابن العربي : ۲۹/۲ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان)

[2] (البداية والنهاية ، امير معاويه ﷺ : ۳۹۰/۲، ۳۹۱، ناشر : دار الكتاب ، اردو بازار ، لاہور)

کلمہ ''طلقاء'' کا مختصر پس منظر:

اس کلمہ کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ''فتح مکہ'' کے موقع پر ''باب کعبہ'' کے پاس آنحضرت ﷺ نے مختلف قسم کے احکامات صادر فرمائے، جن میں سے ایک فرمان آپ ﷺ کا یہ بھی تھا کہ ''اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے زمانہ جاہلیت کا غرور و تکبر اور اپنے آباؤ اجداد کے بڑائی و تفاخر کو دور فرما دیا ہے، تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمائے اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ﴿ یاأیھا الناس انا خلقناکم من ذکر و أنثی..... ﴾ پھر فرمایا: ''اے گروہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ لوگوں نے عرض کیا: ''آپ ﷺ بہتر معاملہ فرمائیں گے، کیوں کہ آپ ﷺ مہربان اور شریف ہیں اور مہربان اور شریف کی اولاد ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''اذھبوا أنتم طلقاء.''[1]

ترجمہ: جاؤ! تم سب معاف ہو۔

''طلقاء'' کے مخاطب کون لوگ تھے؟:

یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ اُس وقت ''طلقاء'' کے مخاطبین کون تھے؟ مؤرخین نے لکھا ہے کہ کوئی ایک قبیلہ یا چند مخصوص افراد آپ ﷺ کے مخاطب نہیں تھے بلکہ اُس وقت مکہ کے متعدد قبائل مثلاً بنی تمیم، بنی عدی، بنی مخزوم، بنی خزیمہ، بنی اسد، بنی بنی نوفل، بنی زہرہ، بنی ہاشم، اور بنی عبد القیس (بنو اُمیہ) وغیرہ وغیرہ قبائل پیش خدمت تھے۔ آپ ﷺ کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا انداز خطاب بلا کسی تخصیص کے سب لوگوں کے لئے یکساں طور پر تھا، لہٰذا صرف ''بنو اُمیہ'' کے چند مخصوص افراد مثلاً ابو سفیان ؓ امیر معاویہ ؓ ولید بن عقبہ ؓ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ وغیرہ حضرات کو ''طلقاء'' کہہ دینا اُن کی ذات میں کسی عیب یا کسی نقص کے ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتا۔

نیز کلمہ ''طلقاء'' صرف ''معافی'' کے الفاظ پر مشتمل ہے لہٰذا اس سے کسی کی حقارت یا کسی کی تنقیص کسی بھی طرح لازم نہیں آتی، یہی وجہ ہے کہ اس کلمہ کی بناء پر صحابہ کرام ؓ کے زمانہ میں اس سے کسی کی تحقیر یا تنقیص ثابت

---

[1] سیرۃ ابن ھشام (۴۱۲/۲، الناشر: شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی و أولادہ بمصر) و (البدایۃ و النھایۃ لابن کثیر، ۳۴۶/۴، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان) و (تاریخ ابن خلدون، ۴۶۱/۲، الناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان)

نہیں۔

بحث کا خلاصہ اور لب لباب:

اس ساری بحث کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہوا کہ جن لوگوں کو حضرت معاویہ ﷺ کے قبل از "فتح مکہ" اسلام لانے کا علم نہیں ہوا تھا، بالخصوص جب کہ حضرت معاویہ ﷺ نے اپنے اسلام لانے کا اظہار بھی اسی موقع پر کیا، نیز جب انہوں نے یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ "ہوازن" کے مال غنیمت میں سے حضرت معاویہ ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ کچھ مال زیادہ عطا فرما رہے ہیں تو اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ چوں کہ حضرت معاویہ ﷺ بھی ابھی ہی ایمان لائے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ آپ ﷺ کی "تالیف قلب" کے لئے آپ ﷺ کو کچھ مال خصوصیت کے ساتھ زیادہ عطا فرما رہے ہیں، اس لئے ان حضرات نے آپ ﷺ کو "مؤلفۃ القلوب" میں سے شمار کر لیا، اگرچہ "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، اور جن لوگوں کو آپ ﷺ کے قبل از "فتح مکہ" اسلام لانے کا علم تھا انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ وہ آپ ﷺ کو "ہوازن" کے مال غنیمت میں سے کچھ زیادہ مال عنایت فرما رہے ہیں تو انہوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی آپ ﷺ پر خصوصی شفقت اور عنایت کا نتیجہ ہے۔

لیکن اگر بالفرض آپ ﷺ کا "مؤلفۃ القلوب" میں سے ہونا مان بھی لیا جائے تب بھی اس سے آپ ﷺ کی ذات یا آپ ﷺ کے مقام میں کوئی عیب یا تنقیص لازم نہیں آتی، اس لئے کہ "فتح مکہ" کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کو کچھ مال وغیرہ عطا فرمایا تھا تو وہ نعوذ باللہ اکسی طمع یا لالچ کی بنیاد پر نہیں دیا تھا جو کہ ایک معیوب قسم کی چیز ہے، بلکہ آپ ﷺ نے ایک خاص حکمت عملی کے تحت ان کی "تالیف قلب" کے لئے ان کی مالی امداد فرمائی تھی۔

پس ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ ﷺ کا "طلقاء" میں سے ہونا کوئی معیوب یا منقوص قسم کی چیز نہیں کہ جس کی وجہ سے آپ ﷺ کی ذات یا آپ ﷺ کے مقام پر کوئی حرف آئے، یا جس کی بنیاد پر آپ ﷺ کو "طلقاء" میں سے شمار کرنے والے کبار علمائے اہل سنت پر "دشمنان معاویہ ﷺ" کا لیبل لگا کر انہیں "ناقدین معاویہ ﷺ" کی صف میں لا کھڑا کیا جا سکے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

لیکن یہاں پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ جب حضرت معاویہ ﷺ نے "فتح مکہ" سے ایک سال پہلے "عمرۃ القضاء" کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے "موئے مبارک" تراشے تھے تو "افطائے

ایمان" کہاں باقی رہا؟۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"..... سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ ﷺ نے "عمرة القضاء" میں نبی اکرم ﷺ کے بال تراشے تو اخفائے ایمان کہاں باقی رہا؟ گویا اُن کا ایمان بھی ناقدین کے لئے سانپ کے منہ میں چھچھوندر کی مثل ہو گیا ہے، نہ اُگلتے بنتی ہے اور نہ نگلتے بنتی ہے....."[1]

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ کا "اخفائے ایمان" باقی ہی تو رہا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ جیسے مشہور و معروف صحابی تک اس سے بے خبر رہے اور عین "فتح مکہ" کے موقع پر جب آپ ﷺ نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تب حضرت سعد ﷺ کو آپ ﷺ کے اسلام لانے کا علم ہوا۔ ان کے علاوہ جانے اور کتنے صحابہ کرام ﷺ کو آپ ﷺ کے قبل از "فتح مکہ" اسلام لانے کا علم نہیں ہوا ہوگا۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

" لا يقال يرد ما حكاه الواقدي أنه أسلم قبل الفتح ، ما ثبت في الصحيحين عن سعد بن أبي وقاص أنه قال: العمرة في أشهر الحج ، فعلناها وهذا أي معاوية يومئذ كافر ، لأنا نقول : ممنوع ذلك ، بل لا رد فيه ، لأن الفرض أنه كتم إسلامه ، فسعد ممن لم يعلم به ، فاستصحب حاله الى يومئذ وقضي عليه بالكفر فيه باعتبار الظاهر و بالنسبة الى علمه ۔[2]

ترجمہ: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ قبل از "فتح مکہ" اسلام لائے تھے، اور یہ بات ایک صحیح حدیث کے خلاف ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: "ایام حج میں ہم نے عمرہ کیا اور اُس وقت حضرت معاویہ ﷺ کافر تھے۔" تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اس سے کوئی مخالفت لازم نہیں آتی، اس لئے کہ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ نے اپنا اسلام چھپائے رکھا تھا تو ممکن ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ اُن لوگوں میں سے

---

[1] (سیدنا معاویہ ﷺ کے ناقدین، ص ۴۲)

[2] (الفهم الحصان والسنان عن الخطور والتفوه بثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان للهيتمي : ص ۸۰۷ ، الناشر : المكتبة الصفقة ، شارع دار الشفقة فاتيح ۵۷ ، استنبول ، ترکی)

ہوں جو حضرت معاویہ ﷺ کے اسلام لانے سے بے خبر ہوں، لہٰذا وہ اپنے علم اور ظاہری حالات کے مطابق حضرت معاویہ ﷺ کو اُس وقت تک کافر سمجھتے رہے ہوں۔

نیز چوں کہ وہ زمانہ الیکٹرانک یا پرنٹ میڈیا کا تو تھا نہیں کہ پل پل کی خبر اور نیوز سے ہر وقت ہر آدمی باخبر رہ سکتا ہو، اور نہ ڈاک وغیرہ کا کوئی خاص تیز انتظام تھا اور جو تھا بھی وہ بھی حد درجہ کمزور، اس لئے بہت زیادہ ممکن ہے کہ کئی ایک صحابہ کرام ﷺ آپ ﷺ کے قبل از "فتح مکہ" اسلام لانے سے بے خبر رہ گئے ہوں، بالخصوص جب کہ آپ ﷺ خود اپنا اسلام اپنی والدہ سے ڈر کے مارے چھپائے ہوئے تھے تو ایسی صورت میں تو اور بھی زیادہ آپ ﷺ کے "اخفائے اسلام" کا احتمال باقی رہتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"و حكي ابن سعد أنه كان يقول لقد أسلمت قبل عمرة القضية و لكني كنت أخاف أن أخرج إلى المدينة، لأن أمي كانت تقول: ان خرجت قطعنا عنك القوت"۔[1]

ترجمہ: ابن سعدؒ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ خود فرماتے ہیں کہ میں "عمرۃ القضاء" سے پہلے ہی اسلام لے آیا تھا، لیکن مدینہ منورہ (آنحضرت ﷺ) کی طرف ہجرت کرنے سے ڈرتا تھا، کیوں کہ میری والدہ مجھے کہا کرتی تھیں کہ اگر تو نے (اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ آنحضرت ﷺ کی طرف) ہجرت کی تو ہم تیرا کھانا پینا بند کر دیں گے۔ (ترجمہ ختم)

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدر، اُحد، خندق اور غزوۂ حدیبیہ میں حضرت معاویہ ﷺ کفار کی جانب سے شریک نہ ہوئے، حالاں کہ اُس وقت آپ ﷺ جوان تھے۔ آپ ﷺ کے والد حضرت ابوسفیان ﷺ سالار کی حیثیت سے شریک ہو رہے تھے اور آپ ﷺ کے ہم عمر جوان بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود آپ ﷺ کا شریک نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اسلام کی حقانیت ابتداء ہی سے آپ ﷺ کے دل میں گھر کر چکی تھی، لیکن آپ ﷺ نے "فتح مکہ" کے موقع تک والدہ کے ڈر سے اپنا ایمان چھپائے رکھا۔

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کا خود اپنے ہی اُصول سے انحراف:

---

[1] (الاصابة في معرفة الصحابة لابن حجر العسقلاني: ۱۴۳/۳، الناشر:)

اور یہ اُصول تو خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے تسلیم کر رکھا ہے کہ خود صاحب معاملہ کے قول کو ترجیح دینا زیادہ صحیح ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"عام مؤرخین کے اقوال کے مقابلے میں خود صاحب معاملہ کے اپنے قول کو ترجیح دینا ہی زیادہ صحیح ہے۔" [1]

لیکن یہاں پر خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب اپنے اسی مسلمہ اُصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خود صاحب معاملہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے قول کے برخلاف آپ رضی اللہ عنہ کے اخفائے اسلام کا سرعام انکار کر رہے ہیں:

آپ ہی اپنی "اداؤں" پہ غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو بے ادبی ہوگی

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی دو متضاد عبارتیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے (علی حسب اختلاف الروایات) بعد از "فتح مکہ" یا قبل از "فتح مکہ" اسلام قبول کرنے کے ساتھ ساتھ "اخفائے ایمان" پر بحث کرتے ہوئے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

..... "کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ "فتح مکہ" کے بعد ایمان لائے، کبھی ایمان کا قبل از "فتح مکہ" اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ "کتمانِ ایمان" کا الزام عائد کر دیا جاتا ہے"۔ [2]

حالاں کہ اسی کتاب کے گزشتہ سے پیوستہ صفحہ پر خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کا قبل از "فتح مکہ" اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ "کتمانِ ایمان" کا تذکرہ کیا ہے۔

چنانچہ پروفیسر آں موصوف لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرمایا کرتے تھے کہ وہ "عمرۃ القضاء" کے موقع پر اسلام لائے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی اور اپنے اسلام کو اپنے والدین سے مخفی رکھا۔" [3]

---

[1] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۳۰)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۳۰)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب طعنہ تو ہمیں دیتے ہیں لیکن قصور اُن کا اپنا نکل آیا، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے مخلص کے منہ سے کبھی کبھی حق بات اُگلوا ہی دیتے ہیں۔

''اجتہادی خطاؤں'' میں حضرت معاویہ ؓ ہی پیش پیش کیوں؟

صحابیِ رسول سیدنا امیر معاویہ ؓ کے حق اور دفاع میں انجام دیئے جانے والے علمائے اہل سنت کے دفاعی کارناموں سے غیر مطمئن اور نالاں پروفیسر طاہر ہاشمی لکھتے ہیں:

''خلفائے راشدین ؓ اُن کے اُمراء، گورنروں اور دیگر صحابہ ؓ وائمہ مجتہدینؒ میں سے کس کس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اُن سے کبھی ''خطائے اجتہادی'' سرزد نہیں ہوئی؟ کیا ان کی خطائیں بھی زیر بحث لائی جاتی ہیں؟۔

پھر معلوم نہیں کہ تمام صحابہ ؓ وائمہ مجتہدینؒ کی اجتہادی خطاؤں کو ''نظر انداز'' کرکے تنہا حضرت معاویہ ؓ کو ہی ہدف تنقید کیوں بنایا جاتا ہے؟ کیا باقی سب حضرات اپنے اجتہاد میں ہمیشہ ''مصیب'' ہی تھے؟۔''[1]

اجتہادی خطائیں حضرت معاویہ کے علاوہ اور بھی کئی حضرات سے صادر ہوئی ہیں!

اس میں شک نہیں کہ خلفائے راشدین ؓ اُن کے اُمراء، گورنروں اور دیگر صحابہ ؓ وائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اُن سے کبھی خطاء سرزد نہیں ہوئی ہے، بلکہ کئی حضرات سے کچھ نا کچھ اجتہادی خطائیں ضرور واقع ہوئی ہیں، لیکن اوّلاً تو حضرت معاویہ ؓ کی اجتہادی خطائیں اس لئے زیادہ نمایاں ہیں کہ اُن کا براہ راست تعلق ''مشاجرات صحابہ ؓ'' سے ہے، جہاں مقابلہ پر کوئی عام مجتہد نہیں بلکہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ ؓ ہیں، اور چوں کہ مشاجرات پر الگ الگ مؤقف اپنانے سے درجنوں فرقے وجود میں آئے ہیں، اس لئے یہاں درست مؤقف بیان کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ اہل سنت کے وجود کو قائم رکھنا ضروری ہے، نیز درست مؤقف کی وضاحت کے لئے حضرت معاویہ ؓ کی خطائے اجتہادی کو بیان کرنا بھی اسی قدر ضروری ہے، کیوں کہ یہی اہل سنت کا اصل مسلک ہے اور اس سے انحراف احادیث متواترہ کی مخالفت کو مستلزم ہے، اس سے دائیں بائیں ہوکر آدمی یا ''ناصبیت'' کے گڑھے میں جا گرتا ہے یا ''رافضیت'' کے گڑھے میں۔

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۳۶، ۳۷)

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی یہ بات بنیادی طور پر اپنی جگہ بالکل غلط ہے کہ ان تمام صحابہ ﷺ وائمہ مجتہدین کی "اجتہادی خطاؤں" کو نظر انداز کر کے تنہا حضرت معاویہ ﷺ کو ہی ہدف تنقید بنایا جاتا ہے، اس لئے کہ کتب فقہ اور شروح حدیث حضرت معاویہ ﷺ کے علاوہ دیگر کئی صحابہ ﷺ وائمہ مجتہدینؒ کی اجتہادی خطاؤں کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

دیگر صحابہ ﷺ وائمہ مجتہدینؒ سے اجتہادی خطائیں صادر ہونے کی مثالیں:

پہلی مثال:

۱- وعن أسامة بن زيد ، قال: بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الى أناس من جهينة ، فأتيت على رجل منهم ، فلما أطعنه ، فقال : لا اله الا الله ، فطعنته ، فقتلته ، فجئت الى النبي صلى الله عليه وسلم فأخبرته، فقال: أقتلته وقد شهد أن لا اله الا الله ؟" قلت يارسول الله! انما فعل ذلك تعوذا . قال : فهلا شققت عن قلبه ؟" متفق عليه .

قال القاري في شرحه : ظن رضي الله عنه أن اسلامه لا عن صميم قلبه ، أو اجتهد في هذا أن الايمان في مثل هذه الحالة لا ينفع ، فبينه صلى الله عليه وسلم أنه أخطأ في اجتهاده ."[1]

ترجمہ: اسامہ بن زید ﷺ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے "جہینہ" کے کچھ لوگوں کی طرف مجھے بھیجا، پس اُن کے ایک آدمی کے پاس میں آیا اور اُسے نیزے سے مارنا شروع کر دیا تو اُس نے کہا: "لا الہ الا اللہ!" پس میں نے نیزے سے اُس کو قتل کر دیا۔ پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تو نے اُس کو قتل کر دیا؟ حالاں کہ اُس نے گواہی دی کہ: "اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں؟" میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! اُس نے صرف (قتل ہونے سے) پناہ لینے کے لئے ایسا کیا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "پھر تو نے اُس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا؟"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: "اسامہ بن زید ﷺ نے یہ گمان کیا کہ اُس نے دل کے یقین سے اسلام قبول نہیں کیا، یا اُنہوں نے اس مسئلہ میں اجتہاد کیا کہ ایسی حالت میں ایمان نفع مند نہیں ہوتا، پس آپ ﷺ نے واضح فرما دیا کہ "اُنہوں نے اپنے اجتہاد میں خطاء کی ہے۔" (ترجمہ ختم)

---

[1] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لملا علي القاري الحنفي : ۶/ ۲۲۶ ، الناشر : دار الفكر ، بيروت ، لبنان)

دوسری مثال:

۲-مال و دولت، سونا چاندی وغیرہ جمع کرنے کے متعلق حضرت ابوذر غفاری ﷺ کا یہ مسلک مشہور و معروف ہے جو انہوں نے اپنے اجتہاد کی بناء پر مستنبط کر رکھا تھا کہ ایک دن کی روزی سے زیادہ رقم اپنے پاس رکھنا حرام ہے، حالاں کہ اُن کا یہ مسلک قرآن وسنت کے واضح دلائل کے خلاف ہے، اسی وجہ سے صحابہ کرام ﷺ میں سے کوئی ایک بھی اس معاملے میں اُن کا ہم نوا نہ ہوا، بلکہ سب کے نزدیک اُن سے اس مسئلہ میں "خطائے اجتہادی" صادر ہوئی تھی، اور اُمت کے جمہور علماء نے ہمیشہ دلائل کے ذریعے اُن کے اس مسلک کی تردید کی ہے، اور انہیں اس مسئلہ میں "مجتہد مخطی" کہا ہے۔

چنانچہ علامہ ابوعمر یوسف بن عبداللہ نمری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

" فأما أبو ذر (رضي الله عنه) فروي عنه في ذلك آثار كثيرة في بعضها شدة كلها تدل علي أنه كان يذهب الي أن كل مال مجموع يفضل عن القوت و سداد العيش فهو كنز وأن آية الوعيد نزلت في ذلك ."[1]

ترجمہ: اور بہر حال حضرت ابوذر ﷺ تو اُن سے اس بارے میں بہت زیادہ آثار مروی ہیں، جن میں سے بعض میں شدت بھی ہے۔ یہ سب آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری ﷺ کا مذہب یہ تھا کہ کھانے پینے اور سامان زندگی سے زائد جمع شدہ جتنا بھی مال ہو وہ "کنز" ہے۔ اور یہ کہ آیت وعید اسی "کنز" کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (ترجمہ ختم)

تیسری مثال:

۳-اسی طرح کسی جانور کے ذبح کرتے وقت اس پر جان بوجھ کر "بسم اللہ ... الخ" چھوڑ کر اُسے ذبح کر دینا اور پھر اُسے کھالینا دلائل قطعیہ کی بناء پر گناہ کبیرہ ہے، لیکن اس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک مشہور و معروف ہے جو اُنہوں نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر مستنبط کیا ہے کہ ایسے جانور کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور اُس کا کھانا بھی حلال ہے، حالاں کہ اُن کا یہ مسلک قرآن وسنت کے واضح دلائل کے خلاف ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شافعی المسلک

---

[1] الاستذکار للنمری: ۱۷۳/۳، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

انسان جان بوجھ کر "بسم اللہ..... الخ" چھوڑ کر اُسے ذبح کرے اور پھر اُسے کھالے تو اُس کا یہ عمل دلائل شرعیہ کی رو سے گناہ کبیرہ کے زُمرے میں آئے گا، لیکن چوں کہ اُس کا یہ عمل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دیانت دارانہ اجتہاد کی بنیاد پر صادر ہوا ہے، اس لئے اُس کا یہ ذبیحہ حرام کہلائے گا اور نہ ہی اس کے کھانے سے وہ گناہ گار ہوگا۔

چوتھی مثال:

۴- واذا قال الحاكم للحداد : اقطع يمين هذا في سرقة فقطع يساره عمدا لا شيّ عليه عند أبي حنيفة لأنه أتلفها ببدل وهي اليمنى فأتلف و أخلف من جنسه ما هو خير منه فلا يعد اتلافا و عندهما يضمن القاطع في العمد ولاشيّ عليه في الخطأ. وقال زفر : يضمن في الخطأ أيضاً لأنه قطع يداً معصومة والخطأ في حق العباد غير موضوع أي غير معفو عنه. قلنا :انه أخطأ في اجتهاده اذ ليس في النص تعيين اليمين ، والخطأ في الاجتهاد معفو عنه ."[1]

ترجمہ: اور جب حاکم نے حد مارنے والے سے کہا کہ اس شخص کا دایاں ہاتھ چوری کرنے کی پاداش میں کاٹ دے، پس اُس نے جان بوجھ کر اُس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُس پر کچھ نہیں ہے۔ کیوں کہ اُس نے دائیں ہاتھ کے بدلے میں بایاں ہاتھ تلف کیا ہے، پس اُس نے تلف کیا اور ضائع کیا اُسی کی جنس سے اُس چیز کو جو اُس سے بہتر ہے، لہٰذا اُسے تلف کرنا شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اگر اُس نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو ضامن ہوگا، لیکن اگر خطاء اور غلطی میں ایسا کیا ہے تو پھر اُس پر کچھ نہیں ہے۔ اور امام زُفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خطاء اور غلطی میں بھی وہ ضامن ہوگا، کیوں کہ اُس نے ایک بے گناہ ہاتھ کاٹا ہے۔ اور بندوں کے حق میں غلطی معاف نہیں ہوتی۔

ہم کہتے ہیں کہ امام زُفر رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے اجتہاد میں خطاء ہوگئی ہے اس لئے کہ نص میں دائیں ہاتھ کی کوئی تعیین نہیں ہے، اور اجتہاد میں غلطی معاف ہوتی ہے۔

صحابہ کرام ؓ سے بشری خطائیں صادر ہونے کی مثالیں:

نیز اجتہادی خطاؤں کے علاوہ بشری خطاؤں اور معاصی کا ذکر بھی کتب حدیث میں موجود ہے، جس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے!:

---

[1] الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، ۲/ ۱۷۰، الناشر: المطبعة الخيرية

پہلی مثال:

۱ – حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا سفيان عن عمرو بن دينار قال : أخبرني الحسن بن محمد أنه سمع عبيد الله بن أبي رافع يقول : سمعت عليا رضي الله عنه يقول : بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم أنا والزبير والمقداد فقال : انطلقوا حتى تأتوا روضة خاخ ، فإن بها ظعينة معها كتاب فخذوا منها قال : فانطلقنا تعادى بنا خيلنا حتى أتينا الروضة فإذا نحن بالظعينة قلنا لها : أخرجي الكتاب قالت : مامعي كتاب . فقلنا : لتخرجن الكتاب أو لتلقين الثياب. قال : فأخرجته من عقاصها فأتينا به رسول الله صلى الله عليه وسلم فإذا فيه : من حاطب بن أبي بلتعة إلى ناس بمكة من المشركين يخبرهم ببعض أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : يا حاطب ماهذا ؟ قال : يا رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتعجل علي إني كنت امرأ ملصقاً في قريش يقول : كنت حليفاً ولم أكن من أنفسها وكان من معك من المهاجرين من لهم قرابات يحمون أهليهم وأموالهم فأحببت إذ فاتني ذلك من النسب فيهم أن أتخذ عندهم يداً يحمون قرابتي ولم أفعله ارتداداً عن ديني ولا رضاً بالكفر بعد الإسلام . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : أما إنه قد صدقكم فقال عمر : يا رسول الله دعني أضرب عنق هذا المنافق فقال: إنه قد شهد بدراً وما يدريك لعل الله اطلع على من شهد بدراً؟ فقال : اعملوا ماشئتم فقد غفرت لكم. فأنزل الله السورة: يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة وقد كفروا بما جاءكم من الحق . (الممتحنة) إلى قوله : فقد ضل سواء السبيل) [1]

ترجمہ: حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ مجھے، زبیر ؓ اور مقداد ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے روانہ فرمایا اور ہدایت کی کہ (مکہ کے راستہ پر) چلے جاؤ، مقام "روضہ خاخ" پر پہنچو گے تو وہاں تمہیں "ہودج" میں ایک عورت ملے گی، وہ ایک خط لیے ہوئے ہوگی، تم وہ خط اس سے لے لینا، حضرت علی ؓ کہتے ہیں کہ پھر ہم روانہ ہوئے، ہمارے گھوڑے ہمیں تیزی کے ساتھ لیے جا رہے تھے، جب ہم "روضہ خاخ" پر پہنچے تو واقعی وہاں ہمیں ایک عورت "ہودج"

---

[1] (صحيح البخاري : ٥/١٤٥ ، الناشر : دار طوق النجاة)

میں ملی، ہم نے اُس سے کہا کہ خط نکالو، وہ کہنے لگی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، لیکن ہم نے جب اُس سے کہا کہ اگر تم نے خود سے خط نکال کر ہمیں نہ دیا، تو ہم تمہارا کپڑا اُتار کر تلاشی لیں گے، تب اُس نے اپنی چوٹی میں سے وہ خط نکالا۔ ہم وہ خط لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہاں جب خط پڑھا گیا) تو اُس میں یہ لکھا تھا کہ حاطب بن ابی بلتعہ ﷺ کی طرف سے مشرکین مکہ کے کچھ لوگوں کے نام، اس میں اُنہوں نے مشرکین کو حضور اکرم ﷺ کے ایک راز کی اطلاع دی تھی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: حاطب! یہ کیا (معاملہ) ہے؟" حضرت حاطب ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے بارے میں فیصلہ کرنے میں آپ ﷺ جلدی نہ فرمایئے! ((مکہ کی زندگی میں) میں قریش کے ساتھ رہتا تھا، میں صرف اُن کا حلیف تھا، اُن سے میری کوئی قرابت نہیں تھی، لیکن جو دوسرے مہاجرین آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، اُن سب کی قریش کے ساتھ قرابت ہے، اس لئے اُن کے (مکہ کے) عزیز واقربا وہاں اُن کی اولاد اور اُن کے اموال کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن چوں کہ میرا اُن سے کوئی نسبی تعلق نہیں تھا، اس لئے میں نے چاہا کہ اُن پر ایک احسان کردوں اور وہ اُس کے بدلہ میں (مکہ میں موجود) میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں، میں نے یہ کام اپنے دین سے پھر کر نہیں کیا، اور نہ ہی اسلام لانے کے بعد میرے دل میں کفر کی حمایت کا کوئی جذبہ ہے۔" اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: واقعی! انہوں نے تمہارے سامنے سچی بات کہہ دی ہے۔" حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اُڑادوں!۔" لیکن حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ غزوۂ بدر میں شریک رہ چکے ہیں، اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ (جو غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کے اعمال پر واقف ہے کہ آئندہ وہ کیا کریں گے) نے اُن کے متعلق خود فرمادیا ہے کہ: "جو چاہو کرو! میں نے تمہارے گناہ معاف کردیئے ہیں"۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ترجمہ: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ اُن سے تم اپنی محبت کا اظہار کرتے رہو۔۔۔ الیٰ قولہ۔۔۔ فقد ضل سواء السبیل۔

دوسری مثال:

۲۔عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : لما أتي ماعز بن مالك النبي صلي الله عليه وسلم قال له : لعلك قبلت أو غمزت أو نظرت ؟ قال : لا يا رسول الله ! قال : أنكتها ؟ لا يكني قال : فعند ذلك أمر برجمه ."[1]

---

[1] : صحیح البخاری : ۱۶۷/۸ ، الناشر : دار طوق النجاة)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت ماعز بن مالک ﷺ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تو حضور ﷺ نے اُن سے فرمایا: "غالباً تم نے بوسہ لیا ہوگا، یا اشارہ کیا ہوگا یا دیکھا ہوگا؟" عرض کیا: "نہیں یا رسول اللہ ﷺ! حضور ﷺ نے فرمایا: "کیا پھر تم نے ہم بستری ہی کر لی ہے؟" اس مرتبہ آپ ﷺ نے کنایہ سے کام نہیں لیا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں رجم کا حکم دیا۔ (ترجمہ ختم)

تیسری مثال:

۳- اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے ساتھ حضرت صفوان بن معطل ﷺ جیسے مقدس صحابی پر منافقین نے تہمت گھڑی، تو چند سیدھے سادے صحابہ کرام ﷺ بھی اُن کی سازش سے متاثر ہو کر تہمت کے تذکرے کرنے لگے۔ مسلمانوں میں سے دو مرد حضرت حسان بن ثابت ﷺ اور حضرت مسطح ﷺ اور ایک عورت سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا اس میں مبتلا ہوئے، جن پر رسول اللہ ﷺ نے آیات نازل ہونے کے بعد "حد قذف" جاری فرمائی۔ مؤمنین سب تائب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کی توبہ قبول فرمائی۔ حضرت حسان ﷺ اور حضرت مسطح ﷺ دونوں شرکائے بدر میں سے ہیں، جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مغفرت کا اعلان فرما دیا ہے۔

ہنوز بر سر مطلب آمدم!:

اور دوسرے یہ کہ علمائے اہل سنت والجماعت نے جہاں کہیں بھی حضرت معاویہ ﷺ کی خطائے اجتہادی کا ذکر کیا ہے تو وہ (خاکم بدہن) آپ ﷺ کی ذات کو طعن وتنقید کا ہدف بنانے کے طور پر ہرگز نہیں کیا کہ جس سے (نعوذ باللہ!) آپ ﷺ کی ذات بابرکات یا آپ ﷺ کے مقام عالی شان کے خلاف کسی قسم کا کوئی پروپیگنڈا کھڑا کرنا یا آپ ﷺ کے مقام صحابیت کا تقدس مجروح کرنا مقصود ہو، بلکہ اس سے "مشاجرات صحابہ ﷺ" کے متعلق صحیح موقف اور اس کے دلائل واضح کرنا مقصود تھا، اس لئے کہ اس بارے میں شیعہ، خوارج، معتزلہ اور مرجیہ سب الگ الگ مذہب رکھتے ہیں، اور انہی مشاجرات پر الگ الگ نظریات نے مختلف فرقوں کو جنم دیا ہے، جن کی تردید انتہائی لازمی ہے۔

مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کی ابتدا اور اُس کے اسباب:

خلافت راشدہ موعودہ کا زوال حضرت عثمان غنی ﷺ کے زمانہ خلافت میں ایک ایسے فتنہ سے شروع ہوا جس کی ابتدا ظاہر کچھ بہت زیادہ خطرناک نہ تھی، بلکہ صرف ایک شورش تھی جو بعض سیاسی وانتظامی شکایات کی بنا پر پیدا

عثمان غنی ؓ کے خلاف اُن کے آخری دور میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی، اُس کی پشت پر نہ کوئی نظریہ اور فلسفہ تھا اور نہ ہی کوئی مذہبی عقیدہ، مگر جب اُس کے نتیجے میں آں جناب کی شہادت واقع ہوگئی، اور حضرت علی ؓ کے عہد خلافت میں نزاعات کے طوفان نے ایک زبردست خانہ جنگی کی صورت اختیار کرلی، اور جنگ جمل، جنگ صفین، تقضیہ تحکیم، اور جنگ نہروان کے واقعات پے در پے پیش آتے چلے گئے، تو ذہنوں میں یہ سوالات اُبھرنے اور جگہ جگہ موضوع بحث بننے لگے کہ ان لڑائیوں میں حق پر کون ہے اور کیوں ہے؟ باطل پر کون ہے اور اُس کے برسر باطل ہونے کی وجوہ کیا ہیں؟ کسی کے نزدیک اگر فریقین باطل پر یا حق پر ہیں تو وہ کس بنا پر یہ رائے رکھتا ہے؟ اور کوئی اگر فریقین کے معاملہ میں سکوت یا غیر ضابطہ داری اختیار کرتا ہے تو اُس کے پاس اپنی اس روش کے لئے کیا دلیل ہے؟ ان سوالات کے نتیجے میں چند قطعی اور واضح نظریات پیدا ہوئے جو اپنی اصل کے لحاظ سے خالص سیاسی تھے، مگر بعد میں ہر نظریے کے حامی گروہ کو بہ تدریج اپنا موقف مضبوط کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ دینیاتی بنیادیں فراہم کرنی پڑیں، اور اس طرح یہ سیاسی فرقے رفتہ رفتہ مذہبی فرقوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ اور اس طرح ان سیاسی اختلافات نے مذہبی اختلافات کی بنیاد قائم کرلی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ جو لوگ جنگ جمل وصفین وغیرہ لڑائیوں میں ادھر یا اُدھر سے شریک ہوئے اُن میں برسر حق کون تھا؟ اور آیا دوسرا فریق اس آیت کا مستحق ہے یا نہیں؟:

" و من یقتل مؤمناً متعمداً فجزاہ جھنم خالداً فیھا "۔[1]

ترجمہ: جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا، اُس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

تفرقہ واختلاف کے اس دور میں جو کثیر التعداد فرقے پیدا ہوئے، اُن سب کی جڑ دراصل چار فرقے تھے:

﴿۱﴾ شیعہ ﴿۲﴾ خوارج ﴿۳﴾ مرجیہ ﴿۴﴾ معتزلہ۔

شیعہ:

معتدل شیعہ حضرات اس کے قائل تھے کہ حضرت علی ؓ افضل الخلق ہیں، ان سے لڑنے والا یا ان سے بغض رکھنے والا اللہ کا دشمن ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اور اُس کا حشر کفار اور منافقین کے ساتھ ہوگا۔ بنا بریں اس گروہ کے نزدیک حضرت علی ؓ مؤمن اور حضرت معاویہ ؓ (نعوذ باللہ) کافر ہیں۔

---

[1] (النساء: ۹۳/۱)

خوارج:

اس کے برعکس "خوارج" اس کے قائل تھے کہ چوں کہ طرفین نے ایک دوسرے پر جان بوجھ کر تلوار اُٹھائی اس لئے دونوں جہنمی ہیں۔ چنانچہ اسی اُصول کی بناء پر ان تمام خانہ جنگیوں میں وہ دونوں جماعتوں کو برابر کا فر جانتے تھے۔ اور چوں کہ "قتل عمد" گناہ کبیرہ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے دائمی جہنم کی دھمکی دی ہے جو کافروں کی سزا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کافر ہیں۔

مرجیہ:

شیعوں اور خارجیوں کے انتہائی متضاد نظریات کا ردِ عمل ایک تیسرے گروہ کی پیدائش کی صورت میں ہوا، جسے "مرجیہ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس نے بعض احادیث کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں۔ گناہ سے مؤمن کسی طرح عذاب کا مستحق نہیں ہوتا، چہ جائے کہ اس سے کفر لازم آئے۔ اس گروہ کے نزدیک حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں اپنے اپنے اجتہادات میں "مصیب" ہیں۔

معتزلہ:

اسی ہنگامہ خیز دور میں ایک چوتھا طرزِ فکر پیدا ہوا، جس کو اسلامی تاریخ میں "اعتزال" کا نام دیا گیا ہے، اگرچہ پہلے تین گروہوں کی طرح اس کی پیدائش خالص سیاسی اسباب کا نتیجہ نہ تھی، لیکن اس نے بھی اپنے وقت کے سیاسی مسائل میں چند قطعی نظریات پیش کیے اور اُس مجادلہ، افکار و آراء میں پوری شدت کے ساتھ حصہ لیا جو اُس وقت سیاسی اسباب سے تمام دُنیائے اسلام میں عموماً اور عراق میں خصوصاً چھڑا ہوا تھا، اس فرقہ نے گزشتہ دونوں فریقوں کے دلائل سن کر یہ فیصلہ کیا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مؤمن ہے نہ کافر، بلکہ وہ کفر اور ایمان کے بیچ کی منزل میں ہے۔ اس گروہ کے نزدیک حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں "فاسق" ہیں۔

اہل سنت والجماعت:

ان متحارب اور متشدد گروہوں کے درمیان مسلمانوں کا سوادِ اعظم اپنے خیالات میں اُنہیں نظریات اور اصولوں پر قائم تھا جو حضرات خلفائے راشدینؓ کے زمانے سے مسلم چلے آرہے تھے اور جنہیں جمہور صحابہؓ و تابعینؒ اور عامہ مسلمین ابتدا سے اسلامی اصول و نظریات سمجھتے تھے، مسلمانوں کی یہ مشکل ۸۰ فی صد آبادی اس

تفرقے سے متاثر ہوئی تھی۔

اہل سنت کا اس بارے میں یہ فیصلہ تھا کہ یہ "قتل عمد" نہیں بلکہ "قتل خطاء" ہے کہ ہر ایک فریق اپنے کو برسر حق جان کر اور دوسرے کو برسر باطل سمجھ کر خدا ہا اور اعتقاداً دوسرے کا خون بہانا جائز اور مباح سمجھتا تھا، اس لئے اس کا فیصلہ اُس کے ہاتھ ہے جو حقیقت حال سے واقف اور نیتوں کے اصل منشاء سے آگاہ ہے۔ اس گروہ کے نزدیک حضرت علی ؓ "مجتہد مصیب" تھے اور حضرت معاویہ ؓ "مجتہد مخطی" تھے۔

کسی مجتہد کو قطعی طور پر "مصیب" یا "مخطی" کہا جاسکتا ہے؟

کیا کسی مجتہد کو قطعی طور پر "مصیب" یا "مخطی" کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ پروفیسر باقی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "..... پھر یہ بھی کوئی قطعی بات نہیں کہ جسے "مجتہد مصیب" کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مصیب ہو اور جسے "مجتہد مخطی" کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مخطی ہو، کیونکہ مصیب قرار دیے جانے کے باوجود "خطاء" کا احتمال باقی رہتا ہے اور مخطی کہنے کے باوجود "صواب" کا احتمال ہوسکتا ہے، یعنی " صواب محتمل الخطاء " اور " خطاء محتمل الصواب" لہٰذا ایسی صورت میں صحابہ ؓ و ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک فریق یا فرد کو پورے تیقن کے ساتھ "مخطی" کہنا، کہلوانا اور دوسروں سے جبراً منوانا "ذکر بالخیر" اور "کف لسان" کے حکم کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔" [1]

جی ہاں! کسی مجتہد کو قطعی طور پر "مصیب" یا "مخطی" کہا جاسکتا ہے!

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی بھی ایک فریق یا کسی بھی ایک فرد کو پورے تیقن کے ساتھ "مصیب" یا "مخطی" نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ اس بات کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے کہ جس مجتہد کو بظاہر "مصیب" کہا ہے وہ حقیقت میں "مخطی" ہو اور جس مجتہد کو بظاہر "مخطی" کہا ہے وہ حقیقت میں "مصیب" ہو، لیکن بایں ہمہ اس حقیقت سے بھی سر مو اختلاف نہیں کیا جاسکتا کہ اگر صاحب شریعت کسی مسئلہ میں کسی مجتہد کے "مصیب" یا "مخطی" ہونے کی واضح علامت بتادے اور اس پر اجماع ہو جائے تو اُس صورت میں بہر حال

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین، ص ۴۷)

اس مجتہد کو قطعی طور پر "مصیب" یا "خطی" ماننا پڑے گا۔

خطائے اجتہادی پر جب اجماع منعقد ہو جائے تو وہ قطعی اور یقینی خطاء تصور کی جاتی ہے!:

چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں یہی صورت ہے کہ جب حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ نے اپنے اپنے اجتہادات کی روشنی میں جنگ صفین کی صورت میں جو مشہور لڑائی لڑی ہے تو اس میں یہ تصریح علمائے اہل سنت حضرت علی ؓ مصیب تھے اور حضرت معاویہ ؓ خطی تھے، دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر ؓ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے پہلے ہی سے یہ پیش گوئی فرمادی تھی کہ: "حضرت عمار ؓ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔" اور حضرت عمار ؓ جو کہ حضرت علی ؓ کے لشکر میں تھے انہیں حضرت معاویہ ؓ کے لشکر کے افسر ابوالغادیہ ؓ نے قتل کیا تھا، جس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت علی ؓ اپنے اس اجتہاد میں "مصیب" تھے اور حضرت معاویہ ؓ "خطی" تھے۔

نیز حضرت علی ؓ کے "مصیب" ہونے پر وہ صحیح حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں آتا ہے کہ:

"تمرق مارقة عند فرقة من المسلمين يقتلها أولى الطائفتين بالحق." [1]

ترجمہ: مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے وقت ایک گروہ (اُمت سے) نکل جائے گا اور اس کو وہ گروہ قتل کرے گا جو مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں حق کے زیادہ قریب ہوگا۔ (ترجمہ ختم)

اس حدیث میں اُمت سے نکل جانے والے فرقے سے مراد یا الاتفاق خوارج ہیں، جنہیں حضرت علی ؓ کی جماعت نے قتل کیا، اور اسی جماعت کو حضور اقدس ﷺ نے حق سے زیادہ قریب فرمایا ہے، اس لئے کہ اہل عراق اور اہل شام کی جنگ میں حضرت علی ؓ کی جماعت حضرت معاویہ ؓ کی جماعت کے مقابلہ میں نسبتاً حق کے زیادہ قریب تھی۔

ان دلائل پر غور کرنے کے نتیجے میں قرن اول کے دو (مختلف) گروہوں میں سے ایک قول پر قرن ثانی میں اجماع ہو گیا۔

چنانچہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

"..... الا أن أهل العصر الثاني من بعدهم اتفقوا على العقاد بيعة

---

[1] صحيح المسلم: ۲/۷۴۵، الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان) و (مسند الامام أحمد بن حنبل: ۱۱/۳۷۷، الناشر: مؤسسة الرسالة)

علي ولزومها للمسلمين أجمعين، وتصويب رأيه فيما ذهب اليه، وتعيين الخطأ من جهة معاوية، و من كان علي رأيه، و خصوصاً طلحة والزبير لانقياضهما علي عليٍّ بعد البيعة له فيما نقل مع دفع التأثيم عن كل من الفريقين، كالشان في المجتهدين، وصار ذلک اجماعاً من أهل العصر الثاني علي أحد قولي أهل العصر الأول، كما هو معروف."[1]

ترجمہ:..... مگر یہ کہ عصر اوّل کے لوگوں کے بعد عصر ثانی کے لوگ "بیعت علی ؓ" کی صحت اعتقاد پر متفق ہو گئے، اور اس بات پر بھی کہ اب تمام مسلمانوں کو ان کی بیعت کر لینی ضروری ہے، اور اس پر بھی حضرت علی ؓ کی رائے درست ہے، اور حضرت معاویہ ؓ اور اُن کے ہم نواؤں خصوصاً حضرت طلحہ ؓ اور حضرت زبیر ؓ کی رائے درست نہیں، کیوں کہ اُنہوں نے بیعت کر لینے کے بعد حضرت علی ؓ کی بیعت توڑ دی، اور اس پر بھی متفق ہو گئے کہ دونوں فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی گناہ گار نہیں، جیسا کہ مجتہدین کا حکم ہے۔ اور (اس طرح) یہ عصر اوّل کے لوگوں کے دو (مختلف) قولوں میں سے ایک قول پر عصر ثانی کے لوگوں کا اجماع ہو گیا، جیسا کہ (دور اوّل کے اس ایک قول پر دور ثانی کا اتفاق) مشہور و معروف ہے۔ (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ جب شارع علیہ السلام نے قتل عمار ؓ کو حضرت علی ؓ کے مجتہد مصیب اور حضرت معاویہ ؓ کے مجتہد مخطی ہونے کی واضح علامت قرار دیا، اور پھر اس بات پر قرن ثانی میں اجماع بھی ہو گیا، تو اب حضرت علی ؓ کو اُن کے اجتہاد میں قطعی اور یقینی طور پر "مصیب" ماننا پڑے گا، اور حضرت معاویہ ؓ کو اُن کے اجتہاد میں قطعی اور یقینی طور پر "مخطی" ماننا پڑے گا۔

حاصل یہ کہ صحابہ کرام ؓ تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی بھی ایک جماعت یا کسی بھی ایک فرد کو اس وقت تک قطعی اور یقینی طور پر "مجتہد مصیب" یا "مجتہد مخطی" نہیں کہا جا سکتا، جب تک کہ صاحب شریعت کی طرف سے اُن کے "مصیب" یا "مخطی" ہونے کی کوئی واضح علامت نہ پائی جائے، اور جب صاحب شریعت کی طرف سے

---

[1] (تاریخ ابن خلدون، ۲۶۸/۱، الناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان)

کسی مجتہد کے "مصیب" یا "مخطی" ہونے کی کوئی واضح علامت پائی جائے تو اُس صورت میں اُس مجتہد کو قطعی اور یقینی طور پر "مصیب" یا "مخطی" کہا جاسکتا ہے۔

اسی طرح اگر ائمہ اربعہ کسی مذہب پر متفق ہو جائیں، چاہے وہ دورِ صحابہ ؓ میں مختلف فیہ رہا ہو اور بعض صحابہ ؓ کا نہ بھی ہو مگر بعد میں اُس کے برخلاف اجماع منعقد ہو جائے تو اُس اجماعی اجتہادی مسئلہ کی اصابت یقینی ہو جاتی ہے۔ جیسے حضرت ابوذر ؓ کا یہ مسلک مشہور و معروف ہے کہ وہ ایک دن کی روزی سے زیادہ رقم اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے، ظاہر ہے کہ اُن کا یہ مسلک قرآن و سنت کے واضح دلائل کے خلاف ہے، اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین بشمول صحابہ ؓ و تابعین کوئی ایک بھی اس معاملہ میں اُن کا ہم نوا نہیں تھا، سب کے نزدیک اُن سے اس مسئلہ میں اجتہادی غلطی ہوئی تھی اور جمہور اُمت نے ہمیشہ دلائل کے ذریعہ اُن کے اس مسلک کی تردید کی ہے، اس لئے اُن کے اس معاملہ کو اجتہادی و ظنی نہیں بلکہ قطعی اور یقینی خطاء کہیں گے۔

اصحابِ پیغمبر ﷺ کا ذکر ہمیشہ بالخیر ہی کرنا چاہیے!:

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"مذکورہ تفصیل سے "مشاجرات صحابہ ؓ" کا شرعی حکم واضح ہو گیا کہ اصحابِ پیغمبر ﷺ کا ذکر ہمیشہ "بالخیر" ہی کرنا چاہیے، اور اُن کے باہمی اختلافات و مشاجرات کے بارے میں "امساک، توقف اور سکوت" اختیار کرنا چاہیے، کیوں کہ اسی صورت میں ایمان کی سلامتی اور صحابہ ؓ کے بارے میں ہر طرح کی بدظنی سے حفاظت ہے۔

جب کہ اس کے بالمقابل صحابہ ؓ کا تنقیدیہ اہل سنت والجماعت کا اصل مذہب نہیں ہے، بلکہ ایک "رخصت" اور "مخلص" ہے یعنی اصل تو یہی ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے مشاجراتی اور اجتہادی خطاء کو بھی زبان پر نہ لایا جائے، لیکن اگر کسی وقت کسی ضرورت شرعیہ بشدیدہ کی وجہ سے یہ موضوع زیر بحث آجائے تو اجتہادی خطاء و صواب سے زیادہ کوئی لفظ ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

محقق اہل سنت شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ مولانا ابو ریحان عبد الغفور سیال کوٹی صاحب اپنے شاگرد رشید مولانا ظہور الٰہی صاحب کے نام ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

''سیدنا ومولانا حضرت علی ؓ سے متعلق بالکل میرا وہی عقیدہ ہے جو اُصولی طور پر اہل السنّت والجماعت کا ہے، اس مسئلہ میں میری کوئی الگ رائے ہرگز نہیں ہے، البتہ اپنے دوسرے اور چھوٹے سردار اور مولیٰ حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں جو اِدھر اُدھر کی باتیں کی جاتی ہیں اُن سے میں ضرور بیزار ہوں، اُن کو جائر، عادل عن الحق، ظالم، تارک القرآن و الحدیث، اور باغی، طاغی، کہنا تو بہت دُور کی بات ہے، میں تو اُن کو ''مخطی'' کہنے کے لئے بھی تیار نہیں، بلکہ حضرت علی ؓ کی طرح اُن کو بھی ''مصیب'' ہی سمجھتا اور کہتا ہوں، اگر یہ ''جرم'' ہے تو اس ''جرم'' سے میں باز نہیں آسکتا۔'' [1]

مشاجرات صحابہ ؓ کا ذکر علمائے اہل سنت نے ضرورت شرعیہ ہی کی بناء پر کیا ہے!

اس میں شک نہیں کہ اصحاب پیغمبر ﷺ کا ذکر ہمیشہ ''بالخیر'' ہی کرنا چاہیے اور اُن کے باہمی اختلافات و مشاجرات کے بارے میں امساک، توقف، اور سکوت اختیار کرنا چاہیے، اور بغیر کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کے اگر کبھی یہ موضوع زیر بحث آجائے تو معاملے کو اجتہاد کی حد میں ہی رکھنا چاہیے، لیکن سوال یہ ہے کہ علمائے اہل سنت والجماعت نے کس جگہ صحابہ کرام ؓ کا ذکر ''بالشر'' کیا ہے؟ یا جمہور نے کس جگہ مشاجرات میں اُن کے حق میں اجتہادی خطاء وصواب کی تردید کی ہے؟ ہاں! بعض جگہ ''باغی'' وغیرہ قسم کے جو الفاظ مروی ہیں تو وہ فقہی اصطلاحات کے اعتبار سے مروی ہیں، اور وہ بھی علمائے اہل سنت والجماعت نے صرف ''مشاجرات صحابہ ؓ'' وغیرہ جیسے نازک مسائل کو سلجھانے کی غرض سے ایک ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی بناء پر ذکر کیے ہیں، بغیر کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ کے (خاکم بدہن) محض کسی صحابی، تابعی، یا امام مجتہد کا مقام ڈھانے یا اُن میں سے کسی کا مرتبہ کم کرنے کے لئے ہرگز ذکر نہیں فرمائے۔ تفصیل آگے کتاب میں آرہی ہے۔

مولانا عبدالغفور سیالکوٹی کا پروفیسر طاہر ہاشمی کے اُصول سے انحراف:

باقی رہا مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی صاحب کا حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو ''مجتہد مصیب'' ماننے کے ساتھ حضرت معاویہ ؓ کو بھی اُن کے مقابلے میں علی التعیین والیقین ''مجتہد مصیب'' ہی ماننے کی بے جا ضد اور ہٹ دھرمی تو اوّل تو مولانا عبدالغفور سیالکوٹی صاحب کا یہ موقف ہی خود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے اپنے اُصول کے

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین: ص ۴۹)

خلاف ہے، اس لئے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کے نزدیک اُصول یہ ہے کہ:

"یہ کوئی قطعی بات نہیں کہ جسے "مجتہد مصیب" کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مصیب ہو اور جسے "مجتہد مخطی" کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مخطی ہو، کیونکہ مصیب قرار دیے جانے کے باوجود "خطاء" کا احتمال باقی رہتا ہے اور مخطی کہنے کے باوجود "صواب" کا احتمال ہو سکتا ہے۔"[1]

جب کہ ابو ریحان سیال کوٹی صاحب بانگ دہل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حدیث عمار رضی اللہ عنہ سے زور گردانی کرتے ہوئے کسی بھی طرح مجتہد مخطی ماننے پر رضامند نہیں بلکہ وہ تو قطعی اور یقینی طور پر آپ رضی اللہ عنہ کو "مجتہد مصیب" ہی مان رہے ہیں۔

دوسرے مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب کا یہ نظریہ علمائے اہل سنت و الجماعت کے نظریے کے بالکل خلاف ہے، اس لئے کہ علمائے اہل سنت اجماعی طور پر اس معاملہ میں حدیث عمار رضی اللہ عنہ کی روشنی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے "مجتہد مصیب" ہونے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے "مجتہد مخطی" ہونے کے قائل ہیں، پھر معلوم نہیں کہ اس جرم کے باوجود پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے "محقق اہل سنت" کا لقب مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب کو کیسے مرحمت فرما دیا؟۔

بھلا اہل سنت والجماعت کے اجماع کی مخالفت کر کے اور اجماع کرنے والوں کو گمراہ کہہ کر بھی کوئی اہل حق ہو سکتا ہے؟۔

تیسرے بالفرض اگر مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب کے مؤقف کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے حدیث عمار رضی اللہ عنہ تفلک الفئة الباغية کا بطلان اور وقوع بالمحل ہونا لازم آتا ہے، جو کہ ایک حدیث متواتر کی تردید اور علی گمراہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب کا مذکورہ بالا مؤقف اور نظریہ بالکل باطل، فاسد، اور حق سے بہت دور ہے، جس کا علمائے اہل سنت والجماعت کے نظریات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی مولانا عبد الغفور سیال کوٹی صاحب محقق اہل سنت جیسے عظیم لقب کے اہل ہیں۔

---

[1] (ابو ریحان صاحب کے اقتباس میں سے)

ایک کی تنقیص سے دوسرے کا دفاع کرنا اہل سنت کے دائرے سے باہر ہے!:

ایک اور مقام پر پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علمائے اہل سنت پر اپنا غیظ وغضب برساتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زیر نظر کتاب میں ''ناقدین سیدنا امیر معاویہ ؓ'' کی فہرست میں جن حضرات کے نام آئے ہیں اُن میں سے بعض تو یقیناً سنیت کے لبادے میں ''رفض وتفضیلیت'' کے نمائندے ہیں، جب کہ اکثر حضرات اہل سنت والجماعت کے اساطین میں شامل ہیں لیکن اُنہوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر بالکل بے موقع و بے محل اور بلا ضرورت شرعیہ وشدیدہ بلکہ بعض ایسے اُمور میں بھی جن کا سرے سے ''مشاجرات صحابہ ؓ'' کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں حضرت معاویہ ؓ کو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو یقیناً ''مشاجرات صحابہ ؓ کے شرعی حکم'' سے انحراف کے زمرے میں آتا ہے۔

بعض حضرات حضرت علی ؓ کی فضیلت ومنقبت بیان کرتے ہوئے حضرت معاویہ ؓ کی توہین وتنقیص کے مرتکب ہوئے ہیں، جب کہ حضرت معاویہ ؓ کی توہین و تنقیص کے بغیر بھی حضرت علی ؓ کا مقام ومرتبہ بیان کیا جا سکتا تھا۔ یہ وہی انداز ہے جو محمود احمد عباسی اور ''مجلس عثمانی غنی ؓ'' کراچی'' سے وابستہ حضرات نے اختیار کیا ہے جس میں اُنہوں نے حضرت علی ؓ کی توہین وتنقیص کر کے حضرت معاویہ ؓ کی شان ومنزلت بیان کی ہے، حالاں کہ نہ حضرت علی ؓ کے دفاع کے لئے حضرت معاویہ ؓ کی تنقیص کی ضرورت تھی اور نہ ہی حضرت معاویہ ؓ کو اپنے مقام ومرتبہ پر رکھنے کے لئے حضرت علی ؓ کی تعریض وتوہین کی کوئی ضرورت، یہ دونوں اُمور اہل السنت والجماعت کے دائرے سے باہر ہیں جو ''سب صحابہ'' میں شامل ہیں۔''[1]

لبادۂ سنیت میں رفض وتفضیلیت کی نمائندگی کرنے والوں کا اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں!:

اس میں شک نہیں کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی زیر تبصرہ کتاب ''سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین'' میں بعض اُن حضرات کے نام بھی مذکور ہیں کہ جو سنیت کے لبادے میں رفض وتفضیلیت کے نمائندے ہیں، یا اُنہوں نے

---

[1] (سیدنا معاویہ ؓ کے ناقدین ص ۵۰)

شعوری یا لاشعوری طور پر بالکل ہی بے موقع و بے محل اور بلا ضرورت شرعیہ وشدیدہ بلکہ "مشاجرات صحابہ ؓ" سے بہت کر حضرت معاویہ ؓ کی ذات کو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنایا ہے، لیکن اول تو جیسا کہ پہلے بھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایسے حضرات نہ تو علمائے اہل سنت والجماعت میں سے ہیں اور نہ ہی انہیں اہل سنت والجماعت کا ترجمان کہا جا سکتا ہے، بلکہ ایسے حضرات بدعتی، ضال، مضل، اور علمائے اہل سنت والجماعت کے طبقہ سے خارج ہیں۔

البتہ علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن بعض حضرات نے اُس نازک دور کے متعلق جو آراء یا معلومات نقل فرمائی ہیں، تو ایک تو وہ بے موقع و بے محل نہیں، اور دوسرے یہ کہ بلا ضرورت شرعیہ وشدیدہ بھی انہوں نے نقل نہیں فرمائیں، بلکہ بعض شدید شرعی ضروریات اور مجبوریوں کی بناء پر انہوں نے ایسا کیا ہے، منجملہ اُن مجبوریوں میں سے ایک بڑی مجبوری ہر دور میں ہر جگہ فرق باطلہ کی ان موضوعات پر اپنی کج فکری کی اشاعت ہے، جس کے مقابلے میں ایک متوازن نقطۂ نظر سامنے لانا علماء کا فرض بنتا ہے، اس لئے اسے "مشاجرات صحابہ ؓ" کے شرعی حکم سے انحراف اور تجاوز کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

نیز اگر کہیں حضرت علی ؓ کی فضیلت و منقبت بیان کرتے ہوئے حضرت معاویہ ؓ کی توہین و تنقیص کا پہلو پایا گیا ہے، تو وہ ایسے علماء کی جانب سے پایا گیا ہے جو "سنیت" کے لبادے میں "رفض و تفضیلیت" کی نمائندگی کر رہے ہیں، ایسے علماء کا مسلک اہل سنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ علمائے اہل سنت والجماعت ایسے حضرات سے اپنی برأت کا اعلان کرتے ہیں۔

علمائے اہل سنت کا دفاع کیوں ضروری ہے؟:

مگر افسوس کہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانک دیا ہے، چنانچہ جن اکابر کی عبارات کی صحیح تاویل اور صحیح محل موجود تھا اور وہ اہل علم کو سمجھ بھی آ سکتا تھا، ہاشمی صاحب نے انہیں بھی اپنی زد میں لے لیا ہے، اس لئے ہم اپنے ایسے اکابر حضرات کی عبارات کا عادلانہ و منصفانہ دفاع کرنا انتہائی ضروری اور نہایت ہی اہم سمجھتے ہیں، کیوں کہ وہ اہل سنت والجماعت کے اکابرین واساطین ہیں، اُن سے بداعتمادی و بے اطمینانی تمام اہل السنت اور اکابر علمائے دیوبند سے بداعتمادی پیدا کر دے گی، اور اس سے فقط اہل سنت اور علمائے دیوبند کے اُن مخالفوں کی وہ خواہش پوری ہوگی کہ وہ مفلیں بجا طور پر یہ کہہ سکیں گے کہ لوجی! ہم تو پہلے ہی سنیوں، دیوبندیوں کو گم راہ کہتے تھے، یہ تو خود ان کے سارے بڑے بڑے اکابر علماء گستاخ صحابہ ؓ ہو رہے ہیں، حالاں کہ حاشا وکلا کہ ہمارے اکابر گستاخ

صحابہ ؓ ہوں، یہ محض ایک جھوٹ اور الزام تراشی ہے، جو اکابر علمائے حق علمائے اہل سنت سے بغض ونفرت، اور کینہ وحسد کے سبب جنم لینے والی بد باطنی اور دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اب ذیل میں ہم پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب کی چاند ماری کا نشانہ بننے والے اہل سنت والجماعت کے ایک ایک عالم کا نام لے کر سن وفات کی ترتیب کے اعتبار سے اُن کا دفاع پیش کرتے ہیں۔:

﴿۱﴾

راویٔ بخاری محدث عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۲۱۱ھ)

نام ونسب:

آپ کا نام نامی، اسم گرامی: عبدالرزاق، کنیت: ابوبکر، اور والد کا نام: ہمام ہے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

"ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع۔"[۱]

ولادت باسعادت:

آپؒ ۱۲۶ھ میں "یمن" کے دارالحکومت اور مشہور ترین شہر "صنعاء" میں زمانۂ خیر القرون میں پیدا ہوئے، اور چوں کہ "قبیلۂ حمیر" سے "ولاء" کا تعلق بھی تھا، اس لئے "صنعانی" اور "حمیری" نسبتوں سے زیادہ مشہور ہوئے، اور "یمنی" بھی کہے جاتے تھے۔ ع شہر "صنعاء" کے بارے میں علامہ عزالدین ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

"وهي مدينة باليمن مشهورة ينسب اليها خلق كثير لا يحصون."[۳]

---

[۱] (وفيات الأعيان وانباء أبناء الزمان لابن خلكان: ۲۱۶/۳، الناشر: دار صادر، بيروت)

[۲] "الشيخ الامام عبد الرزاق بن همام اليمني، الصنعاني، الحميري." (مرآة الجنان وعبرة اليقظان في معرفة ما يعتبر من حوادث الزمان لليافعي: ۴۰/۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (بستان المحدثين لشاه عبد العزيز الدهلوي: ص ۴۸)

[۳] (اللباب في تهذيب الأنساب لابن أثير الجزري: ۲۴۸/۲، الناشر: دار صادر، بيروت)

ترجمہ: ''صنعاء'' یمن کا ایک مشہور ترین شہر ہے جسے بیسیوں شیوخ وائمہ کے مولد ہونے کا شرف حاصل

علمی اسفار:

امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ تجارت پیشہ فرد تھے، اور بسلسلۂ تجارت شام جایا کرتے تھے، اسی وجہ سے مؤرخین نے آپؒ کے تجارت کے لئے شام [1] اور حج وزیارت کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے جانے کا ذکر کیا ہے، مگر حدیث کی طلب وجستجو کے لئے سفر کی تصریح نہیں کی، تاہم آپؒ کے مشائخ کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؒ نے طلب حدیث کے لئے مشہور اور اہم مراکز کا سفر ضرور کیا ہوگا۔

اساتذہ وشیوخ:

آپؒ نے بلند پایہ محدثین اور کبار ائمہ فن اپنے والد ہمامؒ، چچا وہبؒ، معمرؒ، عبیداللہ بن عمرؒ العمری، ان کے بھائی عبداللہ بن عمر العمریؒ، ایمن بن نابلؒ، عکرمہ بن عمارؒ، ابن جریجؒ، اوزاعیؒ، مالک، سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، زکریا بن اسحاق مکیؒ، جعفر بن سلیمانؒ، یونس بن سلیم صنعانیؒ، ابن ابی رواد، اسرائیلؒ، اسماعیل بن عیاشؒ وغیرہ [2] جیسی کے علماء سے شرف تلمذ طے کیا، اور امام معمر ازدیؒ سے ایک خاص قسم کے تعلق کی بناء پر ایک روایت کی بناء پر سات سال تک مستقل اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں:

"جالست معمرا سبع سنين." [3]

ترجمہ: میں سات سال تک معمرؒ کی خدمت میں رہا۔

---

[1] "رحل في تجارة الى الشام." (تذكرة الحفاظ للذهبي: ۲۶۷/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] "روى عن ابيه وعمه وهب ومعمر وعبيد الله بن عمر العمري وأخيه عبد الله بن عمر العمري وأيمن بن نابل وعكرمة بن عمار وابن جريج وأوزاعي ومالك وسفيان الثوري وسفيان بن العيينة وزكريا بن اسحاق المكي وجعفر بن سليمان ويونس بن سليم الصنعاني وابن ابي رواد واسرائيل واسماعيل بن عياش وخلق." (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ۳۱۱/۶، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند)

[3] (تذكرة الحفاظ للذهبي: ۲۶۷/۱، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

جب کہ ایک دوسری کی بناء پر آٹھ سال تک اور اور تیسری روایت کی بناء پر آٹھ سے نو سال تک آپ مستقل طور پر معمر کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

چنانچہ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۷۱ھ) لکھتے ہیں:

"عن احمد بن حنبل قال: قال عبد الرزاق: جالست معمراً ما بين الثمان الي التسع... نايحيى بن معين و احمد بن حنبل قالا: قال عبد الرزاق: لزمت معمراً ثماني سنين."[1]

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "میں آٹھ سے نو سال تک کے درمیان معمر کے پاس اٹھتا بیٹھتا رہا"۔۔۔ امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "میں نے آٹھ سال تک معمر کو لازم پکڑا۔"

شاگرد و تلامذہ:

آپ کے تلامذہ میں ابن عیینہ، اور معتمر بن سلیمان (یہ دونوں آپ کے شیوخ میں سے ہیں) وکیع اور ابو اسامہ (یہ دونوں آپ کے ہم عصر) احمد، اسحاق، علی، یحیی، ابوخیثمہ، احمد بن صالح، ابراہیم بن موسیٰ، عبداللہ بن محمد المسندی، سلمہ بن شبیب، عمرو الناقد، ابن ابی عمرو، حجاج بن الشاعر، یحیی بن جعفر الکیلندی، یحیی بن موسیٰ خت، اسحاق بن ابراہیم السعدی، اسحاق بن منصور الکوسج، احمد بن یوسف السلمی، حسن بن علی الحلال، عبدالرحمان بن بشر بن الحکم، عبد بن حمید، محمد بن رافع، محمد بن مہران الجمال، محمود بن غیلان، محمد بن یحیی الذہلی، ابو مسعود الرازی، اسحاق بن ابراہیم الدبری وغیرہم حضرات شامل ہیں۔[2]

---

[1] (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱۶۷/۳۶، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

[2] "وعنه ابن عيينه و معتمر بن سليمان، وهما من شيوخه ووكيع وأبو أسامة وهما من اقرانه وأحمد واسحاق وعلي ويحيى وأبو خيثمة وأحمد بن صالح وابراهيم بن موسى وعبد الله بن محمد المسندي وسلمة بن شبيب وعمرو الناقد وابن أبي عمرو وحجاج بن الشاعر ويحيى بن جعفر الكيلكندي ويحيى بن موسى خت واسحاق بن ابراهيم السعدي واسحاق بن منصور الكوسج واحمد بن يوسف السلمي وحسن بن علي الحلال وعبد الرحمان بن بشر بن الحكم وعبد بن حميد ومحمد بن رافع ومحمد بن مهران الجمال ومحمود بن غيلان ومحمد بن يحيى الذهلي وأبو مسعود الرازي واسحاق بن ابراهيم الدبري وغيرهم." (تهذيب التهذيب لابن

فضل وکمال:

آپؒ کے فضل وکمال اور علمی عظمت نے آپؒ کی ذات کو مرجع خلائق بنادیا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد آپؒ کے علاوہ کسی اور شخص کے پاس اس قدر زیادہ لوگ سفر کر کے نہیں آئے، اور اکثر علمائے اسلام آپؒ کی بارگاہِ کمال میں حاضر ہوئے۔''[1]

چنانچہ مؤرخ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"المرتحل اليه من الآفاق."[2]

ترجمہ: آپؒ کے پاس اطراف واکناف سے لوگ آتے تھے۔

ایک مرتبہ علامہ احمد بن صالح مصریؒ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ: ''امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ بہتر اور برتر محدث کا آپ کو علم ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا: ''نہیں!۔''[3]

ابراہیم بن عباد دبری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ''امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو ستر (۷۰) ہزار احادیث زبانی یاد تھیں۔'' اور ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ہم لوگوں میں سب سے بہتر حافظ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔''

علمی مقام:

تبع تابعین کے زمرہ میں جن جن علماء نے اپنے درس وافادہ کی مجلسیں آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، اُن میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اسم گرامی خاصا مشہور اور ممتاز ہے۔ علم حدیث میں اُن کی شہرۂ آفاق تصنیف "اَلْمُصَنَّف" نہایت ہی بلند اور اعلیٰ مقام کی حامل

حجر العسقلاني: ٦/٣١١، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند)

[1] "قال أبو سعد ابن السمعاني: قيل: ما رحل الناس الى أحد بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل ما رحلوا اليه." (وفيات الأعيان وانباء أبناء الزمان لابن خلكان: ٣/٢١٦، الناشر: دار صادر، بيروت) و (كتاب الأنساب للسمعاني: ٨/٣٣١، الناشر: مجلس دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد)

[2] (مرآة الجنان وعبرة اليقظان لليافعي: ٢/٥٢، الناشر:)

[3] "قال أحمد بن صالح المصري: قلت لأحمد بن حنبل: رأيت أحداً أحسن حديثاً من عبد الرزاق؟ قال: "لا." (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ٦/٣١١، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند)

کتاب ہے، اور قدامت واہلیت کے اعتبار سے اس کا اس کا پایہ "مُصَنَّف ابْن أَبِي شَيْبَة" سے بھی اُونچا ہے۔

وفات حسرت آیات:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے مؤرخہ ۱۵ شوال المکرم ۲۱۱ھ میں عمر چھیاسی سال "یمن" میں وفات پائی۔[1]

امام عبدالرزاق الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق:

جمہور محدثین نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو "ثقہ" و "صدوق" اور "صحیح الحدیث" و "حسن الحدیث" قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپؒ کی بیان کردہ احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن الجارود، صحیح ابن حبان، صحیح ابی عوانہ، اور مستدرک حاکم وغیرہ میں بہ کثرت موجود ہیں۔

مندرجہ ذیل محدثین عظام رحمہم اللہ سے آپؒ کی توثیق ثابت ہے:

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن ابی مریم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"عبد الرزاق ثقة ليس به بأس"[2]

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں، اُن پر کوئی اعتراض نہیں۔

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] "وفي السنة المذكورة توفي الحافظ، العلامة، المرتحل اليه من الآفاق الشيخ، الامام عبد الرزاق بن همام اليمني الصنعاني الحميري صاحب المصنفات عن ست وثمانين." (مرآة الجنان وعبرة اليقظان لليافعي: ۲/ ۴۰، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (الطبقات الكبرىٰ المعروف بطبقات ابن سعد: ۶/ ۷۴، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

[2] و (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ۶/ ۵۳۹، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) و (سؤالات ابن الجنيد: ۱/ ۲۴۹، الناشر: مكتبة الدار، المدينة المنورة، السعودية) و (تاريخ دمشق لابن عساكر: ۳۶/ ۱۷۲، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

"ثقة يكني أبا بكر و كان يتشيع ."[1]

امام عبدالرزاق ثقہ ہیں، آپ کی کنیت ابوبکر ہے اور آپ میں تشیع پایا جاتا تھا۔

امام بخاری نے امام عبدالرزاق سے اپنی صحیح بخاری میں سو (۱۰۰) سے زیادہ روایتیں لی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ما حدث من كتابه فهو أصح ."[2]

ترجمہ: امام عبدالرزاق نے جو حدیثیں اپنی کتاب سے بیان کی ہیں وہ زیادہ صحیح ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

مشہور محدث امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں۔

امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"و كلاهما (هشام بن يوسف و عبد الرزاق) ثقة ثبت ."[3]

ترجمہ: اور یہ دونوں (یعنی ہشام بن یوسف اور عبدالرزاق) ثقہ ہیں، حجت ہیں۔

امام ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ہشام بن یوسف فرماتے ہیں:

"كان عبد الرزاق أعلمنا وأحفظنا ."[4]

---

[1] (معرفة الثقات للعجلي : ۹۳/۲ رقم الترجمة : ۱۰۹۷، الناشر : مكتبة الدار، المدينة المنورة، السعودية)

[2] (التاريخ الكبير للبخاري : ج ۶ / ۱۳۰، الناشر : دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، الدكن)

[3] (تاريخ دمشق لابن عساكر : ۳۶/ ۱۷۰، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع) و (تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي : ۱۸/ ۵۸، الناشر : مؤسسة الرسالة، بيروت)

[4] (تاريخ دمشق لابن عساكر : ۳۶/ ۱۷۰ الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع) و (سير أعلام النبلاء للذهبي -

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ ہم سب میں زیادہ علم والے اور زیادہ حدیثیں یاد کرنے والے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) کا حوالہ:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اذا اختلف أصحاب معمر في حديث معمر فالحديث حديث عبد الرزاق ."[1]

ترجمہ: جب معمرؒ کی کسی حدیث میں معمرؒ کے اصحاب کا اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں امام عبدالرزق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث معتبر سمجھی جائے گی۔

امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی کتاب "صحیح ابن خزیمہ" میں بہت سے روایات نقل کی ہیں۔

امام ابن جارود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المنتقی" (المعروف بصحیح ابن الجارود) میں ان سے روایات لی ہیں۔

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ:

" رايت أحسن حديثاً منه يعني عبد الرزاق ؟ " قال:" لا "[2]

ترجمہ: یعنی آپؒ نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ بہتر حدیث بیان کرنے والا کوئی دیکھا ہے؟" تو آپؒ نے فرمایا کہ: "نہیں!"

نیز امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں احادیث معمرؒ کے حافظ ہونے میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی تصریح فرمائی ہے تو وہیں ابن جریجؒ سے روایت میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے زیادہ ثبت (پختہ) بھی قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) ارقام فرماتے ہیں:

---

[1] (الناشر: مؤسسة الرسالة - بيروت، الطبعة الثانية: ۸/۲۲۳، ۸/۲۳۱، الناشر: دار الحديث القاهرة)

[2] (الناشر: الدار السلفية - الكويت)

[3] (۳۹/۱۸۴، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

" قلت لأحمد بن حنبل : كان عبد الرزاق يحفظ حديث معمر ؟ قال : نعم ، قيل له : فمن أثبت في ابن جريج : عبد الرزاق أو محمد بن بكر البرساني ؟ قال : عبد الرزاق ."[1]

ترجمہ: میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ: "کیا امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ احادیث معمرؒ کے حافظ تھے؟ تو آپؒ نے فرمایا: جی ہاں! آپؒ سے پوچھا گیا کہ: "ابن جریج کی احادیث میں امام عبدالرزاقؒ اور امام محمد بن بکر برسانیؒ میں سے زیادہ ثقہ کون ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ: "امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ (زیادہ ثقہ ہیں)۔"

امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوزرعہ الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

" عبد الرزاق أحد من قد ثبت حديثه ."[2]

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اُن محدثین میں ہوتا ہے جن کی حدیث حجت ہوتی ہے۔

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

" وكان ممن جمع و صنف وحفظ وذاكر وكان ممن يخطئ اذا حدث من حفظه على تشيع فيه ."[3]

ترجمہ: امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ اُن محدثین میں سے ہیں کہ جنہوں نے احادیث کی جمع وتصنیف کا کام کیا، احادیث کے حفظ وتذاکرہ کا اہتمام کیا، وہ بعض دفعہ اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے ہوئے غلطی کر جاتے تھے، نیز اُن میں "تشیع" بھی پایا جاتا تھا۔

---

[1] (تاريخ أبي زرعة الدمشقي : ٤٥٧/١ ، الناشر : مجمع اللغة العربية ، الدمشق)

[2] (تاريخ دمشق لابن عساكر : ١٨٤/٣٦ ، الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[3] (كتاب الثقات لابن حبان : ٤١٢/٨ ، الناشر : دائرة المعارف العثمانية ، حيدر آباد ، الدكن ، الهند)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت لے کر اس کے آخر میں فرمایا:

" هذا حديث حسن صحيح ."

ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

پوری روایت ملاحظہ ہو:

۳۱- حدثنا يحيى بن موسىٰ قال : حدثنا عبد الرزاق عن اسرائيل عن عامر بن شقيق عن أبي وائل عن عثمان بن عفان أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يخلل لحيته هذا حديث حسن صحيح .

قال المحشي : لو قال : "حسن" وسكت لكان أحسن وأوفق لما قاله شيخه الامام البخاري ، فقد ذكر هو في " العلل الكبير " ان البخاري "حسّنه" حسب (تهذيب التهذيب: ج ٥ ص ٦٩) ففيه عامر بن شقيق و هو ليّن الحديث والطرق الأخرىٰ لهذا المتن كلها ضعيفة لا يتقوي بها الحديث بحيث يبلغ مراتب الصحة التامة ."

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ اپنی ڈاڑھی مبارک کا خلال فرمایا کرتے تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"[1]

اس سے ثابت ہوا کہ امام عبدالرزاق امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ (علیہ المتوفی ۳۸۵ھ) کا حوالہ:

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ایک حدیث نقل کی ہے اور اس کے

[1] [illegible] (۸۲/۱، الناشر: دار الغرب الإسلامي، بيروت)

" اسناد صحیح ."

ترجمہ: اس کی اسناد صحیح ہے۔

پوری حدیث ملاحظہ ہو:

۱۳۰ – نا الحسين بن اسماعيل ، نا ابن زنجويه ، نا عبد الرزاق ، أنا ابن جريج ، أخبرني عمرو بن دينار ، قال : علمي و الذي يخطر ببالي أنّ أبا الشعثاء ، أخبرني أنّ ابن عباس أخبره : أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يغتسل بفضل ميمونة ، اسناد صحيح ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے وضوء کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ (ترجمہ ختم)

امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے اور اس میں بھی مجموعی طور پر جہاں دیگر راویوں کی توثیق کی ہے وہاں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بھی توثیق کی ہے۔

حدیث یہ ہے:

۱۱۸۷ – حدثنا أبوبكر النيسابوري ، حدثنا حسن بن يحيى الجرجاني ، حدثنا عبد الرزاق ، أنا ابن جريج ، ح و حدثنا أبوبكر ، نا ربيع بن سليمان ، أنا الشافعي ، أنا عبد المجيد بن عبد العزيز ، عن ابن جريج ، أخبرني عبد الله بن عثمان بن خثيم ، أنّ أبابكر بن حفص بن عمر اخبره ، أنّ أنس بن مالك أخبره ، قال : صلّى معاوية بالمدينة صلاة فجهر فيها بالقراءة فلم يقرأ : "بسم الله الرحمن الرحيم" لأم القرآن ولم يقرأها للسورة التي بعدها ولم يكبر حين يهوي حتى قضى تلك الصلاة ، فلما سلم ناداه من سمع ذلك من المهاجرين و الأنصار من كل مكان : يا معاوية ! أقصرت الصلاة أم نسيت ؟ قال : فلم يصل بعد ذلك الا قرأ : "بسم الله الرحمان

---

[1] (سنن دار قطني (۱/۱۱۱) الناشر : مؤسسة الرسالة ، بيروت - لبنان)

الرحيم " لأم القرآن و للسورة التي بعدها وكبر حين يهوي ساجداً " كلهم ثقات [1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں نماز پڑھائی، اور اس میں جہراً قرأت کی، لیکن نہ تو سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی اور نہ ہی اس کے بعد والی سورت سے پہلے، اسی طرح (سجدہ کے لئے) جھکتے وقت آپ ﷺ نے تکبیر بھی نہیں کہی، یہاں تک کہ یہ نماز پوری ہوگئی، پس جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو مہاجرین وانصار میں سے جس جس نے بھی یہ سنا، ہر جگہ سے پکارنا شروع کردیا کہ: اے معاویہ ﷺ! کیا نماز میں کمی کردی گئی ہے یا آپ ﷺ بھول گئے ہیں؟" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت معاویہ ﷺ جب بھی نماز پڑھاتے تو اس میں سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد والی سورۃ سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھتے، اور جس وقت سجدہ کے لئے جھکتے تو تکبیر ضرور پڑھتے۔ (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ثقہ ہیں۔

امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مستدرک" میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ (بسم اللہ کی احادیث کو صحیح کہا ہے:

۱۰۴ - أخبرنا أحمد بن جعفر القطيعي ، أنبأنا عبد الله بن احمد بن حنبل ، حدثني أبي ، و حدثنا علي بن حمشاذ ، ثنا راهيم بن أبي طالب ، ثنا محمد بن رافع ، و محمد بن يحيى ، قالا : ثنا عبد الرزاق ، أنبأ معمر ، عن ابن أبي ذئب ، عن سعيد المقبري ، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ما أدري تبع أنبيا كان أم لا ؟ وما لا أدري ذا القرنين أنبيا كان أم لا " وما أدري الحدود كفارات لأهلها أم لا ؟ . هذا حديث صحيح

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم: ۱/۴۲۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

علیٰ شرط الشیخین ولا أعلم له علة ولم یخرجاه ."[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ "تُبَّع" نبی تھے یا نہیں؟ اور مجھے معلوم نہیں کہ "ذوالقرنین" نبی تھے یا نہیں؟ اور مجھے معلوم نہیں کہ "حدود" حد لگنے والوں کے لئے ان کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں یا نہیں؟۔"

حضرات شیخین کی شرط کے مطابق تو یہ حدیث صحیح ہے، لیکن معلوم نہیں انہوں نے اس حدیث کی تخریج کیوں نہیں کی؟۔

اور مندرجۂ ذیل حدیث میں تو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے واشگاف الفاظ میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق فرمائی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے!:

۳۹۹ – حدثنا أبوبكر محمد بن أحمد بن بالويه ، ثنا موسىٰ بن هارون ، ثنا العباس بن عبد العظيم ، ثنا عبد الرزاق ، ثنا ابراهيم بن مامون العدني ، و كان يسمّىٰ قريش اليمن ، و كان من العابدين المجتهدين ، قال : قلت لأبي جعفر : والله لقد حدثني ابن طاؤس ، عن أبيه ، قال : سمعت ابن عباس ، يقول : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " لا يجمع الله أمتي علىٰ ضلالة أبداً و يد الله علىٰ الجماعة ."

قال الحاكم: "فابراهيم بن مامون العدني هذا قد عدله عبد الرزاق واثنى عليه ، و عبد الرزاق امام أهل اليمن و تعديله حجة "[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "" اللہ تعالیٰ میری اُمت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے (یعنی جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے)۔

---

[1] (المستدرك علىٰ الصحيحين للامام الحاكم: ۱/ ۹۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[2] (المستدرك علىٰ الصحيحين للامام الحاكم: ۱/ ۲۰۲، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ابراہیم بن میمون عدنی رحمۃ اللہ علیہ جو ہیں ان کی امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے تعریف وتوثیق بیان کی ہے، اور امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ "اہل یمن" کے امام ہیں اور اُن کی تعدیل "حجت" ہے۔"

حافظ ضیاء المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) کا حوالہ:

حافظ ضیاء المقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب " الأحاديث المختارة "میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ منجملہ اُن میں سے ایک حدیث یہ ہے:

٩٧٧ - أخبرنا أبو روح عبد المعز بن محمد بن أبي الفضل الهروي - بها - أن أبا المحاسن أسعد بن زياد أخبرهم - قراءة عليه - ثنا عبد الرحمن بن محمد الداؤدي ، ثنا عبد الله بن أحمد السرخسي ، ثنا ابراهيم بن حريم الشامي ، ثنا عبد بن حميد ، ثنا عبد الرزاق ، قال: ثنا معمر عن ابي اسحاق ، قال : ثنا علي بن ربيعة ، انه شهد علياً حين ركب ، فلما وضع رجله في الركاب قال : " بسم الله " فلما استوى قال : الحمد لله " ثم قال : ﴿ سبحان الذي سخر لنا هذا و ما كنا له مقرنين . و انا الى ربنا لمنقلبون ﴾ ثم حمد ثلاثاً ، و كبر ثلاثاً ، ثم قال : " لا اله الا أنت ، ظلمت نفسي فاغفرلي ، انه لا يغفر الذنوب الا أنت " ثم ضحك . فقيل : ما يضحكك يا امير المؤمنين ؟ قال : رأيت رسول الله فعل مثل ما فعلت ، و قال : مثل ما قلت ثم يضحك ، فقلنا : ما يضحكك يا رسول الله ؟ قال : " العبد " أو قال : عجبت للعبد اذا قال : " لا اله الا أنت ، ظلمت نفسي فاغفرلي ، انه لا يغفر الذنوب الا أنت ، يعلم أنه لا يغفر / الذنوب الا الله "

رواه الامام احمد عن وكيع عن اسرائيل . و عن يزيد بن هارون ، عن شريك بن عبد الله ، وعن عبد الرزاق . و رواه أبو داؤد عن مسدد . و رواه الترمذي و النسائي عن قتيبة - كلاهما - عن أبي الأحوص . ورواه

النسائي أيضا عن محمد بن قدامة ، عن جرير ، عن منصور ، كلهم عن أبي اسحاق بنحوه . ورواه أبو حاتم البستي ، عن ابن الجنيد ، عن قتيبة . وقال الترمذي حديث حسن صحيح "[1]

ترجمہ: علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ: "جس وقت حضرت علی ؓ سواری پر سوار ہونے لگے تو وہ وہاں موجود تھے، چنانچہ حضرت علی ؓ نے جب اپنا قدم مبارک سواری کی رکاب میں رکھا تو کہا: " بسم الله " پھر جب سواری پر بیٹھ گئے تو کہا: " الحمد لله " پھر یہ دعاء پڑھی: "سبحان الذي سخر لنا هذا وما كنا له مقرنين و انا الي ربنا لمنقلبون " پھر تین تین مرتبہ تسبیح وتحمید پڑھی، پھر یہ دعاء پڑھی: " لآ اله الا أنت ، ظلمت نفسي فاغفرلي ، انه لا يغفر الذنوب الا أنت . " پھر مسکرائے، پوچھا گیا: اے امیر المؤمنین! کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟۔" فرمایا: "جیسا میں نے کیا بالکل ویسا ہی رسول اللہ ﷺ کو میں نے کرتے دیکھا تھا اور جو کچھ دعائیں اس موقع پر میں نے پڑھیں رسول اللہ ﷺ کو اس موقع پر میں نے یہی دعائیں پڑھتے دیکھا، پھر حضور اقدس ﷺ مسکرائے تو ہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان بندے پر یا فرمایا مسلمان بندے کے اس فعل کو یاد کر کے مسکرا رہا ہوں کہ جب وہ یہ دعاء پڑھتا ہے: " لآ اله الا أنت ظلمت نفسي فاغفرلي انه لا يغفر الذنوب الآ أنت " تو وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے گناہوں کو بخشنے والا کوئی اور نہیں ہے۔"

دوسری حدیث یہ ہے:

١٠٢١ – أخبرنا أسعد بن سعد بن محمود – بأصبهان–أنّ فاطمة بنت عبد الله أخبرتهم – قراءة عليها – أنا محمد بن عبد الله بن ريذة ، أنا سليمان بن أحمد الطبراني ، نا اسحاق بن ابراهيم الدبري ، عن عبد الرزاق عن معمر ، عن أبي اسحاق ، عن عمر بن سعد ، قال : حدثنا سعد بن أبي

---

[1] الأحاديث المختارة للمقدسي ٢/٢٩٦ ، ٢٩٧ ، الناشر : دار خضر للطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت)

وقاص قال: قال رسول الله صلي الله عليه وسلم: " قتل المسلم كفر وسبابه فسوق، ولا يحل لمسلم أن يهجر اخاه فوق ثلاثة أيام. "[1]

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے، اور اُس کو گالی دینا فسق ہے، اور کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے۔"

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" أحد الثقات المشهورين. "[2]

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) مشہور ثقہ (محدثین) میں سے ہیں۔

علامہ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

علامہ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" الثقة الشيعي. "[3]

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) ثقہ ہیں، شیعی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۸۵۲ھ) کا حوالہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

" ثقة حافظ، مصنف شهير، عمي في آخر عمره فتغير وكان يتشيع "[4]

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) ثقہ، حافظ اور مشہور مصنف ہیں، آخری عمر میں آپ نابینا ہو گئے تھے، اس کی وجہ سے پہلے والی بات آپ میں نہ رہی، اور آپ میں تشیع پایا جاتا تھا۔

---

[1] [illegible] المقدسي: ۳/ ۲۱۸، الناشر: دار خضر، للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان)

[2] [illegible] لابن عساكر: ۳۶/ ۱۶، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[3] [illegible] أعلام النبلاء للذهبي: ۸/ ۲۲۲، الناشر: دار الحديث، القاهرة)

[4] [illegible] لابن حجر العسقلاني: ۱/ ۳۵۴، الناشر: دار الرشد، سوريا)

حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

" وعبد الرزاق عندي ثقة ."[1]

ترجمہ: اور امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ میرے نزدیک ثقہ ہیں۔

حافظ ابن ملقن رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۴ھ) ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" وعبد الرزاق ثقة حجة ."[2]

ترجمہ: اور امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں، حجت ہیں۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" و اسناده ثقاة ."[3]

ترجمہ: اور اس کی اسناد ثقہ ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" وعبد الرزاق ثقة حجة "[4]

ترجمہ: اور امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں، حجت ہیں۔

---

[1] (البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير لابن الملقن : ۳۸٤/۷ ، الناشر : دار الهجرة للنشر والتوزيع ، الرياض ، السعودية)

[2] (البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير لابن الملقن : ٦٦٥/٩ ، الناشر : دار الهجرة للنشر والتوزيع ، الرياض ، السعودية)

[3] (التحقيق في أحاديث الخلاف لابن الجوزي : ج ۲ ص ٦٢ رقم الحديث : ۱۰٤۹ ، الناشر : دار الكتب العلمية ، بيروت)

[4] (مختصر خلافيات البيهقي : ۱۵۸/٥ ، الناشر : مكتبة الرشد ، الرياض ، السعودية)

امام ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ امام عبدالرزاق وغیرہ محدثین عظام رحمہم اللہ کی ایک روایت کے آخر میں فرماتے ہیں:

"ورواته كلهم ثقات مشاهيرون."[1]

اور اس روایت کے جملہ راوی ثقہ ہیں، مشہور ہیں۔

امام ابوعوانہ الاسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوعوانہ الاسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صحیح ابوعوانہ" میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سی احادیث نقل فرمائی ہیں۔

امام ابوزرعہ الرازی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وحسن الحديث."[2]

ترجمہ: (امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) "حسن الحدیث" ہیں۔

باقی رہی امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر جرح سو وہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی حالت اختلاط کے دور پر محمول ہے۔

محیی السنۃ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

محیی السنۃ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا ہے:

"هذا حديث صحيح."[3]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔

---

[1] (المحلى لابن حزم: كتاب الأضاحي: ٦/٢٦: الناشر: دار الفكر، بيروت)

[2] (كتاب الضعفاء لأبي زرعة الرازي: ٢/٤٥٠، الناشر: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، المملكة العربية السعودية)

[3] (شرح السنة لمحيي السنة البغوي: ١٤/٨١، رقم الحديث: ٤١، الناشر: المكتب الإسلامي، دمشق، بيروت)

ایک ضروری وضاحت:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"وعبد الرزاق يهم في بعض ما يحدث به" [1]

ترجمہ: اور عبدالرزاق بعض حدیثوں میں وہم ہو جاتا ہے۔

تو یہ کوئی "جرح" نہیں ہے، اس لئے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد بعض روایتوں میں "وہم" ثابت ہو جانے سے راوی ضعیف نہیں ہو جاتا بلکہ وہ ثقہ وصدوق ہی رہتا ہے، البتہ صرف "وہم" ثابت ہو جانے والی روایات کو رد کر دیا جاتا ہے۔

نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب "العلل الکبیر" کا بنیادی راوی "ابو حامد التاجر" ہے جو اس قدر مجہول الحال ہے کہ اس کتاب کے محقق کو بھی اس کے حالات زندگی نہ مل سکے [2] اس بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کا مستند ہونا بجائے خود ایک قابل بحث امر ہے۔

اسی طرح پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو یہ نقل کیا ہے کہ:

"و قال ابن عدي: "و لعبد الرزاق أصناف و حديث كثير، و قد رحل اليه ثقات المسلمين و أئمتهم و كتبوا عنه الا أنهم نسبوه الى التشيع ..... و ذكره ابن حبان في الثقات و قال: "كان ممن يخطئ اذا حدث من حفظه على تشيع فيه." [3]

ترجمہ: ابن عدیؒ نے کہا کہ عبدالرزاق کی احادیث بہت ہیں اور کئی اصناف ہیں، ان کی طرف ثقہ مسلمان لوگوں نے اور اُن کے ائمہ نے سفر کیا، اور پھر اُن سے احادیث و روایات لکھیں، مگر انہوں نے اسے "تشیع" کی طرف منسوب کیا، ابن حبانؒ نے عبدالرزاق کو

---

[1] (سیر اعلام النبلاء کے ناقدین ص ۶۳ بحوالہ: العلل الکبیر: ۱/۵۲۵)

[2] (مقدمة العلل الكبير للترمذي)

[3] (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني: ۶/۳۱۳-۳۱۴، الناشر: دائرة المعارف النظامية، الهند)

ثقہ راویوں میں ذکر کیا، اور کہا کہ وہ اپنی یادداشت پر بھروسہ کرتے ہوئے حدیث بیان کرتے ہیں تو خطاء کر جاتے ہیں، اور ان میں "تشیع" بھی پایا جاتا تھا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد "یخطئ" وغیرہ قسم کی جرحیں مردود ہیں، نیز خود حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "صحیح ابن حبان" میں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے بہ کثرت روایتیں نقل کی ہیں۔

باقی رہا "تشیع" کا الزام تو اس کی حقیقت آگے آ رہی ہے۔

اسی طرح امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے طویل کلام کرنے کے بعد جو یہ کہا ہے کہ:

"..... وأما في باب الصدق فارجوا أنه لا باس به الا أنه قد سبق منه أحاديث في فضائل أهل البيت و مثالب آخرين مناكير"[1]

ترجمہ: اور جہاں تک اُن کی صداقت وسچائی کا معاملہ ہے، تو میں اُمید کرتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ان سے اہل بیت کے فضائل اور بعض دوسرے لوگوں کے مناقب کے متعلق منکر احادیث بھی ذکر ہوگئی ہیں۔

تو اس کے بارے میں بھی عرض ہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد فضائل ومثالب کی احادیث کو مناکیر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ نیز اگر مناکیر کو جرح پر ہی محمول کیا جائے تو ان کا تعلق بعد از اختلاط اور مدلس روایتوں ہی سے ہے۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر کی جانے والی جرح کی صورتیں:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر مندرجہ ذیل صورتوں میں جرح کی جاتی ہے:

۱۔ تشیع۔

۲۔ اختلاط۔

۳۔ تغیر وتدلیس۔

۴۔ روایت پر جرح۔

---

[1] (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ۶/ ۵۴۵، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت، لبنان)

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ پر "تشیع" کا الزام:

علمائے اہل سنت والجماعت میں سے جن بعض علماء کی نسبت خلاف واقعہ اُن کا شیعہ ہونا مشہور ہے اُن میں سے ایک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی ہے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بہت سے ائمہ فن نے ان کی توثیق کی ہے، ان کی احادیث صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں مذکور ہیں، البتہ کچھ احادیث کے روایت کرنے میں یہ منفرد ہیں، ان کی "تشیع" پسندی کو محدثین نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا، حالاں کہ یہ اس (یعنی تشیع) میں غلو سے کام نہیں لیتے تھے، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور ان کے ساتھ لڑنے والوں سے بغض رکھتے تھے۔۔۔ الخ۔"[1]

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب ایک دوسری جگہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وقال ابن عدي : "ولعبد الرزاق أصناف وحديث كثير ، وقد رحل اليه ثقات المسلمين و أئمتهم و كتبوا عنه الا أنهم نسبوه الى التشيع ..... و ذكره ابن حبان في الثقات و قال : "كان ممن يخطئ اذا حدث من حفظه على تشيع فيه"."[2]

ترجمہ: امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ: "امام عبدالرزاق کی احادیث بہت سی ہیں اور کئی اصناف کی ہیں، ان کی طرف ثقہ مسلمان لوگوں نے اور اُن کے ائمہ نے سفر کیا اور پھر اُن سے احادیث و روایات لکھیں مگر انہوں نے اسے "تشیع" کی طرف منسوب کیا، ابن حبانؒ نے عبدالرزاق کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا اور کہا کہ وہ اپنی یادداشت پر بھروسہ کرتے ہوئے حدیث بیان کرتے ہیں تو خطاء کر جاتے ہیں اور ان میں "تشیع" بھی پایا جاتا تھا۔

ہاشمی صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

---

[1] (سیر اعلام النبلاء کے تاثرین، ص ۴۸، بحوالہ: تذکرۃ الحفاظ للذہبی)

[2] (تہذیب التہذیب، ۶/۳۱۳، ۳۱۴، الناشر: دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند)

"عبدالرزاق نے مجوسیت ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا، یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے "سنی" تھے بعد میں "شیعیت" اختیار کی، لیکن اُن کے ریمارکس سے معلوم ہوتا ہے کہ "تقیہ" کے باوجود "تشیع" کے اثرات اُن سے کبھی زائل نہیں ہوئے تھے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"جعفر بن سلیمان بصری مسلکاً شیعہ تھے اور ثقہ تھے، عبدالرزاق نے اُن سے متاثر ہو کر ہی "شیعہ" مسلک اختیار کیا تھا۔"[1]

یحییٰ ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ: "میں نے عبدالرزاق سے ایسی گفتگو سنی جس سے اُس کا شیعہ ہونا ظاہر ہوتا تھا، میں نے اُس سے کہا کہ تیرے سارے اُستاذ جن سے تو نے حدیث سیکھی ہے سُنی تھے، پھر تو نے شیعہ مذہب کس سے اخذ کر لیا؟ اُس نے کہا: "جعفر بن سلیمان میرے پاس آئے تھے، تو میں نے اُن کو اچھی سیرت والا فاضل پایا، اس لئے میں نے بھی اُن کا مسلک اختیار کر لیا۔

اس تفصیل سے جہاں عبدالرزاق کا شیعہ ہونا ثابت ہو گیا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ موصوف کا "تشیع" ہرگز "سبیر" اور "لا نفر" کا مصداق نہیں تھا۔"[2]

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے "تشیع" کی نوعیت:

جہاں تک امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف "تشیع" کی نسبت کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کا "اثنا عشری جعفری شیعہ" یا "رافضی شیعہ" ہونا قطعی طور پر کہیں بھی ثابت نہیں ہے، بلکہ آپ کا "تشیع" تو بعض اہل سنت کا "تشیع" ہے، اور آپ کی طرف "تشیع" کی نسبت بالکل ویسی ہی ہے، جیسی کہ بعض علمائے اہل سنت کی طرف غلط طور پر "تشیع" کی نسبت کی جاتی ہے، یعنی یہ کہ یہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے تھے۔

چنانچہ حافظ جمال الدین یوسف المزی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] (تذکرۃ الحفاظ، تحت جعفر بن سلیمان الضبعی البصری۔ الطبقۃ الحادیۃ)

[2] (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، ص ۶۷)

" وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل : " سألت أبي ، قلت : "عبد الرزاق كان يتشيع و يفرط في التشيع ؟" فقال : " أما أنا فلم أسمع منه في هذا شيئاً ، ولكن كان رجلاً تعجبه أخبار الناس ، أو الأخبار ."[1]

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے امام عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ محدث عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ شیعہ تھے اور شیعیت میں غلو سے بھی کام لیتے تھے؟ تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "میں نے تو شیعیت کے حوالے سے اُن سے (آج تک) کوئی ایسی بات نہیں سنی لیکن وہ ایسے شخص تھے جنہیں لوگوں کی خبریں یا خبریں (یعنی تاریخی روایات) پسند تھیں۔ (اس لئے وہ انہیں جمع کرتے اور نقل کرتے تھے۔)

امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں:

" أفضل الشيخين بتفضيل علي اياهما عليٰ نفسه و لو لم يفضلهما لم افضلهما ، كفيٰ بي ازراءً أن أحب عليا ثم اخالف قوله ."[2]

ترجمہ: میں شیخین (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کا اس لئے قائل ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے آپ پر فضیلت دی ہے، اگر وہ خود انہیں اپنے آپ پر فضیلت نہ دیتے، تو میں بھی فضیلت نہ دیتا، میری ذلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کر کے پھر اُن کی مخالفت کروں۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ میں جو "تشیع" پایا جاتا تھا وہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر افضلیت کا "تشیع" تھا جو ایک تو "یسیر" تھا اور دوسرا "غیر مضر" تھا۔

امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا "تشیع یسیر" سے بھی رجوع:

امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں:

---

[1] (تهذيب الكمال في أسماء الرجال : ۱۸/ ۶۰، الناشر: مؤسسة الرسالة - بيروت)

[2] (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ۶/ ۵۴، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت - لبنان)